

خصوصی اشاعت

انفوسِ امنامہ

بیادگا

حضرت مولانا مفتی

رحمۃ اللہ
علیہ

نسیم محمد فریدی

مدیر:

سرپرست:

خلیل الرحمن بجا دندوی

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

جلد
۵۷شماره
۸۱۵

پہلی تا اگست ۱۹۸۹ء مطابق رمضان تا ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ

ماہنامہ

افغان لکھنؤ

کا

فرید کانہر

بیادگار حضرت مولانا مفتی نسیم احمد قرین دہلوی

زیر سرپرستی

مرتبہ



حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

خلیل الرحمن سجادی دہلوی

مدظلہ

مدیر الفرقان

سالانہ چندہ:

انڈون ملٹ: ۲۵/-
اس نمبر کے لئے لکھنؤ میں ۲۵/-
پاکستان ۸۰/- (اس نمبر سے بڑھانے کے لئے) ۱۰۰/-

بیرونی مالک (بحری ٹک) ۱۰۰/- یا ۷۵/-
بیرونی مالک (ہوائی ٹک) ۲۲۰/- یا ۱۵۰/-
فی شمارہ ۲۰/-
اس نمبر کی قیمت ۲۵/-

اگر اس نمبر میں (X) رخ نشان ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم اس مدت کے لئے سالانہ چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چونکہ یہ اطلاع اگر کسی آخر تک وصول نہ ہونے کی صورت میں انکشاف شدہ تصدیق دینی روئے ہوگا۔ (منیجر)

پاکستان میں توسیل ذکا پتہ

ادارہ صالح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور

محرم ان نعمانی پرنٹر پبلشر نے اس کا فی لائن پرنٹرز لکھنؤ میں چھپا کر دفتر الفرقان نظیر آباد لکھنؤ سے شائع کیا۔

فہرست

فہرست مضامین مضامین نگار صفحہ نمبر

۱	نگاہِ اولیں	_____	مُدریر	۳
۲	ایک قابلِ رشک ستائیکے مثالِ رفیق	_____	مولانا محمد منظور نعمانی	۱۵
۳	مولانا نسیم احمد فریدی۔ چند یادیں چند باتیں	_____	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۲۳
۴	مولانا فریدی ایک صاحبِ خدمت بزرگ	_____	مولانا سید احمد مدنی	۲۸
۵				

آفتابِ سربست (نظم) مولانا نسیم احمد فریدی

۶	حضرت مولانا نسیم احمد فریدی	_____	جناب حسین احمد سادوقی	۳۱
۷	حضرت مولانا نسیم احمد فریدی، سیرتِ اعلیٰ خدماتِ پراگندہ نظر	_____	پروفیسر خلیل احمد نطفی	۳۹

۸	مزارِ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پر پہنچ کر (نظم) مولانا فریدی	_____		۷۸
---	---	-------	--	----

۹	گوہرِ یک دانہ	_____	پروفیسر نثار احمد فاروقی	۷۹
---	---------------	-------	--------------------------	----

۱۰	حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور دارالعلوم دیوبند (نظم) مولانا فریدی	_____		۱۱۰
----	---	-------	--	-----

۱۱	یادی و اُستادی مولانا نسیم احمد فریدی، مختصر سوانح حیات، خصوصیات و کمالات مولانا محبوب الحق صاحب	_____		۱۱۱
----	--	-------	--	-----

۱۲	ایک دلچسپ اور سبق آموز واقعات	_____		۱۴۰
----	-------------------------------	-------	--	-----

۱۳	مولانا نسیم احمد فریدی انسان کی تصنیفات	_____	مولانا حقیق احمد بستی	۱۴۱
----	---	-------	-----------------------	-----

۱۴	حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، کچھ مشاہدات و مناظرات	_____	جناب حکیم صیانت اللہ صاحب (امروہ)	۱۶۱
----	--	-------	-----------------------------------	-----

۱۵	گدڑی میں محفل	_____	مولانا یحییٰ الرحمن سنہلی	۱۶۵
----	---------------	-------	---------------------------	-----

۱۶	مولانا ابوالحسن زبید دہلوی کی کتاب مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان پر تبصرہ مولانا فریدی	_____		۱۶۷
----	---	-------	--	-----

۱۷	تکملہ جہد	_____	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی	۲۱۷
----	-----------	-------	-------------------------------	-----

۱۸	الفرقان میں شائع شدہ مقالاتِ فریدی کی فہرست	_____	جناب قطب الدین ملا صاحب	۲۵۱
----	---	-------	-------------------------	-----

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نگاہ اولیں

نہایت الرحمان سبحانہ و تعالیٰ

مولانا نسیم احمد فریدی نمبر آپ کے ہاتھ میں ہے، مولانا کی شخصیت اور ان کے مجاہدانہ و کمالات پر نظر کی جائے تو یہ مجبوراً کچھ بھی نہیں لیکن جن حالات میں یہ نکلا ہے اور جس ماحول سے اس شکل تک پہنچا ہے اس سب کو دیکھتے ہوئے اسے مولانا کی کرامت اور الشرف کی خاص تاثیر و نصرت کا ظہور کہنا بھی شاید ہیجان ہوگا۔

چند ماہ قبل (۱۶ اربیع الاول ۱۳۸۵ھ) اکتوبر ۱۹۶۵ء کی حضرت مولانا فریدی کا وصال ہوا تو اس خاص تعلق کی بنا پر جو الفرقان اور صاحب الفرقان کو انکی ذات گرامی سے رہا ہے راقم سطوٰ کے دل میں سخت تعاضا پیدا ہوا کہ مولانا کی یاد میں ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا جائے، میں ان دنوں سخت بیماری کے مرحلے سے گذر رہا تھا چنانچہ جب میں نے اپنا یہ خیال دل لاج سے مدظلہ کے سامنے رکھا تو انھیں اسے قبول کرنے میں کچھ تردد ہوا تاہم بالآخر انھوں نے فیصلہ فرمایا اور اب یہ نمبر احمد الشرف آپ کے ہاتھ میں ہے۔

الفرقان گذشتہ ۵۶ سال سے احمد الشرف مسلسل شائع ہو رہا ہے اس عرصہ میں برصغیر کا شاید ہی کوئی ممتاز اہل قلم ایسا ہو جس کے نتائج فکر سے الفرقان کا دامن خالی رہا ہو لیکن مولانا فریدی کی اس درجہ خصوصیت یہی کہ گذشتہ پچاس سال کی قائلوں میں بہت کم شمار ہائے ہیں جو مولانا کے افادات سے خالی ہوں۔ رسمی طور پر تو مولانا الفرقان کے مدیر تھے مگر فریق، لیکن جو بے لوث تعلق انھیں الفرقان سے تھا اور جیسی قدر افزائی وہ اسکی کرتے تھے شاید مولانا مناظر حسن گیلانی کے علاوہ اس میں کوئی ان کا شریک سہم نہ ہو۔

گذشتہ ۹۷ سال میں ایسے حالات آئے تھے کہ الفرقان کا جاری رکھنا بہت مشکل نظر آنے لگا تھا اور تجدید کی سے یہ بات زیر غور تھی کہ مجوز الفرقان بند کر دیا جائے لیکن آخری فیصلے سے پہلے (نمبر ۳۷۷ کے شمارے میں) اس سلسلہ میں الفرقان کے قارئین اور قدر دانوں کی

ان کی رائے طلب کی گئی تھی، اس کے جواب میں مولانا فریدی نے والد ماجد کے نام اپنے خط میں جو کچھ لکھا تھا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ الفرقان کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے اور انھیں اس رسالہ سے کیسا گہرا مخلصانہ تعلق تھا مولانا نے لکھا تھا :-

”الفرقان کے متعلق آپ کا نوٹ پڑھو اگر سن لیا تھا جس کا قلب پر پیدا اثر ہوا۔
الفرقان آپ کی زندگی میں بند نہیں ہونا چاہئے بلکہ آپ وصیت فرمائیں کہ
آپ کے بعد بھی یہ پرچہ چلتا رہے۔ اسکے ذریعہ منجملہ اور اہم کاموں کے یہ اہم کام بھی
ہو گیا کہ آپ کے مطالعہ کا اور تعلقات و ترقیات کا ایک بڑا ذخیرہ مرتب ہو گیا
جس میں مناظرے بھی ہیں، نصوت و سلوک بھی ہے، قرآن پاک کی تشریح و ترجمانی
بھی ہے اور احادیث کے دفتر بھی ہیں یہ رسالہ نہ ہوتا تو شاید آپ اپنے طور پر
ایک جگہ بیٹھ کے یہ کام انجام نہ دے سکتے۔ خود میرے تراجم و تلخیصات بھی
الفرقان کے ذریعہ سے لکھے گئے ورنہ میں انتہائی دوجہ کالا ابالی انسان ہوں
آپ کی دعاؤں و توجہات نیز مولوی عتیق الرحمن سلمہ کی تحریر و تائید نے
مجھے کچھ نہ کچھ لکھنے پر مجبور کیا اور اس طرح یہ کام ہو گیا۔
الفرقان جیسے پرچہ روز روز نہیں نکلا کرتے بند کرنے کا نام نہ لیجئے!

یہ تو مولائی بات الفرقان کے ساتھ مولانا فریدی کے تعلق کی اچھا تک صاحب
الفرقان (حضرت مولانا نعمانی مدظلہ) کی ذات گرامی کے ساتھ مولانا کے تعلق کا معاملہ ہے
تو وہ بھی اپنی نظیر آپ ہے اور اسکے بارے میں یہ کم سوا صرف اتنا ہی عرض کر سکتا ہے کہ
ہمیں اپنے کو اس لحاظ سے بھی بہت خوش نصیب سمجھنا چاہئے کہ ان دونوں بزرگوں
کے مابین بے مثال تعلق کی برکت سے ہماری آنکھوں نے علم و دین کے دو ہم عصر خادموں
کے باہمی قدردان و احترام اور ایک دوسرے کے ساتھ تواضع و اعتراف والے معاملہ کا نہایت بلند
نمونہ دیکھ لیا ہے۔ جسے اگر موجودہ ماحول اور پھیلی ہوئی نفسانیت کے مناظر میں دیکھا
جائے تو اسکی قدر و قیمت اور بھی دو بالا ہو جاتی ہے۔ خدا کرے کہ ہم اس نمونہ کو اپنی یادداشت
میں محفوظ کر لیں اور اپنے مزاج کو اس رنگ میں رنگ سکیں۔

ان دونوں بزرگوں (والد ماجد اور مولانا فریدی) کے درمیان محکم کاٹھ تعلق تھا۔
لکھا الفرقان بابت ماہ اکتوبر ۱۹۶۷ء

اسکو سمجھنے کے لئے چند واقعات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا تھا جو راقم الحروف کے علم میں ہیں لیکن کسی طرح انھیں لکھنے کی اجازت اسے والد ماجد کی طرف سے نہیں مل سکی۔
 مجھ کو اس اجمال پر اکتفاء کرتا ہوں کہ مشکل وقتوں میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے اور تعاون علی البر و التقویٰ اور ایثار و وفا کی جو روش ان حضرات نے زندگی بھر نبائی ہے اس کی یاد۔ ع

بہر تسکین دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر
 اور بہتر ہو کہ ان باتوں کے سننے سنانے پر اکتفاء کر لینے کی عادت سے اب توبہ کر لی جائے
 اور اشر والوں کے احوال و کوائف اور اوصاف و اخلاق کو براہ راست دیکھا جائے کہ
 "قتیدہ کے بودمانند دیدہ" اور۔ ع

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ اگو
 بہر حال الفرقان اور صاحب الفرقان کے ساتھ جو خصوصی تعلق و یگانگت مولانا فریدی کو تھی اس کے پیش نظر مولانا کی یاد میں الفرقان کے ایک خاص نمبر کی اشاعت دل کا ایک قدرتی تقاضا اور ادارۃ الفرقان کے ذمہ ایک فریضہ تھا۔ خاص کر اس وجہ سے بھی کہ بے وفائی ناقدری اور احسان فراموشی کے اس دور میں اپنے مشائخ بزرگوں اور محسنوں کے ساتھ وفا شناری مولانا کا خاص وصف اور انکی زندگی کا اہم پیغام ہے۔ اپنے بزرگوں کے ایک ایک حرف کو آنکھوں سے لگانے اور انکے حالات و سوانح کی تدوین اشاعت سے شغف کا اتنا بلند معیار جو شخص قائم کر گیا ہو اگر خدا اسکے تذکرہ کا شوق اسکے شاگردوں و شاغریں میں پیدا ہوتا اس میں ذرہ برابر تعجب کی بات نہیں۔ ہل جزاء الاحسان الا احسان۔

اب آئیے اس نمبر کے مشتملات پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے !
 نمبر کا افتتاح والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی و امت برکاتہم کے مضمون سے ہوا ہے اس سادہ اور مختصر سے مضمون میں مولانا فریدی کے ساتھ تعلق کی مختصر تاریخ بھی آگئی ہے اور مولانا کے اوصاف و کمالات کا تذکرہ بھی نہایت چھتے انداز سے آگیا ہے۔ اسکے بعد محمد و منا حضرت مولانا سید الواسع علی ندوی مدظلہ کا مضمون اس خاص نمبر کی زینت ہے تنگ وقت میں بوجہ تکرار اس مختصر مضمون میں حضرت مولانا موصوف

نے خاص طور پر مولانا فریدی مرحوم کے موت کی تقریبی وصفت کو اجاگر فرمایا ہے اور وہ ہے
امام ربانی مجدد الف ثانی مقدس سرہ سے کے کراہتک کے اپنے سلسلے کے اکابر و شاخ اور ملت
اسلامیہ ہندو کے محبین کے حالات و خدمات کی گہری واقفیت۔ اور انکی تدوین و اشاعت
کے سلسلے میں سخت جدوجہد اور جانفانی جس میں بقول حضرت مولانا ندوی مدظلہ کی کوئی
ان کا شریک و ہمہنگ ہوگا جو لوگ اس موضوع پر حضرت مولانا مجددی کے وسیع و عمیق مطالعہ
اور اس باب میں انکی سندی حیثیت و مقام سے واقف ہیں انکے نزدیک حضرت مولانا کی
پیشہادت خاص اہمیت رکھتی ہے۔

اس کے بعد آپ والد ماجد کے نام حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب دامت برکاتہم
کا ایک مکتوب ملاحظہ فرمائیں گے جس میں انھوں نے مختصراً مولانا فریدی کے بایں میں اپنے
احساسات و تاثرات تحریر فرمائے ہیں مولانا موصوف سے مولانا فریدی کو غایت درجہ مخلصانہ
تعلق تھا لہذا ضروری تھا کہ الفرقان کے اس خاص نمبر میں مولانا فریدی کے بایں میں انکے
تاثرات بھی محفوظ ہو جائے اسی بنا پر مولانا موصوف سے بھی درخواست کی گئی مولانا اس
دوران ایک طویل سفر پر تھے تاہم انکے چھوٹے بھائی مولانا ارشد میاں زید مجدہ کے اہتمام کی
بدولت حضرت مولانا اسعد میاں مدظلہ کی طرف سے حضرت والد ماجد کے نام ایک خط کی
شکل میں مولانا فریدی کے بایں میں ان کے احساسات و تاثرات ہیں بروقت موصول
ہو گئے۔ ہم اس بیش قیمت تعاون کیلئے مولانا ارشد میاں کے خاص طور پر شکریہ ادا کریں۔
اس کے بعد سلسلہ شروع ہوا ہے سوانحی مضامین کا جس کا آغاز مولانا فریدی مرحوم کے
بچپن اور کتابت جناب میں احمد فاروقی صاحب کے مضمون کیا گیا ہے جس سے مولانا فریدی مرحوم
کی شخصیت کا ایک جامع خاکہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اس کے بعد مولانا فریدی
کے بچانچے اور ممتاز مصنف و دانشور پروفیسر خلیق احمد نظامی مولانا کے برادر زائد اور
معروف صاحب قلم ڈاکٹر نثار احمد فاروقی اور مولانا کے خادم خاص مولانا محبوب الحق صاحب
امروہوی کے مفصل مضامین ہیں۔ ان چاروں مضامین کی خصوصیت یہ ہے کہ مولانا
کے اہل خانہ اور شب و روز ملتحد رہنے والے معاونین و خدام نے لکھے ہیں اور اس اہتمام او
عرق ریزی سے لکھے ہیں کہ انکی بدولت کہا جاسکتا ہے کہ اس نمبر میں مولانا فریدی کی شخصیت
کے تعلق کوئی اہم اور قابل ذکر پہلو تشہ نہیں رہ گیا۔ ادارہ الفرقان ان چاروں

حضرات کا تہ دل سے شکر گزار ہے۔

ان سوانحی مضامین کے بعد تین مضمون اور ہیں جن میں سے ایک بھائے متقل قلمی معاون اور رفیق گرامی قدردانا عتیق احمد توبی صاحب کے قلم سے ہے جس میں انھوں نے مولانا فریدی مرحوم کی شخصیت کے متعلق اپنے کچھ تاثرات بیان کرنے کے بعد مولانا کی تصنیفات کا تعارف کرایا ہے۔ اور دوسرا مضمون امروہہ کے معروف طبیب جناب حکیم صیانت اللہ صاحب کا مرقوم ہے جو مولانا کے قدیم معالج بھی تھے اور ابتدائی زمانہ وطالب علمی میں ہم مدرس بھی۔ کسی شخص کے بارے میں ایسے لوگوں کا شہادت دینا جو نہ شاگرد ہوں نہ ارادت مند، مگر اتنے قریبی ہوں کہ ان سے کسی چیز کا انحصار ممکن نہ ہو، اہل نظر کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اور اس اعتبار سے حکیم صاحب موصوف کا مضمون جس کا انداز بھی بہت مؤثر و دل نشیں ہے، خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ادارۃ الفرقان حکیم صاحب موصوف کا مضمون ہے۔ مضامین کے اس سلسلہ کا اختتام برادر معظم مولانا عتیق الرحمن سیمعلی زید مجاہد کے ایک مضمون پر کیا گیا ہے جو دراصل اس مضمون کا ابتدائی حصہ ہے جو انھوں نے اس نمبر کے لئے لکھا شروع کیا تھا اور جس میں وہ مولانا کی تصنیفات پر مفصل تبصرہ کرنا چاہتے تھے لیکن جب وہ وقت کے اندر مکمل نہ ہو سکا تو انھوں نے اسے رک کر صرف وہ تہیہ حصہ بھائے مطالعہ کیا دیا جو وہ مکمل چکے تھے۔ بھائی صاحب کا اسلوب تحریر ایسا منفرد ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کو وہ نامکمل مضمون بھی ایسا بھرپور لگا کہ اُسے چھوڑنے پر طبیعت کسی طرح آمادہ نہیں ہوتی، مضمون کے اس حصہ میں بھائی صاحب نے مولانا فریدی کی بے نفسی و سادگی کا نقشہ کھینچا ہے جو بھائے نزدیک انکی اصل خصوصیت تھی اور ان کے سارے کمالات کا سرچشمہ بھی۔ اہم نے اس مضمون کو سب سے آخر میں اسی خیال سے رکھا ہے کہ دوسری تفصیلات میں ابھر کر مولانا فریدی کے کردار کے اس مرکزی نقطہ کی طرف سے غفلت نہ ہونے پائے بلکہ قارئین کے ذہن ساری تفصیلات سے گزر کر اسی ایک نقطہ پر مرکوز ہو جائیں تاکہ اپنی شخصیت کی تعمیر کی طرف توجہ کرنے والے اسی مرکزی نقطہ بے نفسی و سادگی اور تواضع و مکنث سے کام لے کر ان کا آغاز کریں کہ کتب عشق کی بسم اللہ بھی یہی ہے اور ایمین بھی یہی۔ اور اس کے بغیر سب ہیچ ہے۔

اس کے بعد آپ مولانا فریدی مرحوم کا ایک غیر مطبوعہ مضمون ملاحظہ فرمائیں گے
پسچائیں میں ان کا پتہ

جو انھوں نے تقریباً دو سال قبل الفرقان کیلئے تحریر فرمایا تھا لیکن بعض وجوہ سے۔ چکی
تفصیل والد ماجد غلام نے مولانا فریدی کے اس مقالہ پر اپنے پیش نظر میں بیان کر دی ہے
— اسکی اشاعت میں تاخیر ہوتی چلی گئی — اس مقالہ میں مولانا فریدی علیہ الرحمہ نے
حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور انکی کتاب تقویۃ الایمان کے بارے میں مولانا ابوالحسن زید پوری
فاروقی کی ایک تصنیف کا جائزہ لیا ہے اور جامع مسجد دہلی میں ۱۲۳۴ھ میں ہونے والے
ایک مناظرہ کی صحیح اور مکمل روئیداد تحریر فرمائی ہے — ہم نے تو مولانا کی زندگی میں اس
مضمون کے شائع نہ ہو سکے سے یہ نیک شکون کی ہے کہ ملت اسلامیہ ہند کے اکابر و محبین
کے دفاع اور ان کے پیغام کو عام کرنے کا جو کام مولانا فریدی سے زندگی بھر لیا جاتا رہا۔
انشاء اللہ کام دنیا سے ان کے رخصت ہو جانے کے بعد بھی جاری رہے گا کیا عجیب
کہ یہ اسی تقدیر الہی کا کرشمہ ہو کہ جو محفل مولانا کے آتم کیلئے سجائی گئی تھی، اس میں مولانا
خود شریک ہیں اور حضرت شہیدؒ کے بارے میں پھیلائی گئی کچھ غلط باتوں کی تردید پورے
خوش و خروش سے فرماتے ہیں اور گویا زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ

ہرگز نمیرد آنکہ دیش زندہ شد بخت

ثبت است بر جریۃ عالم دوام

مولانا فریدی نے کئی بار والد ماجد سے یہ فرمائش کی تھی کہ وہ انکے اس مقالہ پر کچھ لکھ دیں
اس وقت ہم دیکھتے تھے کہ کوئی خاص داعیہ والد ماجد کے دل میں اس موضوع پر کچھ لکھنے کا
نہیں پیدا ہوتا تھا پھر جب رمضان مبارک میں والد ماجد نے مولانا فریدی کی فرمائش کی
تفصیل میں کچھ لکھنے کا ارادہ فرمایا اور ان کے مقالے کو بغور پڑھا تو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کئی
ان کے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا ہو اور انکے زار و نزار جسم میں ایک نئی لہر دوڑا دی ہو۔
مضامین کی ایسی آمد شروع ہوئی کہ تھانا مشکل ہو گیا درمیان میں بار بار طوالت کا خوف
لگام لگاتا رہا۔ لیکن ہم لوگ یہ عرض کرتے رہے کہ ہماری نئی نسل اس موضوع سے — یعنی
حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ پر لگائے گئے الزامات اور انکے جوابات سے — صحیح طور پر
واقف نہیں ہے اس لئے اگر اس بارے میں زندگی بھر کے مطالعہ کا بخیر و سادہ و سلیس انداز
میں محفوظ ہو جائے تو انشاء اللہ شریہ بہت کارآمد چیز ہوگی بہر حال تقریباً دو ڈھائی ہفتے
کی شدید محنت کے نتیجے میں والد ماجد غلام کے قلم سے اس موضوع پر جو مولانا شہیدؒ کے بارے میں لکھا

کے مقالے کے بعد مکملہ کے زیر عنوان ملاحظہ فرمائیں گے وہ اور مولانا فریدی کا مقالہ اس نمبر میں خاصے کی چیز ہیں اور بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ حضرت شاہ اسماعیل شہید کے مسلک و مشرب اور طرز اصلاح کے بارے میں یہ دونوں مضمون تاریخی و علمی مواد کے لحاظ سے بنیادی ماخذ اور شاہ کلید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ظاہری و جسمانی طور پر والد ماجد کا جو حال چل رہا ہے، اس میں اتنی محنت و جانفشانی پران کی آمادگی کو مرضی الہی کے ظہور اور مولانا فریدی کے صدق طلب کی تاثیر کے علاوہ کسی اور چیز پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

سب سے آخروں الفرقان میں شائع شدہ مولانا فریدی علیہ الرحمہ کے مضامین و مقالات کی ایک مکمل فہرست پیش کی گئی ہے تاکہ مولانا کے افادات کا جو خزانہ الفرقان میں محفوظ ہے اس کی ایک فہرست لوگوں کے ہاتھ میں آجائے اور اس سے استفادہ آسان ہو۔ یہ فہرست الفرقان اور صاحب الفرقان کے ایک شیدائی جناب قطب الدین ملاحظہ کئے۔ مرتب کر کے بھیجی ہے جس کیلئے وہ ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

بلاشبہ حضرت مولانا فریدی بورد اللہ مصباحہ ربیرا البحر اور سلطان القلم تھے، وہ کیا بلحاظ تصنیف اور کیا بحیثیت تالیف و تدوین اور کیا از روئے مقالہ نگاری ایک کامیاب بلند پایہ محقق و مبصر تھے انھوں نے مولانا گیلانی کے بارے میں یہ جو لکھا تھا کہ:-

”وہ پی ایچ ڈی نہ تھے لیکن اس راہ کے کتنے امیدواروں کو انھوں نے کامیاب بنایا ہے اور ایسی شاہراہ قائم فرادی ہے کہ میدان تحقیق میں ایک ذہین طالب علم آسانی کا مژنی کر سکے اور اسلاف کی کتابوں، تاریخوں اور تذکروں کے بحر ذخار سے علم و حکمت کے موتی نکال سکے پچھلے تو پی ایچ ڈی بننا آسان ہے۔ مناظر احسن بنا مشکل“

آج یہ بات خود مولانا فریدی پر حروف بحرف صادق آتی ہے انھوں نے بلا مبالغہ سیکڑوں مقالے لکھے اور ان میں خدا داد بصیرت اور علمی و فنی کاوش کا پورا پورا ثبوت دیا نصف صدی سے زیادہ عرصے تک ان کا دریائے علم و تحقیق مجلاتی مقالات اور گراں قدر

تصنیفات کی شکل میں غیب خوب رولانی اور جولانی دکھاتا رہا۔ انکے خونِ جگر کی گل کاریوں سے جن علم و تحقیق میں تازہ بہا رہیں آگئیں۔ جو لوگ انکے مقالات کو خود سے پڑھتے رہے ہیں، ان کیلئے جو کسی مثال کی ضرورت نہیں لیکن جو لوگ سرسری مطالعے کے عادی ہیں۔ اور افسوس ہے کہ اکثریت انھیں کی ہے۔ ان کی خدمت میں مولانا کے مطالعہ و تحقیق کا ایک نمونہ پیش کر دینا یہاں پر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

الفرقان کے مجدد الف ثانی نمبر (۷۵۷ھ) میں مولانا مناظر احسن گیلانی کا ایک تفصیلی مقالہ شائع ہوا تھا جو مولانا گیلانی کی وفات کے بعد انکی یاد میں شائع ہونے والے الفرقان کے خاص نمبر (۷۵۷ھ) میں مولانا فریدی کی تجویز و تمہید کے ساتھ دوبارہ شائع ہوا تھا۔ اس مضمون پر اپنی تہمید میں مولانا فریدی نے فتنہ اکبری کے متعلق ایک ایسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے جو نہ صرف اس فتنہ کے مختلف عناصر بلکہ اکبر کے بعد مغل سلطنت کے رخ کی بتدریج تبدیلی کے اسباب اور شہنشاہ جہانگیر کی شخصیت اور اس مثبت طرز عمل پر غور کرنے والوں کے لئے نشانِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے جو اس دور کے باؤفینِ خادمانِ اسلام نے جہانگیر کے رخ کو مڑانے اور جادہ حق پر اس کے قدم جانے کی کوشش کے سلسلہ میں اختیار کیا تھا۔ ذیل کی سطروں میں ہم مولانا فریدی کی وہ پوری متعلقہ عبارت، انکے طرز مطالعہ و تحقیق کے ایک نمونہ کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔

مولانا نے ارقام فرمایا تھا:۔

”ابوالفضل اور فیضی یہ دونوں بھائی دربار اکبری پر چھائے ہوئے تھے،

ان میں اول الذکر میرنشی اور اعلیٰ منصب ادا تھا، دوسرا ملک الشعراء اور معلم

شاہزادگان۔ علوم عقلیہ کا دونوں پر پورا پورا اثر تھا۔ نقلی علوم سے

بہرہ ور نہ تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کے عقائد بھی تباہ

کرنے کی کوشش کی اور ایسی اسکیم دربار اکبری میں تیار کی جس سے اسلام کا

نام و نشان ہی مٹ جائے۔ پچ پوچھے تو دین الہی کے کنویر“ یہ دونوں

بھائی ہی تھے۔ ناخواندہ اکبر پر ان دونوں نے اپنا سکہ جالیا

تھا۔ مورخین حال، ابوالفضل کے قتل کی وجہ لکھتے تو ہیں لیکن

ایک وہ خاص وجہ جس کو خود جہانگیر نے اپنے قلم سے نزک میں لکھا ہے چھوڑ جاتے

ہیں۔ اور تماشے کی بات ہے کہ طبع کرانے وقت نزک جہانگیری کے ایڈٹ کر دیا

ایک ریاضی مرقم کے بزرگ نے نہ معلوم کس مصلحت سے اس جیسے کو حذف کر دیا ہے وہ تو یہ کہ جسے مجھے مدرسہ اشاعت العلوم بریلی کے کتب خانے سے متعارف کیا ہوا ایک قدیم قلمی نزک کا نسخہ دفتر الفرقان میں مطالعہ کرنے کیلئے مل گیا تھا اور یہ کتاب میں نے اسی وقت اپنے دل میں نوٹ کر لی تھی اس وقت قلمی نزک تو میرے سامنے نہیں ہے۔ ”نذکرہ فاتحان ملک ہند قلمی سے نزک کا مضمون نقل

کرتا ہوں ممکن ہے الفاظ میں کچھ تفاوت ہو لیکن مفہوم بالکل وہی ہے۔ درکنالے کہ برواقعات خود برگاشتہ و جہانگیر نے اپنی خود نوشت نزک میں لکھا نزک جہانگیری نام داشت می نگارو کہ ہے کہ میں ابو الفضل سے اس وجہ سے ناراض از ابو الفضل روگرداں بودم از آنکہ تھا کہ اس نے میرے باپ (اکبر) کو بچاپے دربرانہ سالی پدرم را از راہ عظیم بازداشت۔ میں راہ مستقیم سے ہٹا دیا تھا۔

نذکرہ فاتحان ہند سے تفصیل سنئے جو اکثر و بیشتر نزک ہی سے ماخوذ ہے :- زمانیکہ شہر یارہ چوارنگا ہی بود از جس زمانے میں اکبر بادشاہ چارنگ بھری شاہزادہ مرزا سلیم شکر رنجی کشید۔ تھا شاہزادہ سلیم (جہانگیر) سے اس کی ناچاقی ہو گئی۔

ناچاقی زیادہ بڑھی تو اکبر نے ابو الفضل کو دکن سے مشورہ کیلئے بلایا وہاں سے اہل و عیال اقامت گزریں تھا ابو الفضل نے جلدی میں اپنے اہلی و عیالی وہیں چھوڑے اور خود یکہ و تنہا چل پڑا۔

جہانگیر کو جو بچہ وجوہ اس سے رنجیدہ تھا — اچھا موقع ہاتھ آیا۔ قتل کرنے کا منصوبہ کانٹھ لیا۔ وہ وجوہ کیا تھیں؟ — سنئے

سب کا، آئنگے یکیش بود اول یہ کہ ابو الفضل بد قریب تھا۔ دوم آئنگے خضر را دریں پیرانہ سالی دوسری وجہ یہ تھی کہ ابو الفضل نے بہ آئینے آورد کہ سیگفت قرآن اکبر کو بچاپے ہیں یہ بی بی بچا ہی تھی کہ قرآن عظیم کلام ربانی نہیں ہے بلکہ از کلام ربانی است از زبان رسول رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ایزدیت۔

ہے۔ (نحوہ باشر)

پھر کیا ہوا۔۔۔ ابو الفضل گویا راکے راستے سے اُردو ہاتھ رانا سال دیو
سے جو جہانگیر کا خسر تھا سازش کر کے قتل کروادیا۔۔۔ خود جہانگیر نے تاریخ
قتل ابو الفضل یہ نکالی۔

تین اعجازِ جاناں و صلۃ اللہ علیہم سراجی بید تین اعجازِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے سراخی کاٹ دیا۔

(راجی کا سر یعنی پہلا حرف (ب) کاٹ کر ابھی خاصاً تاریخ نکل آتی ہے۔)
یہ خدا کی طرف سے بات تھی کہ وہ جہانگیر جو ایامِ شاہزادگی میں کیا اپنی
سلطنت کی برسوں میں بھی مذہبی حیثیت کمزور نہ تھا اُس جہانگیر کے دل و دماغ کے کسی
گوشے میں اتنی صلاحیت موجود تھی کہ وہ اس روحِ فرسا الحاد و زندہ کی بدنامہ کر سکا اگرچہ
حصولِ سلطنت کی خواہش بھی ملی ہوئی ہو لیکن قتل ابو الفضل کی نمایاں وجہ اس کا
احادہ ہے۔ یہ بھی اعجازِ رسول ہی کا حقد ہے کہ اس بڑے سبب کو برہنہ مصلحت
مثانے اور چھپانے کے باوجود تاریخ نے اس حقیقت کو اپنے اندر محفوظ رکھا۔

دیکھا آپ نے مولانا فریدی کے اخذ و مطالعہ کا انداز! مولانا ترک جہانگیری کے قلمی
نسخہ کا مطالعہ فرمایا ہے میں اس میں انکی نظر سے یہ اشارہ گذرتا ہے کہ ”جہانگیر نے ابو الفضل کو
جو قتل کروایا تھا تو اسکے پیچھے زیادہ تر اس کا یہ احساس تھا کہ اس نے یعنی ابو الفضل نے میرے
باپ اکبر کو بڑھاپے میں راہ سے بے راہ کر دیا تھا“۔ اسے پڑھ کر مولانا یوں ہی نہیں گذر جائے
بلکہ اس بات کو اپنے دل میں ٹوٹ کر لیتے ہیں۔۔۔ یہ ہے مطالعہ کا وہ انداز جسے اپنانے کی
ہم سب کو شدید ضرورت ہے، مولانا فریدی کے اس وصف کا تذکرہ آپ آئندہ صفحات پر
ان لوگوں کی زبانی سنیں گے جنہوں نے مولانا کو اور ان کے اوصاف و کمالات کو بہت قریب سے دیکھا اُن
سب کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی مضمون کو سننے یا پڑھتے وقت ایک ایک لفظ کو پوری وضاحت
اور اطمینان کے ساتھ سمجھ لیں بغیر اُسے بڑھاتا کی شریعت میں قطعاً حوام تھا۔ اور یہ اسی کا نتیجہ
تھا کہ وہ جو کچھ سننے یا پڑھتے تھے اسے پوری طرح ہضم کرتے تھے اس سے پورا کام لیتے تھے
اور وہ انکی عقل و یادداشت میں محفوظ بلکہ لوحِ دل پر نقش ہو جایا کرتا تھا۔۔۔ مطالعہ
کے اس انداز کے ساتھ مستقل ذکر و فکر کے نتیجے میں ایسی گہری بصیرت بھی انہیں عطا ہو گئی تھی

جس کی روشنی میں معلومات کی اہمیت کے بارے میں ان کا اندازہ اکثر بالکل درست تھا۔
 تھا۔ اور یہی باتیں علم و تحقیق کے میدان میں کامیابی کی بنیادی شرطیں ہیں۔
 اس بات کو میں طول اس لئے دے رہا ہوں کہ ہم پڑھنے پڑھانے والوں کے علم و فہم میں
 آج جو سطحیت نظر آ رہی ہے یہ نتیجہ ہے اس سرسری پن اور صحافتی انداز کا جو ہمارے پورے وجود پر
 چھا گیا ہے اور جس سے ہمارا مطالعہ کا انداز بھی بہت زیادہ متاثر ہوا ہے۔ چنانچہ ہم جو کچھ پڑھتے
 ہیں نہایت سرسری انداز سے پڑھتے ہیں۔ اور اسی لئے ہمارا اکثر مطالعہ ضائع ہو جاتا ہے۔
 کیا ہی اچھا ہو کہ مولانا فریدی کی اس مثال کو سن کر ہم اپنے طرز عمل میں منتقل تبدیلی
 لے آئیں۔ تھوڑے دن شروع میں بہ تکلف عادت ڈالنی ہوگی۔ پھر تو طبیعت اسی رنگ
 میں رنگ جائے گی۔

اب جب بات پھر یہی گئی ہے مولانا کے خاص اوصاف و کمالات کی تو بہتر ہے کہ اسی سیاق
 میں مولانا کی شخصیت کے ان کمالات کی طرف بھی کچھ اشارہ ہو جائے جو ان علمی کمالات بھی
 عظیم تر ہیں اور جن سے اپنے کو کسی نہ کسی درجہ میں آراستہ کرنے کا معاملہ کم از کم خدمت دین کی
 طرف منسوب ہم جیسے لوگوں کیلئے نفل کا نہیں فرض کا بلکہ فرض عین کا درجہ رکھتا ہے۔
 میرا اشارہ مولانا کے روحانی کمالات کی طرف ہے۔

ہم اپنی علم و دانست پر نوکیلا بھروسہ کریں، بڑے بڑے اہل نظر کی زبانی آپ آئندہ صفتی
 ہیں یہ شہادت سب سے گے کہ مولانا فریدی؟ اخلاص، تقویٰ اور عبودیت و مسکن کا مجسمہ تھے و فضل و کمال
 اور زہد و ورع کا بیکر اور مقام تجرید و تقرید اور نوکل رضا کا مظہر تھے وہ معصوم نہ تھے لیکن پراسائی
 کا کامل نمونہ ضرور تھے۔ ارشاد وہدایت پسند و نصیحت درس و تدریس تلاش و مطالعہ تصنیف
 تالیف ان کے عمر بھر مشاغل رہے جو دو سنا، تواضع و انکسار، حق گوئی و صداقت، ایثار و قربانی،
 مہربان و مہربان، محبت علماء و صلحاء ان کا شعار تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنے
 جذبہ دروں کو زندگی بھر فقر و درویشی اور انکسار و تواضع کی لوٹ میں ایسا چھپا دے
 رہے کہ انھیں پہچاننے کے لئے جوہری کی نگاہ درکار تھی۔

میں سچ کہتا ہوں کہ اس نمبر کے طفیل دو عین مہینے کی جو صحبت مولانا کی وفات کے بعد
 ان کے ساتھ رہی اور ان کے جو حالات و کوائف علم میں آئے تو اپنی بے نظری و ناقدری پر بہت
 رونا آیا اور بڑی شدت سے احساس ہوا کہ کاش مولانا کے بارے میں یہ باتیں ان کی زندگی میں

علم میں آجائیں تو کچھ حاصل کر لے گی کوشش کی شاید توفیق مل جاتی لیکن یہ عجیب سا رولج ہو گیا ہے کہ اللہ والوں کے دنیا سے جانے کے بعد ہی انکے کمالات کا تذکرہ ہوتا ہے اور کچھ دن اس کا تذکرہ ہوتا رہتا ہے پھر سب کچھ اپنے معمول پر آ جاتا ہے۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ یہ رواج بھی اسی وجہ سے ہوا ہے کہ اہل اللہ کو تلاش کرنے اور ان کے چرخ سے اپنا چرخ روشن کرنے کا جذبہ خود ہلکے اندر سرد ہو گیا ہے۔

مولانا فریدیؒ تو ہمیشہ کیلئے ہم سے جدا ہو گئے لیکن یہ دنیا اس دور قحط الرجال میں بھی بالکل خالی نہیں ہے اور بہار ابر صغیرؒ نسبتاً زیادہ ہی خوش نصیب ہے۔ اللہ کے کچھ بندے یہاں آج بھی عشق و محبت کی دوکانیں لگائے بیٹھے ہیں، ان کو قریب سے (اور وہ بھی دیدہ بخوش) دیکھنے کی ضرورت ہے اللہ کرے کہ ہمیں ان بندگان خدا کی قدر کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت کا کما حقہ احساس ہو جائے۔ آمین۔

بس اب یہ فضولی بیچ سے ہٹا جاتا ہے اس گزارش کے ساتھ کہ جب آپ مولانا فریدیؒ کی صحبت سے فیض یاب ہو رہے ہوں تو درج فریدی سے اس عاجز و مسکین کا سلام کہدیکھو گا اور یہ کہ آپ کے الفرقان کا یہ خادم بہت شرمندہ ہے کہ آپ کے ثنایاں شان آپ کا تذکرہ و تعارف نہیں پیش کیا جاسکا مگر اس کا عذر یہ ہے کہ

یہ رمزی بے بصیرت ہے تیرے رتبے کو کیا جانے

جو ہم رتبہ ہو تو تو اوی ترے اوصاف پہچانے

البتہ تسلی اس سے ہوتی ہے کہ اس مالی نے جن باغیانوں سے پھولوں کی موٹا لاکر گلہ زہ سجایا ہے ان میں کمی گو بہر شانس اور صاحب بصیرت بھی ہیں۔ بس اب دعا یہی ہے کہ

تری رحمت سے الہی پائیں یہ رنگ قبول

پھول کچھ میں نے چنے ہیں انکے دامن کیلئے



ایک قابل رشک دوست

مولانا محمد رفیع

نقوش و تاثرات

ایک بے مثال رفیق

قریباً ۶۲-۶۳ سال پہلے کی بات ہے، امر وہہ ضلع مراد آباد کے مدرسہ عالیہ (چلہ) میں یہاں جو مدرس تھا، تین سال وہاں اس سلسلہ سے قیام رہا، میں فطری طور پر کم آہنہ و خلق ہوا ہوں، اس لئے میں مدرسہ کے طلبہ، اساتذہ اور مدرسہ سے خاص تعلق رکھنے والے بعض حضرات ہی سے تعلق تھا، اسکے علاوہ شہر کے لوگوں سے ملنا جلنا بہت ہی کم ہوتا تھا مگر ایک نوجوان جسکی عمر اس وقت سولہ سترہ سال کے قریب رہی ہوگی بہت مہذب اور اس نوجوانی میں بہت صاف تھے، اکثر ملتے تھے، اُن کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ بہت فہیم اور ایم الفطرت ہیں۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے اُن سے دریافت کیا ہو کہ آپ کیا پڑھا ہے اور کیا پڑھ رہے ہیں بعد میں معلوم ہوا کہ مڈل ہائی اسکول، اردو اعلیٰ قابلیت اور منشی کامل (فارسی) کے امتحانات پاس کر لئے تھے، اس زمانے کے خاص حالات میں ان امتحانات کے پاس کر لینے کے بعد ان کو کسی اسکول یا کالج میں اردو فارسی کے اساتذ کی حیثیت سے ابھی ملازمت مل سکتی تھی اور انکے گھر کے معاشی حالات کا یہی تقاضا بھی تھا کہ وہ اسی لائسن کو اختیار کر لیتے، لیکن انھوں نے خالص دینی جذبہ اور حسنہ آخرت کی طلب میں دینی تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہی نوجوان تھے جو بعد میں مولانا مفتی نسیم احمد فریدی کے نام سے معروف ہوئے۔

یہاں جو تین سال امر وہہ قیام کے بعد مدرسہ سے بلکہ تدریس کے مشغلہ ہی سے ترک تعلق کر کے چلا آیا تھا، پھر محرم ۱۳۵۷ھ (اپریل ۱۹۳۷ء) میں بریلی سے افغان جاوا کیا۔ مولانا نسیم احمد فریدی اپنے وطن امر وہہ ہی میں درس نظامی کے درجہ ثانی میں

تک کی تعلیم پوری کر کے دارالعلوم دیوبند چلے گئے، وہیں انھوں نے دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی، اسکے بعد عربی ادب اور مقولات منطق و فلسفہ کی بعض کتابیں پڑھنے کے لئے جو دورہ حدیث سے پہلے نہیں پڑھی جاسکی تھیں دارالعلوم دیوبند ہی میں رہے۔

۱۳۵۷ھ کا آغاز تھا کہ بریلی کے مدرسہ اشفاقیہ کے صدر مدرس مولانا رفیع علی صاحب سلطانی پوری کا انتقال ہو گیا، مدرسہ کے مہتمم صاحب نے انکی جگہ کسی صاحب کے تقرر کیے اس عاجز سے مشورہ کیا، میں نے مولانا نسیم احمد فریدی کے بارے میں مشورہ دیا، انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ ہی اُن کو بلا دیجئے میں نے دیوبند مولانا کو خط لکھا یا داتا ہے کہ میں نے اس میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ مدرسہ میں دورہ حدیث پڑھنے والے طلبہ بھی ہیں اس لئے صدر مدرس کی حیثیت سے بخاری شریف، ترمذی شریف آپ ہی کو پڑھانی ہوگی اور یاد آتا ہے کہ میں نے یہ بھی لکھ دیا کہ مجھے امید ہے کہ آپ انشاء اللہ کامیابی کے ساتھ یہ خدمت انجام دے سکیں گے۔ انھوں نے میرا وہ خط اپنے (اور اس عاجز کے بھی) شفیع ترین استاد حضرت مولانا عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دکھلا کر مشورہ چاہا، حضرت مولانا علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آپ فوراً چلے جایئے، کچھ تردد و تاثر مت کیجئے، مولانا نے یہ پوری بات مجھ کو لکھ دی اور لکھا کہ انشاء اللہ فلان تاریخ کو آپ کے یہاں پہنچ جاؤں گا، چنانچہ وہ تشریف لے آئے، میں مدرسہ اشفاقیہ کے مہتمم صاحب کو اطلاع دیدی، وہ خود آکر مولانا کو اپنے ساتھ لے گئے اور طے ہوا کہ فی الحال مولانا کا قیام میرے ہی پاس رہے گا۔ اور اس طرح جس تعارف کا آغاز امر وہہ میں ہوا تھا وہ فریبی تعلق بلکہ رفاقت میں بدل گیا۔

جبکہ میں نے مولانا کو لکھ دیا تھا، دورہ حدیث کی کتابوں میں سے بخاری شریف اور حدیث کی دو ایک اور کتابوں کے درس کی بھی ذمہ داری مولانا کو لینے پڑی۔ بلاشبہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد سلسلہ تدریس کے آغاز ہی میں بخاری شریف وغیرہ کتب حدیث پڑھانے کا انکو موقع ملا، ظاہر ہے اسکے لئے انکو شدید محنت کرنی پڑتی تھی۔ مدرسہ اشفاقیہ میں بخاری شریف کی کوئی شرح نہیں تھی، میں اتفاق کر میں نے اسی سال علامہ بدرالدین عینی کی شرح بخاری معمدۃ القاری خریدی تھی جو پچیس جلدوں میں چھپ کر اسی زمانہ میں مصر سے آئی تھی، اہل علم واقف ہیں کہ بخاری شریف کی یہ شرح بہت ہی مہموط ہے، مولانا نے درس بخاری میں اس سے پورا فائدہ

اٹھایا، مولانا اگرچہ جہانی حیثیت جہانی کی اس عمر میں بھی بہت ہی نجف اور لاغر تھے لیکن
 اللہ تعالیٰ نے انکو درجہ مطالعہ میں محنت و جانفشانی کی بڑی قوت و ہمت عطا فرمائی تھی،
 بہت کم وقت آرام کرتے، سارا وقت کتابوں کے مطالعے اور درس میں مصروف رہتا۔
 یہی سال تھا جب الفرقان کا مجدد الف ثانیؒ نمبر شائع ہوا تھا، مولانا فریدی
 مرحوم جو میرے ساتھ ہی مقیم تھے، تدریس میں مشغولیت کے باوجود اسکی ترتیب و تیاری
 میں برابر میرے شریک اور معاون رہے، انھوں نے اس نمبر کے لئے امام ربانی مجدد
 الف ثانیؒ کے خلفاء پر ایک بسوط مقالہ بھی لکھا جو اس نمبر کے اہم مقالات میں سے تھا
 جس میں حضرتؒ کے تائیس خلفاء کا کسی قدر تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقالہ کے آغاز میں جو تہمدی نوٹ مولانا نے
 لکھا تھا، وہ یہاں نقل کر دیا جائے، ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں:-

”ادارہ الفرقان نے جس وقت مجدد الف ثانیؒ نمبر نکالنے کی تجویز طے
 کی اور یہ ارادہ عزم کے درجہ میں آیا، اس وقت میں حسن اتفاق سے بریلی آچکا
 تھا، اس نمبر کی تیاری تک میرا قیام دفتر الفرقان ہی میں رہا، مدیر الفرقان
 مدظلہ العالی نے مجھکو بھی اس بزم مسعود میں شرکت کی دعوت دی —
 اہل اللہ اور خاص کر حضرت امام ربانیؒ عارف باشر کا تذکرہ یقیناً بڑی سعادت
 ہے، میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور سلسلہ تعمیل حکم عوار کرنے لگا کہ حضرت
 مدوح کے کس شعبہ حیات پر لکھوں، دل میں یہ آیا کہ براہ راست حضرت
 مجدد علیہ الرحمۃ کے متعلق تو دیگر حضرات اہل قلم روشنی ڈالیں گے ہی، میں
 آپ کے خلفاء باصفا کا کچھ تذکرہ سپرد قلم کروں کہ بالواسطہ وہ حضرتؒ ہی کا
 تذکرہ ہے۔

جس طرح پھل سے درخت پہچانا جاتا ہے، اسی طرح شاگرد سے استاد
 اور مرید سے شیخ کے حالات و کمالات کا صحیح صحیح اندازہ ہو جاتا ہے، بالفاظ
 دیگر شاگرد و مرید اپنے استاد و پیر کے آئینے ہوتے ہیں جن میں انکے خدوخال صاف
 متاظر آجاتے ہیں، اسی اصول پر قرآن مجید نے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ
 علیہ وسلم کی رسالت و صداقت کے ثبوت میں آپ کے ملازم و سرشارین یعنی

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے احوال و اعمال کو بھی بطور شاہد
پیش کیا ہے: محمد رسول اللہ والذین معہ أشد اعلی الکفار
رضما و بینہم تلامذہم رکعاً سجداً یتبعون فضلاً من اللہ و رضواناً
میںما هم فی وجوہہم من أثر السجود۔ (الآیۃ)

بہر حال دل نے یہی فیصلہ کیا کہ حضرت شیخ سرہندیؒ کے خلفاء کے متعلق
کچھ لکھوں تاکہ تعلیم و تربیت اور قوت تاثیر کی راہ سے بھی حضرت شیخ کے
کمال کا کچھ اندازہ ہو سکے اور یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ جس انسان کے
ذریعہ اتنے نفوس کے اندر ایمان و عمل کی اتنی جگہ کاہٹ اور نور عرفان کی
ایسی چمک پیدا ہو گئی وہ خود کس قدر پر نور و با کمال ہو گا!

الفرقان میں مولانا فریدی علیہ الرحمۃ کا یہ پہلا مضمون تھا، اس کے بوقتاً وقتاً
انکے مضامین اور مقالات شائع ہوتے رہے، جنہوں نے بلاشبہ الفرقان کے مزاج کے عین
مطابق اسکے پیغام کو عام کرنے اور اسکی جڑوں کو مضبوط کرنے اور مقبولانِ بارگاہِ الہی
کی توجہات کو تھینچنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔

لہٰذا یہاں یہ بات لکھا دینے کا بھی دل میں تقاضا ہے کہ بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ مولانا فریدیؒ کو تحریر
و تصنیف کا خاص مناسب بریلی میں میرے ساتھ رہنے سے پیدا ہوئی، واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکی فطرت
تحریر و تصنیف کا سلیقہ و رویت فرمایا تھا، انھوں نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ جبکہ انکی عمر دس گیارہ سال کی
تھی ہوگی انکے دل میں کتاب تصنیف کرنے کا شوق پیدا ہوا چند کتابوں کا مطالعہ کر کے ایک چھوٹی سی کتاب
تیار کر لی، اسکا نام صحیح البیان رکھا، اور انکے ایک دستِ جگم سلطان احمد صاحب مرحوم نے اسکو چھپوا بھی دیا۔
میرا حال یہ ہے کہ مجھے فطری طور پر تحریر و تصنیف سے بالکل مناسب نہیں، بخیر کسی ادبی
انکار کے لکھا رہا ہوں کہ مولانا فریدی مرحوم کا جو تہمیدی نوٹ اور ناظرین کرام نے ابھی ابھی
پڑھا ہے اس طرح کی تحریر میں اب تک قادر نہیں ہوں، میرا حال یہ ہے کہ جو کچھ لکھنا ضروری
سمجھتا ہوں ذہن اور دماغ پر پورا زور ڈال کر زبردستی لکھتا ہوں، میں ادیب اور دانشور ہوں
بھی نہیں ہوں، میرے پاس انفاذ کا پس و پیش ذخیرو ہے جو بولتا ہوں، جو کچھ لکھنا ہو وہ
انھیں انفاذ میں لکھ دیتا ہوں، میں شاعر بھی نہیں ہوں، ساری عمر میں ایک شعر بھی ہونڈو
نہیں ہو سکا۔ مولانا فریدی مرحوم ادیب اور دانشور ہوں، پر از بھی تھے اور اچھے شاعر بھی۔

مولانا کا خاص محبوب موضوع تھا امام ربانی حضرت مجددِ اَلتَّوَّابِ ثانی قدس سرہ سے لے کر اب تک کے اپنے سلسلہ کے اکابر و مشائخ، مصلحین امت کا تذکرہ ان کی سوانح حیات اور ایمان افروز مکتوبات و ملفوظات (جو عموماً فارسی زبان میں ہیں) عہد حاضر کے اردو خوان مسلمانوں کیلئے سادہ و سلیس اور دلکش و دلنشیں اردو زبان میں منتقل کر کے مرتب کرنا۔ اس سلسلہ میں وہ جو کچھ لکھتے تھے جہاں تک اس عاجز کا اندازہ ہے اللہ کی رضا، اجور آخرت کی طلب اور امت محمدیہ کی خدمت ہی کی نیت سے لکھتے تھے اور خاص بات یہ تھی کہ سب سے پہلے خود ان کا قلب سلیم اس سے سبق اور اثر لیتا تھا، انکے اخلاص و لگہمیت اور قلبی کیفیت کے اثر سے انکی یہ تحریریں ہر پڑھنے والے کے دل کو غیر معمولی طور پر متاثر کرتی تھیں، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ انکے ان مقالات نے کتنے بندوں کے دلوں میں خدا طلبی، آخرت کی فکر اور ان اکابر و مشائخ عباد اللہ الصالحین کے نقش قدم پر چلنے کا شوق و جذبہ پیدا کیا، ایمان و یقین کی کیفیت میں اضافہ ہوا اعمال صالحہ کی توفیق ملی، اور قرب و رضا الہی کی نعمت عظمیٰ نصیب ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمائے ہوئے خداوندی قانون و مشورہ رحمت من دَلَّ عَلٰی خَيْرٍ فَلَهُ اجْرٌ مِّثْلُ فَاعِلِهِ کے مطابق یقین ہے کہ ان سب بندگانِ خدا کے اعمال کا اجر بھی ان کو عطا ہوگا۔

ناظرین کرام کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ ادھر قریباً پندرہ سال سے مولانا کی بینائی بالکل ختم ہو گئی تھی لکھنا تو درکنار ایک سطر خود پڑھ بھی نہیں سکتے تھے۔ لیکن اسکے باوجود مطالعہ اور تحریر و تصنیف کا کام جاری رہا۔ دوسروں سے پڑھوا کر سنتے، یہ ان کا مطالعہ تھا اور خود لول کر دوسروں کے قلم سے لکھواتے، یہ ان کی تحریر و تصنیف تھی۔ ہم جیسوں کے لئے اُن کا یہ حال بڑا ہی سبق آموز ہے۔

اسی نابینائی کی حالت میں تحریری اور لکھنی کام کے علاوہ امت محمدیہ کی دینی خدمت جس طرح بھی ان کیلئے ممکن ہوئی اس سے دریغ نہ کر کے تبلیغی جماعتوں کے ساتھ سفر بھی کرتے، میلوں پیدل چل کر قرب و دُور کے دیہاتوں میں بھی کام کرتے، مکاتب قائم کرنے کی بھی کوشش فرماتے۔ لوگوں کے باہمی جھگڑوں کو سلجھانے کے سخت سہرا آزا کام میں بھی وقت اور دِماغ کھیلتے۔ دارالعلوم دیوبند، جعیتہ علماء ہند اور دینی دعوت کے اس سلسلہ سے جو تبلیغی

جامعت کے نام سے معروف ہو گیا ہے انکو گہرا قلبی اور جذباتی تعلق تھا، مزاج و فطرت کے لحاظ سے بہت ہی سلیم اور متحل تھے، لیکن اس عاجز کا ذاتی تجربہ ہے کہ ان تین اوروں کے بارے میں اتنے غیر معمولی احساس تھے کہ انکے خلات کچھ سننا ان کیلئے ناقابل برداشت ہو جاتا تھا۔

یوں تو ہمیشہ ہی سے انکی زندگی سادہ و غریبانہ تھی، لیکن قریباً پندرہ سال سے محلہ کی مسجد ہی کو اپنا مستقل مسکن بنایا تھا۔ وہ ایک درویش صفت، فقیرانہ زندگی گزارنے والے اکثر زمین اور چٹائی پر سونے والے اس طرح کے صاحب درس و اثناء اور صاحب قلم و صاحب نصایف عالم دین تھے جیسے کبھی پہلے ہو کرتے تھے جن کا تذکرہ ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں۔

مولانا فریدی علیہ الرحمۃ کے احوال اور اوصاف و اخلاق کے بارے میں دیگر حضرات کے مضامین میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، یہ عاجز انکے جن حالات کے بہت زیادہ متاثر ہوا ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ جس زمانہ میں وہ بریلی میں میرے ساتھ مقیم تھے، اس وقت انکی عمر ۳۰ کے لگ بھگ تھی۔ مجھے یاد ہے میں نے ان دنوں ان سے انکی شادی کے سلسلہ میں بات کی، تو انھوں نے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ میرے دو بھائی ایسی دعاغی حالت میں ہیں کہ وہ اپنے بچوں کی پوچھ گچھ نہیں کر سکتے، انکے اہل و عیال کی ممکن خدمت میں اپنے ذمہ لے رکھی ہے، اگر میں خود گھر بساؤں گا تو انکی کچھ خدمت نہ کر سکوں گا۔ یہ بات جوانی کے زمانہ کی ہے، وہ اپنے اس عہد پر زندگی بھر قائم رہے۔ اور صرف اپنے معذور بھائیوں کے بچوں کی خدمت کی خاطر پوری زندگی بھر میں گذاردی۔ الشرا کہ اس زمانہ میں ایسا ایثار ایسی قربانی انھیں ان خاص بندگانِ خدا ہی کے بس کی بات ہے۔ اور دوسرا واقعہ وہ ہے جو پروفیسرِ خلق احمد نظامی صاحب نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جس زمانے میں مولانا سید احمد اکبر آبادی مرحوم شعبہ دینیات کے صدر تھے، انھوں نے چاہا کہ مولانا فریدی یونیورسٹی کے اس شعبہ سے وابستہ ہو جائیں پہلے بطور خود اس کیلئے تحریک کی مگر جب مولانا نے خدمت کی تو پروفیسرِ خلق احمد نظامی صاحب کو واسطہ بنا کر پھر کوشش کی (جو مولانا مرحوم کے نہایت عزیز حقیقی بھانجے ہیں) لیکن مولانا نے کسی طرح اسکو منظور نہیں فرمایا۔ مجھے معلوم ہے کہ مولانا کی زندگی ہمیشہ عسرت اور غربت کی زندگی رہی، بریلی اور امرتسر کے جن مدرسوں میں پڑھایا وہاں انکی تنخواہ بیس پچیس روپے یا اس کے قریب رہی اگر مولانا اکبر آبادی کی پیشکش کو قبول کر لیتے تو اس عاجز کا خیال ہے کہ وہاں ان کا شاہرہ پانچ چھ سو روپے سے کم نہ ہوتا۔

یہ واقعہ مجھے خود مولانا کے مقام کی بلندی اور ہم جنسوں میں ان کے امتیاز اور علو ہمت کی دلیل ہے
لیکن یہ عاجز اس بات کے انتہائی متاثر ہے کہ میرے ساتھ تھے قریبی خلق کے باوجود کبھی اشارۃً بھی مجھے
اس کا ذکر نہیں فرمایا مجھے یہ واقعہ پہلی دفعہ بریلو میں خلق احمد نظامی کے اس مضمون کے معلوم ہوا جو اس خبر
میں شامل ہے یہ ممکن ہے کہ ہر شخص اس بات کی غیر معمولی اہمیت محسوس نہ کر سکے لیکن یہ عاجز ان کی زندگی کے تمام
دوسرے حالات کے زیادہ اعلیٰ اس بات کے متاثر ہوا کہ چونکہ اس واقعہ سے ان کی بلند مقامی، علو ہمت اور فقر
پسندی کا پتہ چلتا تھا اس لیے کبھی اس کو میرے جیسے قریبی رفیق و دوست کے بھی ظاہر نہیں کیا میرے نزدیک
بہت سی فعل نمازیں اور کثرتِ نفل پونے رکھا اور اسی طرح ذکر و تلاوت جیسی عبادت کی کثرت آسان ہے لیکن ہمارے
اس زمانے میں اپنے ایسے حال و رکمال کا اس وجہ انشاء بہت مشکل حیرت انگیز اور سوارِ رشک کے قابل
اور اس لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کی توفیق مانگی جائے۔

سلسلہ سلوک طریقت میں مولانا فریدی علیہ الرحمۃ نے پہلے حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ
علیہ سے بیعت کی تھی، اور حضرت مد فرج کے تلمیذ بن گئے ہوئے اذکار و اشغال معمول رہے اس سے پہلے حضرت مولانا
حافظ عبد الرحمن امروہی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں بھی استفادہ کیا تھا (جو حضرت ناتوئی رحمۃ اللہ علیہ کے تراکد
اور حضرت حاجی لہار الدار صاحب قدس سرہ کے خلیفہ و جاز تھے) حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد شیخ الحدیث حضرت
مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی تجدید کی حضرت شیخ نے ان کو اجازت و خلافت بھی ہر روز فرمایا۔
حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ و جاز تھے حضرت
مولانا حافظ عبد الرحمن امروہی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث شریف
میں تلمذ اور صحبت سے استفادہ کی سعادت حاصل تھی، اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
رحمۃ اللہ علیہ بھی بیکے واسطہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے خلیفہ و جاز تھے، الغرض ان
تینوں واسطوں سے مولانا فریدی علیہ الرحمۃ کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی نسبت حاصل تھی۔
اس عاجز کا اندازہ ہے کہ مولانا فریدی علیہ الرحمۃ تقویٰ و فروغ سے جو حضرت گنگوہی نور اللہ مقدرہ
کے قدم بہ قدم تھے، ان خصوصی نسبت کا اثر تھا کہ وفات کے کچھ پہلے (جس کا ان کے خاص خادم کا بیان ہے)
مولانا نے خادم کو فرمایا کہ حضرت گنگوہی تشریف لائے ہیں (ظاہر ہے کہ یہ وحالی شاہد تھا) خطوبی
لہ تم خطوبی لہ۔ یہ عاجز مولانا فریدی علیہ الرحمۃ کے اہل خاندان اور ان کے خاص خدام سے
اس موقع پر یہ بات عرض کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے کہ ان خاص خدایں جو ان کو بعض دوسرے مضامین پر
اکیلے مولانا کی تدفین میں کے اس حجرہ میں کی گئی جس میں مولانا کا قیام رہتا تھا، اہل بیان نہ ہو کہ جاہل

لوگ مولانا کے مدفن کے ساتھ وہ معاملہ کرنے لگیں جو بہت بزرگان دین کے مزار کیساتھ ہوتا ہے جو یقیناً اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی سخت خلاف ورزی اور انکی انتہائی ناراضگی کا باعث اور ان بزرگوں کی روحوں کیلئے انتہائی اذیت کا سبب ہے۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ اس بابے میں اس درجہ مشتد دیکھے کہ گنگوہ میں سال کے جن دو تین دنوں میں حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کا عرس ہوتا تھا، اپنے سے تعلق رکھنے والوں کو حضرت کی سخت ہدایت تھی کہ ان دنوں میں مجھ سے ملنے کیلئے بھی کوئی گنگوہ نہ آئے اگر غلطی اور نادانستی کی وجہ سے حضرت کی محبت کا تعلق رکھنے والے کوئی صاحب اُن دنوں پہنچ جاتے تو حضرت اُن سے ملاقات نہ فرماتے، فوراً واپسی کی ہدایت فرماتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ تھا کہ محبت میں غلو کر نیوالے میرے جاہل امتی میری قبر کی پرستش نہ کرنے لگیں، حدیث شریف میں ہے کہ آپ اپنے مرض و وفات میں یہ دعا فرماتے تھے اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ قَبْرًا يُسْتَبَدُّ (اے اللہ! ایسا نہ ہو کہ میری قبر کی پرستش کی جائے گی)۔ بہر حال مولانا فریدی علیہ الرحمۃ کے اہل خاندان اور خصوصی خدام کا فرض ہے کہ وہ اس خطرہ سے مولانا مرحوم کے مدفن کی حفاظت کا بھی جو انتظام کر سکیں اس سے دریغ نہ کریں۔

آخر میں یہ عاجز راقم سطور اپنے اس قصور کا اعتراف کرنا بھی ضروری سمجھتا ہے کہ فریادار گاہ سالہ تعلق، بریلی کی تین چار سالہ رفاقت، خط و کتابت کے مسلسل رابطے اور اکثر سالوں میں ایک دو دفعہ ملاقات کے باوجود، میں مولانا کے بلند مقام کو نہیں جان سکا، وہ عمر میں مجھ سے چھوٹے تھے انھوں نے میرے ساتھ معاملہ ایسا ہی رکھا جیسا کہ چھوٹوں کا بڑوں کے ساتھ ہوتا ہے، اس عاجز کا رویہ بھی کچھ اسی طرح کا رہا، لیکن انکے اس دنیا سے جانے کے بعد احساس ہوا کہ وہ بہت بڑے تھے میں اُن سے بہت چھوٹا تھا، مجھے اُن کے ساتھ اس طرح کا تعلق رکھنا چاہیے تھا جس طرح چھوٹے بڑوں کے ساتھ رکھتے ہیں، اب اپنی اس تقصیر پر بے حد افسوس ہے۔ ہم جیسیوں کا عام مرض ہے کہ نعمت کی قدر اس سے محروم ہو جانے کے بعد ہوتی ہے۔ خدا کرے کہ میں اپنے باقی ماند دنوں میں انکے زیادہ سے زیادہ دعاؤں کا اہتمام کر کے اپنے قصور کی تلافی کر سکوں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے ساتھ رحمت و مغفرت کا خاص معاملہ فرمائے، درجات عالیہ سے نوائے انکے فیوض کو جاری رکھے اور شر و فساد کے اس زمانے میں ان جیسے علماء صالحین اور مخلص خادماں دین پیدا فرمائے۔ و ما زاد علی اللہ بحزیر۔



مولانا نسیم احمد صاحب فریدی

سرورِ وقتہ باز آید نہ ناید شبیہ از حجاز آید کہ ناید
سرآمد روزگار این فقیرے دگر دانائے راز آید کہ ناید (اقبال)
بر صغیر منہ کی سر زمین میں جس کو ایک بالغ نظر مویخ نے ؟ کائنۃ الاھم کہا ہے اور
جہاں باہر سے آئی ہوئی کوئی قوم اپنے اصلی خط و خال کے ساتھ اور کوئی دین اپنی اصلی روح،
صحیح تعلیم اور امتیازات کے ساتھ عرصہ تک باقی نہیں رہا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے داخلہ
کے بعد سے ہر دور میں ایسے راسخ العلم، عینود طبع اور صاحب عزیمت علمائے ربانی پیدا
کئے جنہوں نے اسلام کو کتاب و سنت کی تعلیم اور شریعت اسلامی کے تحفظ، اور ملت اسلامیہ
کو اپنے مخصوص عقائد اور دعوت، اور اپنے ملی اور تہذیبی شخص کے ساتھ باقی رہنے کے لئے
جدوجہد کی اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔

محققین شریعت اور مصلحین امت کا یہ سلسلہ دسویں صدی ہجری سے زیادہ نمایاں
نظر آتا ہے جب ایک سب سے زیادہ ضرورت تھی اور اس عظیم سلطنت کی باگ ڈور لایا تو خاندان
لیکن صاحبِ عزم اور مالکِ نظم فرماں روا نے ملک کے ہاتھ میں آگئی تھی جس کو باور کر لیا گیا تھا
کہ ہر دین مساوی کی عمر ایک ہزار برس ہوئی ہے اور اب وقت آگیا ہے کہ نبی اُمّی کی جگہ شہنشاہ
اُمّی، ایک نئے دین، نئی شریعت اور نئے نظام زندگی کا آغاز کرے، اس قدسی گروہ کے
مشرقی و مشرقی حضرت شیخ احمد بن شیخ عبداللہ احمد سرسندی (م. ۱۰۳۰ھ) تھے، جن کو اہل نظر نے
بجا طور پر مجددِ الف ثانی کا خطاب دیا اور جس کو ایسی قبولیت عامہ حاصل ہوئی کہ یہ لقب

لے مکتوب علامہ سید سلیمان ندوی ۲۶ بنام راقم سطور۔

۲۷ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تایید دعوت و عزیمت" کا حصہ چہارم مختص بہ سیرت حضرت مجدد
الف ثانی ۲۷ از راقم، و مقدمہ سیرت سید احمد شہید، "تعلیم حضرت علامہ سید سلیمان ندوی"۔

انکے نام نامی کا قائم مقام بن گیا، انکی اولاد کے فرزندان گرامی مرتبت بالخصوص حضرت خواجہ محمد معصوم عی مساعی جلیل سے سلطنت مغلّیک کے تحت پر (جو سلطنت عثمانیہ کے بعد سے بڑی مسلم حکومت تھی) جو فرما کر آیا وہ پہلے فرما کر آئے کہ میں بہتر اور احقرام دین و شریعت میں کہیں باعلیٰ اور برتر تھا، اور جو سلسلہ ایک نامی دین (اکبر) سے شروع ہوا تھا وہ جو تجھے نمبر ہی پر ایک علیٰ درجہ کے حامی دین (شہنشاہ محی الدین اورنگ زیب) پر جا کر بنتی ہوا، جس کو ایک عرب فاضل اور مفسر مؤرخ نے سادس الخلفاء الراشدین (چھٹا خلیفہ راشد) کا جا بجا خطاب دیا ہے۔

اس شہیت اور تعمیری انقلاب میں (جسکے لئے خون کا ایک قطرہ بہانے کی ضرورت پیش نہیں آئی) محض طور پر جس کا ہاتھ کام کر رہا تھا، وہ حضرت مجدد کی ذات اور مجددی خاندان تھا پھر اسی علم نجدید و اصلاح کو اسی سلسلہ کے حامل و منتسب اور جانشین حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور انکے فرزندان گرامی قدر اور خلفائے کبار اور ملائذہ نامدار نے بلند کیا جس کی مساعی جلیل ہی کا نتیجہ ہے کہ ملت اسلامیہ ہندوستان اس وقت تک اپنے دین و شریعت اور اپنے ملی تشخص کے ساتھ باقی ہے۔ انکے چاروں صاحبزادگان حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ رفیع الدین، حضرت شاہ عبدالقادر، حضرت شاہ عبدالغنی اور انکے نمبر گرامی مرتبت حضرت شاہ اسماعیل شہید نیز حضرت شاہ عبدالعزیز کے دونوں نامدار نواسوں حضرت شاہ محمد اسماعیل اور حضرت شاہ محمد یعقوب، اسی کے ساتھ اسی خاندان کے نسب و نسبت اور نظم و تربیت کا تعلق رکھنے والے بزرگ مولانا عبدالحی صاحب برہانوی (خلیفہ اجل حضرت سید احمد شہید) اور خود اسی خاندان کے تربیت یافتہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے خلیفہ نامدار حضرت سید احمد شہید جن کو بہت سے اہل نظر اور اہل نظر نے تیرھویں صدی ہجری کا مجدد مانا ہے کے کارناموں کو دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ

ابن سلسلہ از ملائے ناب است این خانہ تمام آفتاب است
زمانہ کے تغیر اور نئے تقاضوں کے مطابق اس جیسی اور نسبتی سلسلہ نے حفاظت شریعت کے ساتھ اشاعت شریعت کا کام بھی اپنے ذمہ لیا۔ قرآن مجید کی یا قاعدتدیس و تعلیم

لے علامہ علی طنطاوی شامی مقيم حجاز، صاحب تصانیف کثیرہ۔
لے ملاحظہ ہو مولانا سید مناظر حسن صاحب گیلانی کا مقالہ الفرقان کے مجدد نمبر میں۔

اور دو تراجم قرآن، حدیث کی فشر و اشاعت و تفسیریں، اصلاحِ ستہ کو نصابِ درس میں داخل کرنے، اور حدیث و سنت کے سیکے گوہر ہندوستان کے علمی حلقوں اور عمومی زندگی میں رولز کرنے اور دُشترک و بدعت و اصلاحِ رسوم کے عظیم الشان لیکن پرخطر کام کا بیڑہ اٹھانے کی وہ عظیم الشان خدمت انجام دی کہ اس خاندان اور اسکے منتسبین کو مجموعی طور پر اس عہد میں دین کا مجدد اور شریعت و سنت کا پہرہ دار اور نقیب و مراقب کا خطاب دیا جاسکتا ہے، اور بلا خوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت مسلمانوں میں دینی حیثیت و حمایت، شریعت و سنت پر عمل کی توفیق توجید و شرک اور سنت و بدعت میں امتیاز کی صلاحیت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور تبلیغ و دعوت کا جذبہ، مدراس عربیہ کا وجود، علوم دینیہ اور عربی زبان سے شغف و وابستگی دینی کتب کی وسیع پیمانہ پر اشاعت اسی خاندان فاروقی ولی اللہی نسب، مجددی نسبت و حجازی و یمنی تلمذ کے افراد اور انکے خلفاء و تلامذہ کی مساعی و جدوجہد کا نتیجہ ہے۔

ضرورت تھی اور احسانِ ہندی کا تقاضہ بھی تھا، نیز ایک تاریخی و علمی فریضہ تھا کہ ان دونوں خاندانوں پھر ان دونوں چراغوں سے روشن ہونے والے ایک تیسرے چراغ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ان دونوں کے تربیت یافتہ علماء، داعیان و مصلحین اور اساتذہ کبار کے حالات سے گہری واقفیت حاصل کی جائے، ان کی تصنیفات پر وسیع و عمیق نظر ہو، پھر محض مورخانہ قابلیت اور انشائیہ صلاحیت کے ساتھ ہی نہیں، اندرونی جذبہ، قلبی تقاضہ اور عشق و عقیدت کی حرارت کے ساتھ اس کام کو نہ صرف انجام دیا جائے ان شخصیتوں کے کارناموں کا نئی نسل سے تعارف کرایا جائے، بلکہ اسکو زندگی کا مقصد اور سعی و جہد کا موضوع بنایا جائے، اس لئے کہ ناخواندہ طبقہ اور منکرین و متعصبین کو بھی چھوڑ کر سہاری نئی تعلیم یافتہ نسل ان دونوں خاندانوں اور ان اصلاحی و تجدیدی سلسلوں کی ممتاز شخصیتوں اور کارناموں سے روز بروز نا آشنا ہوتی جا رہی تھی، اور نہ صرف ناواقفیت تھی بلکہ انکے بارے میں شدید غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اس کام کیلئے جن چند شخصیتوں کو خاص طور پر منتخب فرمایا ان میں امروہہ کے اس مردم خیز قصبہ (جسکو حضرت مولانا محمد قاسم صٹانانوتویؒ کے ایک ممتاز ترین تلمیذ و مترشح حضرت مولانا سید احمد حسن صٹانانوتویؒ کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہے)

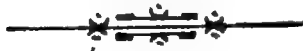
کے مایہ ناز فرزند مولانا نسیم احمد صاحب فریدی تھے، جنہوں نے اپنی پوری زندگی اور ساری
خدا داد علمی و تحریری صلاحیتیں اس موضوع کیلئے وقف کر دیں اور اسکو اپنا اور ضابطہ بنایا،
بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے (اور مجھے اسکا ذاتی تجربہ ہے) کہ خاندان مجددی اور خاندان ولی الہی کے
سلسلہ میں اگر کسی تحقیق اور علمی اطمینان اور تاریخی ثبوت کی ضرورت ہوتی تو انہیں سے سب سے
زیادہ رہنمائی حاصل ہوتی، مولانا نے تجلیات بانی (۱-۲) مکتوبات خواجہ محمد محصومؒ کی تذکرہ
حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ و صاحبزادگانؒ کی تذکرہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ وغیرہ
شائع کر کے بہت سے ناواقف حلقوں کیلئے واقفیت بہم پہنچائی اور بہت سے ایسے معتقدین اور
مجسمن کیلئے جن کو ضخیم کتابوں کے پڑھنے کی فرصت یا ہمت نہیں تھی ان حضرات سے واقف
کرایا۔ آخر میں انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ان مکتوبات کی مرتبہ کرنے اور شائع
کرنے کا اہتمام کیا تھا جو حیدرآباد کے مخطوطات و نوادر کے ذخیرہ میں مدفون تھے نیز حضرت
شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے سیاسی مکتوبات مرتبہ فاضل گرامی مؤرخ ہند پروفیسر خلیق احمد صاحب
نظامی کی یافت و دریافت اور ترتیب میں بھی انکی رہنمائی شامل تھی، رسالہ الفرقان کے
ان دو قابل قدر اور بیش قیمت خصوصی نمبروں میں بھی جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی حضرت شاہ
ولی اللہ صاحبؒ اور حضرات شہیدین کی یاد میں نکلے گئے اور جنہوں نے ضخیم اور محققانہ مستقل
تصنیفات کی قائم مقامی کی اور ان بھولی ہوئی داستانوں کو یہ کہہ کر یاد دلایا اور نازہ کر دیا ہے
نازہ خواہی داشتین گردا غہائے سیدنا گاہے گاہے باز خواں اس قصہ یار سیرنا
ان کا ہمبسا دی اور مرکز حصہ رہا ہے، اور انکے مؤثر اور پرآز معلومات مقالات نے انکی
قدر و قیمت میں اضافہ کیلئے ان کو ان دونوں سلسلوں اور ہندوستان کے آخری دور کی
اصلاحی و تجدیدی تاریخ کا دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) کہنا صحیح ہوگا، اور ان کی
وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے، موجودہ نسل کے ذہنی رجحان اور خاص طرح کے علمی ذوق
کے پیش نظر اس کا پُر ہونا مشکل نظر آتا ہے، راقم سطور نے اپنی تقریر میں جو ان کی وفات
کی اطلاع پاکر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے جلسہ میں کی تھی اور جس میں جن اتفاق سے ان کے
نامور اور قابل فخر خواہر زادہ پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی بھی موجود تھے صحیح کہا تھا کہ
”انکی سب سے بڑی خصوصیت ان کا علمی ذوق اور علم میں انکی ثنائیت ہے، علم سے
انکو ہی غفلت تھا جو پچھلی کو پانی سے ہوتا ہے، علمی اشتغال رکھنے والے، تصنیف

وتحقق کا کام کرنے والے بہت مل جائیں گے، مگر ایسے لوگ جو علم میں فنا ہوں، علم حیا
ذوق ہی نہیں بلکہ ذائقہ میں چکا ہو، علم ہی ان کے لئے غذا، دوا، شفا سب کچھ ہو،
وہ مولانا نسیم احمد فریدی تھے۔“

راقم نے اس مقالہ میں مولانا مرحوم کی دوسری دینی و علمی و روحانی خصوصیات انکے
اخلاق و شمائل، ذوق عبادت، تعلق بالشر، اور سلسلہ و طریق پر روشنی ڈالنے کی کوشش نہیں
کی کہ امید ہے کہ ان پہلوؤں کو روشن کرنے کے لئے متعدد مضامین اس نمبر میں پہلے سے
موجود ہوں گے، راقم نے صرف ایک ہی امتیازی وصف پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے
اور وہ ملت اسلامیہ ہندیہ کے محبین، نئے دور کے بانیوں اور ائمہ دعوت و عزیمت
کے حالات و خیالات سے گہری واقفیت اور باخبری، اور ان کی اشاعت کا جذبہ اور
اس کی سعی محمود ہے، جس میں (اپنے ناقص علم میں) کمتر ہی کوئی ان کا سہیم و شریک
ہوگا۔ والعلہ عند اللہ۔

اس غربت کدہ اسلام میں خدا کے جن برگزیدہ بندوں نے دین حجازی کی صحیح ترجمانی
اور نمائندگی کی، اور پھر جن کی مساعی جلیلہ نے اس کو اپنی بیشتر خصوصیت کے ساتھ باقی رہنے
کا موقعہ دیا، ان کے حالات ان کی دعوت کی اشاعت کی کوشش کو بھی دین حجازی کی
نسبت سے ”نسیم حجاز“ کا ایک جھونکا کہنا چاہئے، معلوم نہیں ایسے روح پرور جھونکے
اس سرزمین گردوغبار کو جلد جلد حاصل ہوتے رہیں گے یا نہیں؟ مولانا مرحوم کی روح
کو یہ شعر پڑھنے کا ہے۔

کون ہوتا ہے حریف مراد فکر عشق
ہے مگر رلب ماتی پہ صد امیرے بعد



مولانا فریدی ایک صاحبِ خدمت بزرگ

(حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کے نام مولانا موصوف کے تازہ مکتوب سے ماخوذ)

مخدوم و محترم زاد الشرف شرفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہوں حضرت مولانا فریدی رحمۃ اللہ کے تعلق سے مولانا فریدی نمبر کی اشاعت کی مسرت آگیں اطلاع سے بید خوشی ہوئی، مولانا مرحوم اپنے گوناگوں صفات و محاسن کی بنا پر اس کے واقعی مستحق ہیں کہ انکی یادگار کے طور پر رسائل و جوائد نمبر نکالیں، پھر ماہنامہ الفرقان کے ساتھ توان کا قدیمی و خصوصی رابطہ تھا۔ اس لئے اسکی جانب سے یہ پیش قدمی اور پہل بر محل ہے۔

بندہ کو چونکہ تحریر و مقالات نگاری سے کوئی خاص مناسبت نہیں ہے اور نہ کثرتِ شاغل و ہجوم کار اسکی فرصت دیتے ہیں کہ کسی گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر کچھ لکھا پڑھا جائے، اس لئے مولانا مرحوم کے بابے میں معلومات کے باوجود ہر دست کوئی تفصیلی مضمون ممکن نہیں، لیکن مرحوم کی عنایات و توجہات (جو اس بندہ پر نہیں) اس کی بھی اجازت نہیں دیتیں کہ معذرت کہ کے خاموش بیٹھوں اس لئے تعمیل حکم میں حضرت مولانا مرحوم کے بابے میں اپنے کچھ تاثرات سپرد قلم کر رہا ہوں۔ خدا کرے وقت پر آپ کو یہ تحریر موصول ہو جائے۔

حضرت مولانا فریدی مرحوم اپنی مختلف النوع صلاحیتوں اور خوبیوں کی بنا پر اسلاف کی جلتی پھرتی تصویر تھے، سادہ مزاجی، تواضع اور نرم خوئی انکی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ سلوک و تصوف کے شاغل میں انہماک کے ساتھ ساتھ جو سالک کی ساری داعی و قلبی توانائیوں کو ایک مرکز پر مجتمع کر دیتا ہے، مولانا کا خالص علمی و تحقیقی ذوق اور اس سلسلے میں انکی غیر معمولی سرگرمیاں اسے مولانا مرحوم کے جذب دروں کی برکت یا باغاط دیگر کرامت ہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، ورنہ ان دونوں صفات کی یک جائی۔ اور وہ بھی اس

دور انتشار میں مشرقِ سخن اور چمکی کی شفقت سے کم حیرت انگیز نہیں ہے۔
مرحوم اپنے احسانی مشاغل اور علمی تحقیقی سرگرمیوں کے ساتھ ملی و سماجی کاموں بھی
بڑی دلچسپی رکھتے تھے جمعیتِ علمائے ہند سے انھیں وابہانہ تعلق تھا اس کے اکثر پروگراموں
میں ضعفِ پیری اور آنکھوں سے معذوری کے باوجود نہایت ذوق و شوق کے ساتھ شریک
ہوتے تھے۔ اور رائے و مشوروں میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ مولانا مرحوم کے مخلصانہ کردار سے
کارکنانِ جمعیت کو بڑا حوصلہ ملتا تھا۔

بندہ کے ساتھ ذاتی طور پر بھی مولانا مرحوم کا تعلق غیر معمولی تھا۔ کثرتِ امراض و حد
سے بڑھی ہوئی نقاہت اور اس پر مزید آنکھوں سے معذوری لیکن اس کے باوجود رمضان
المبارک کے اخیر عشرہ میں دلو بند ضرور تشریف لاتے اور کم از کم تین روز قیام کر کے تراویح
تہجد اور ذکر کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے۔

اس وقت نام تو یاد نہیں ہے لیکن کسی قابلِ اعتماد اور صاحبِ نسبت بزرگ سے
یہ سنا تھا کہ مولانا فریدی اس دور کے صاحبِ خدمت بزرگ ہیں۔ مولانا کے احوال
و مقامات بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔
اپنا تاثر یہ ہے کہ مولانا مرحوم کی وفات سے نہ صرف علم و تحقیق اور تذکرہ نگاری
کی دنیا میں خلا پیدا ہو گیا ہے بلکہ احسان و تصوف اور روحانیت کا میدان بھی ایک
بہترین مربی اور مرشد اس مرشد سے خالی ہو گیا ہے۔

ہزاروں سالِ نرس اپنی بے توری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہونا ہے چمن میں دیدہ و پیرا

مولانا اسعد مدنی
تعلیم حبیب الرحمن قاسمی

۱۵/۱۱/۱۴۰۹ھ

آفتاب سمرند

از - مولانا نسیم احمد فریدی فاروقی امرتسری

بساط ہند پر جب شرک بدعت کی حکومت تھی
اور اس ظلمت میں یہ تھا کہ کتاب کی صورت
علامہ روافض و فاضلین کی تلقین کرتے تھے
جلال الدین اکبر نے بھی طرح دین کو ڈالی
غرض فتنوں کی شوریدہ سری لگ گئی تھی
خدا کے پاک کی غیرت کی اس وقت انگوائی
مجد بھی وہ کیسا، الف ثانی کا مجہد تھا
شریعت کا طریقت کا حقیقت کا مجہد تھا
برے کی جگہ مدح صحابہ کو کیا جاری
محمد مصطفیٰ کے دین خالص کو کیا ظاہر
کیا الہامی ارشادات سے ایحاء شریعت کا
وہ مکتوبات جن میں علم و حکمت کا خزانہ ہے
وہ مکتوبات ہر ہر طرح کی سلک گوہر ہے
قلم میں وہ روانی رو دکھنا جس سے شرما گئے
وہ صورت سمدی تھی یا صدائے شیخ سمرند کی
کیا تنگم و ہموار اہل دین و ایمان کو
پڑھایا کلمہ توحید خالص کفر والوں کو
نہ صرف ہندوستان تھا دائرہ انکی ولایت کا
ابھی ہند میں پھر اک مجہد کی ضرورت ہے
ابھی بھیدے پھر شیخ احمد سا کوئی رہبر

ہر اک جانب ہر اک طرف ظلمت ہی ظلمت تھی
خوٹا دیدہ چمن میں ستم شاداب کی صورت
الو بکڑ و عمرہ کی بے دھڑک توہین کرتے تھے
تھی مضمحل میں یکسر ملت بیضا کی پامالی
خزاں اسلامیان ہند کے گلشن پہ چھائی تھی
عمرہ کے خاندان سے ایک مجہد کی صدا آئی
ضلال کا کاشانے والا سنت کا مؤید تھا
فقاہت کا تصوف کا شیخ کا مجہد تھا
تقیہ کی معصن تقویٰ کو درگ میں کیا ساری
کیا اسلام کو آمیزش بدعات سے ظاہر
نصایف اور مکتوبات ایحاء شریعت کا
افادیت کی جن کی معرفت سارا زمانہ ہے
وہ مکتوبات نقطہ نقطہ جن کا حال دبیر ہے
معارف وہ کہ جن کو سن کے عارف و مجاہد گئے
جسے سن کر ہوئے بیاب رومی و سمرندی
دیا درس یقین و تقویٰ ہر مرد مسلمان کو
کیا صید حرم بھارت کے دم خوردہ غزالوں کو
حجاز و مصر و شام و روم بلکہ سارا عالم تھا
بڑا ہی روح فرسا انتشار اہل ملت ہے
ابھی بھیدے فاروقی سطوت کا کوئی رہبر

فریدی کی دعا ہے نیم شب مقبول ہو جائے
وہی انگلی سی رونق دین کی پھر لوٹ کر آئے

حضرت الحاج مولانا مفتی نسیم احمد فریدی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت

آپ ستمبر ۱۹۱۱ء (موافق ۱۳۲۹ھ) میں اپنے جدی مکان واقع محلہ جھڈا شہید امروہہ میں متولد ہوئے۔ سلسلہ نسب ۲۳ واسطوں سے شیخ الاسلام حضرت بابا فرید الدین گنج شکر احمد بنی دوسے متصل ہوتا ہے اور ۲۶ واسطوں سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے نخیال کا سلسلہ حضرت مخدوم ابوالفتح سید عبداللہ معروف شاہ ابن بدر حیشہ کربانی الامروہی کے واسطے سے حضرت امام علی رضاؑ سے متصل ہوتا ہے، حضرت شاہ ابن بدر حیشہ کے اخلاف میں امروہہ کے مشہور آفاق خاندانہ اطباء کے ایک لائق و فائق طبیب حکیم سید احمد حسن رضوی مرحوم آپ کے حقیقی نانا تھے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت

۱۹۱۴ء میں جبکہ آپ صرف ڈھائی سال کے تھے، آپ کے والد ماجد مولوی امیر احمد فریدی کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ کی تمام تربیت و پرورش اور نشوونما والدہ ماجدہ اور مشرکان کے ہاتھوں ہوئی، خاندانی رواج کے مطابق ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے گھر پر حاصل کی کہ ان محمد پڑھنے کے بعد دینیات کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ آپ شروع ہی سے نہایت ذہین و فطین اور پڑھنے لکھنے کے بید شوقین تھے، غیر معمولی قوت حافظہ کے مالک تھے، بچپن میں کسی قسم کے لہو و لعب میں مشغول نہیں ہوئے، ہمیشہ علم سے اشتغال رکھا۔ پہلے آپ کو پرائمری اسکول محلہ پیرزادہ امروہہ میں داخل کیا گیا جہاں سے منشی نسیم احمد صاحب مرحوم کے زمانے میں پانچواں درجہ پاس کیا، پھر ڈسٹرکٹ بورڈ ڈیڑل اسکول میں داخل ہوئے، تین سال بعد ۱۹۲۲ء میں ہندی ڈیڈل امتیاز کے ساتھ پاس کیا اور اگلے سال انگریزی ڈیڈل بھی پاس کر لیا۔
لے ہیئت اور سند صحیح ہے۔ تاریخ تحقیق طلب ہے۔

اس کے بعد مدرسہ نورالمدارس امر وہہ نے فنی فنی کاقل مولوی ادا علی قابلیت کے امتحانات امتیاز کے ساتھ پاس کئے۔ فارسی کی اکثر تعلیم فنی عبدالرب ثکلیب امر وہی سے حاصل کی۔ اعلیٰ قابلیت کے امتحانات میں فنی عزیز احمد عزیز امر وہی سے استفادہ کیا۔ آپ کو کہیں سے ہی شعر و شاعری اور تقریر کرنے کا شوق رہا۔ ان خیال کے ایک عزیز ابوالنظر حکیم بیٹھیل حسن رضوی مرحوم کے مکان میں اکثر نشست رہتی تھی حکیم صاحب مرحوم نہایت ذہین و ذی علم طبیب اور بلند پایہ ادیب تھے۔ ان کی صحبت میں آپ کا علمی و ادبی ذوق نکلا۔ اسی زمانے میں آپ نے اپنی کیفیت ابوالسحر کھی شروع میں امداد تخلص تھا مگر اپنے استاد فنی عبدالرب ثکلیب مرحوم کے مشورے سے فریدی تخلص رکھا ثکلیب صاحب سے شعر و شاعری میں بھی مشورہ کیا۔ شاعری میں فنی عزیز احمد عزیز امر وہی تلمیذ مضطر خیر آبادی (جو امیر میانی کے شاگرد تھے) سے تلمذ حاصل کیا۔ خود شاعرے منتقد کرانے اور شاعروں میں شرکت کرنے کا شوق تھا۔ اس زمانے میں بعض غزلیں کہیں، لیکن کچھ عرصے بعد نعت و منقبت میں طبع آزمائی شروع کی اور مدت العمر اسی سے شغف رہا۔

تحصیل علوم

عربی کی باقاعدہ تعلیم شروع کرنے سے پہلے آپ تقریباً ایک سال تک مدرسہ عربیہ دارالعلوم چلہ امر وہہ میں فارسی کے مدرس لے۔ پھر مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امر وہہ میں داخلہ لیا۔ حضرت مولانا سید رضا حسن رضوی امر وہی (داماد و برادر زادہ حضرت مولانا احمد حسن محدث امر وہی) اور مولانا انوار الحق عباسی سے حدیث تفسیر فقہاء دیگر علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ مولانا انوار الحق عباسی سے خصوصی طور پر علم فرائض سیکھا۔ حضرت مولانا حافظ عبدالرحمن صدیقی مفسر امر وہی سے قدوری پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ مدرسہ جامع مسجد امر وہہ میں موقوف علیہ تک تعلیم حاصل کر کے بلکہ بیٹا وای اور زندگی شریف تک پڑھ کر ۱۳۳۳ھ ہجری میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور دورہ حدیث کی تکمیل کی۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا اعجاز علی، حضرت مولانا میاں اصغر حسین دیوبند کا حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا مفتی محمد سہول بھاکل پوری، حضرت مولانا

مفتی ریاض الدین افضل گڑھی مولانا مفتی الدین تائم کتب خانہ و نصاب شروانی کے والد ماجد) اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع سے حدیث شریف کے اسباق پڑھے کچھ تجوید حضرت قاری عبد الرحمن کی محکمہ شاکر حضرت مولانا قاری حفظ الرحمن پر تاپ گڑھی سے پڑھی ۱۹۳۲ء میں حضرت مولانا احمد علی مفسر لاہوری کے حلقہ مدرس قرآن میں تین ماہ شریک رہ کر سند حاصل کی۔ لاہور کے زمانہ قیام میں ایک جماعت کے ساتھ ڈاکٹر محمد اقبال سے بھی ملاقات کی اور انھوں نے جاوید منزل میں اس جماعت سے تقریباً ایک گھنٹہ تک گفتگو کی۔ پھر آپ لاہور سے دیوبند واپس آئے اور ادب کی کتابیں متنبی، حاشیہ، سببہ معلقہ اور اس کے ساتھ ساتھ مفتح العروص وغیرہ عروص کی کتابیں پڑھیں۔ مولانا حکیم محمد عمر قاسمی دیوبندی سے طب کی کتاب شرح اسباب بھی پڑھی۔ اگلے سال محفولات کی کتابیں پڑھنے کا ارادہ تھا لیکن درمیان سال میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی زید مجدہم کی ایام سے صدر مدرس کی حیثیت سے بریلی کے مدرسہ اشفاقہ سے متعلق ہو گئے۔ اور وہاں تقریباً چار سال تک کتب حدیث خصوصاً بخاری شریف کا درس دیا۔ اسی زمانے میں رسالہ الفرقان بریلی سے بھی تعلق پیدا ہوا ۱۹۳۷ء میں بعض خانگی حالات سے مجبور ہو کر بریلی کی ملازمت ترک کر دی اور مدرسہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں ۳۲ سال تک درس و تدریس کے فرائض بخوبی انجام دیئے۔ حضرت مولانا عبد القدوس ابن حضرت مولانا حافظ عبد الرحمن صدیقی مفسر امروہی صد مدرس کے کشتہ میں وفات پا جانے کے بعد حضرت مولانا فریدی صدر مدرس کے جہدے پر کام کرتے رہے، اور یہ سلسلہ اب ۸۔۔ سال پہلے تک باقی رہا۔ ۱۹۷۳ء میں نعل الماوا کا آپریشن ہوا جو کامیاب نہ ہو سکا۔ بھارت ظاہری سے معذور ہو جانے کے بعد مدرسہ جامع مسجد امروہہ کی اعزازی خدمت انجام دی۔ آخر عمر میں محلہ جھنڈا شہید میں طالبان علم کو برابر عربی و فارسی کا درس دیتے رہے، فتویٰ نویسی اور علم فرائض کی خدمات بھی تا دم آخر انجام دیں۔ ہر سال رجب کے مہینے میں طلباء کو موطا امام مالک کا درس دینا مولانا میں سے تھا۔

۱۹۴۹ء سے تاحیات امروہہ کی تعلیمی جماعت کے امیر رہے۔ ہر جولائی کو قبل

۳۲۲
 ناز عمر جامع مسجد جا کر تبلیغی جماعت کی تشکیل و تعلیم فرماتے تھے اور بعد عشاء واپس
 ہونا ہمیشہ کا معمول رہا۔

بیعت و ارادت

تقسیم ہند کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے اعظم پورا سٹھا
 کے قریب نواب ساجد حسین خاں صاحب سنبھلی کے فارم کے ڈیرے میں بیعت ہوئے حضرت
 مولانا مدنیؒ اس وقت وہاں تشریف رکھتے تھے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال
 کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہ سے تعلق بیعت و ارادت قائم
 کیا۔ ہر سال رمضان المبارک کے آخر عشرے میں سہارنپور پہنچ کر حضرت شیخ الحدیث
 سے ملاقات کرنا معمولات میں سے تھا حضرت شیخ الحدیث نے اجازت و خلافت سے بھی
 سرفراز فرمایا۔ آپ کو حضرت مولانا فتح محمد میوانی (خلیفہ حضرت شاہ عبدالقادر ریلوے پورٹی) اور
 حضرت حافظ مقبول حسن صاحب (خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد لیا س کاندھلوی) سے بھی اجازت
 حاصل تھی۔ اکثر لوگ آپ سے بیعت ہونے کیلئے اصرار کرتے تھے مگر آپ اپنے مرشد زادوں
 سے ان کو بیعت کرا دیتے تھے۔ خود کسی کو بیعت کرنے کا اب تک علم نہیں ہو سکا۔

خصائل

آپ اوائل عمر ہی سے تبحر بشریعت و سنت، پابند صوم و صلوٰۃ، نیک، صلح متبعی
 باجیا، خلیق نو مہذب، نرم دل، سنجیدہ، بردبار اور علم دوست تھے، طبیعت میں عاجزی
 و انکساری، سکینی و فروتنی، خلوص و مروت، اشرار و سلوک، شفقت و ترحم، سخاوت
 قناعت اور توکل و استغناء تھا، لباس و طعام میں کسی طرح کا کوئی تکلف نہ تھا، اکثر
 پچھے ہوئے کپڑے اور ٹوٹی ہوئی جوتیاں پہن لیتے تھے، راستے میں ہمیشہ نظر نمی کر کے
 چلتے تھے، اور آنے جانے والوں کو کثرت سے سلام کرتے تھے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ راستے
 میں کاغذ کا کھٹا ہو کوئی بڑبڑا ہوا ملا ہو اور آپ نے ادب سے اس کو اٹھا کر کسی
 جگہ محفوظ نہ کیا ہو۔ اسی طرح کھانا بھی نہایت سادہ کھاتے تھے۔ مرغین غذا میں
 بالکل مرغوب نہیں تھیں کھٹی اور چٹ پٹی چیزوں کا شوق تھا چٹنی اور چاول زیادہ

پسند تھے اور اکثر یہی غذا استعمال فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ یہاں کی تواضع بھی اسی کھانے سے ہوتی تھی۔

آپ کی آمدنی قلیل تھی مگر اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ اپنے دو مجذوب و مغلوب احوال بھائیوں اور بھتیجیوں پر خرچ کر دیتے تھے، جب تک بصارت رہی اپنے دو بڑے بھائیوں کی ہر خدمت اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے۔ غالباً اسی وجہ سے شادی نہیں کی اور تمام عمر ترک و تہجد کی حالت میں بڑی پاکبازی سے گزاری۔ آپ کی زندگی کے بیل و تہار دین اور علم دین کی خدمت کے لئے وقف ہو گئے تھے۔ آپ کی پوری زندگی ایک عظیم مجاہد دین کی زندگی تھی۔ ۳۷ سالہ سحری میں آپ حج و زیارت حرمین شریفین سے بھی مشرف ہوئے۔

آپ کے معمولات

آپ ایک عالم باعمل تھے آپ کے تمام تر معمولات زندگی شریعت و سنت کے عین مطابق تھے، ہر وقت با وضو رہتے اور نماز پنجگانہ با جماعت ادا کرتے تھے، شب کے آخر حصے میں بیدار ہو کر تہجد پڑھتے، اشراق، چاشت اور اذان میں نیز رمضان المبارک میں اپنی مسجد میں احکامات معمولات میں سے تھے۔ تلاوت قرآن بکثرت کرتے تھے۔ رمضان المبارک کے روزوں کے علاوہ ۵ اشعبان، یوم عرفہ اور یوم عاشورہ کے روزے رکھنا ہمیشہ معمول رہا۔ روزانہ بعد نماز فجر اور بعد نماز مغرب استغفار اور درود شریف کی تسبیحات پڑھتے تھے، زوالِ بصارت ظاہری کے بعد مسجد محلہ جھنڈا شہید میں قیام رہتا تھا۔ مسجد کے ایک حجرے میں ضروری اور خاص کتابیں رکھ لی تھیں اور دن و رات کا زیادہ تر وقت مطالعہ اور تصنیفی کاموں میں گزارتے تھے۔ کتابوں سے انس تھا۔ اور ان کی حفاظت کا بڑا خیال کرتے تھے۔ کتابوں کو پڑھوا کر سننا اور مضامین کا املا کرانا مادم آخر مشغلہ رہا۔

صبح سے رات کے ٹنک شہر اور بیرون شہر کے سیکڑوں افراد اپنے معاملات، مشکلات اور مسائل کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ ان کی باتوں کو خندہ روئی اور ہمدردی کے ساتھ بغور سنتے اور ان کو نہایت احتیاط و احتدال کے ساتھ صبح و صائب شوریے سے فواز تے تھے۔ اکثر مردہ عورت دھا کرنے کی غرض سے حاضر ہوتے اور رضوی کے لئے پانی پڑھوا کرے جاتے اور انٹر تلے انھیں شفا دیتا تھا۔ باوجود اصرار کے

تعمید کسی کو نہ لکھتے تھے، اکثر عقیدت مند مخالفت لاتے اور آپ ان کو حاضرین مجلس طلباء و
خدام اور عزیز و اقارب میں کشیم کر دیتے تھے، بعض مرتبہ فتوحات بھی ہوتی تھیں مگر آپ انکو
اپنے لیے بخرچ نہ کرتے تھے، یہ رقم اکثر و بیشتر بیواؤں، حاجت مندوں، سائلوں اور طالب علموں
پر خرچ کر دیتے تھے، مساجد اور مدارس کا قیام آپ کی زندگی کا مقصد بن گیا تھا چنانچہ شہر و
بیرون شہر محافات و دیہات میں اکثر مساجد و مدارس کا سنگ بنیاد رکھا، رمضان
المبارک میں مدارس کے ہر بچہ کو اپنی جیب خاص سے کچھ نہ کچھ مالی امداد ضرور دیتے تھے،
اکثر بڑے مدارس کی مجالس شوریٰ کے رکن تھے، آپ نہایت بلند حوصلہ اور عالی ہمت تھے،
معذوری اور کمزوری کے باوجود کثرت سے سفر کرتے تھے، بمبئی، حیدر آباد، دہلی، میرٹھ
مظفرنگر، پھلاؤدہ، پھلت، نالوت، کھنوی، منصور پور، میران پور، جالندھر، گھانا، بھون
کاندھل، مراد آباد، سنبھل، رامپور، لکھنؤ، رائے بریلی، سیتاپور، الہ آباد، سہانپور، دیوبند
گنگوہہ وغیرہ کا اکثر سفر ہوتا تھا، ضلع مراد آباد، بجنور اور رام پور کے دیہاتوں میں دور
دور تک سفر کرنا بھی معمول تھا، آپ علمی تحقیق و جستجو کے لئے زیادہ تر سفر فرماتے تھے، آپ کے
اس فوق تلاش و تحقیق کی بدولت بعض نہایت اہم علمی نوادر منظر عام پر آئے اور تحقیق
کے بعض نئے گوشے اہل علم کے سامنے آئے۔

ذوق شاعری

آپ کے اندر شعر گوئی کی صلاحیت خدا داد تھی، طبیعت موزوں اور ذہن رسا بایا
تھا، تمام اصناف شاعری میں طبع آزمائی کی، آپ کا کلام نہایت معیاری ہوتا تھا، نعت
و نعت آپ کا خاص میدان تھا، آپ نے بڑے ہی پرسوز، عاشقانہ و دلیانہ انداز میں
نعتیں کہی ہیں جو اندل خیر و بد و دل ریزہ کا مصداق ہیں، آپ کا اکثر نعتیہ کلام رسالہ
الحرم میرٹھ، نظام کا پیور، الفرقان لکھنؤ، العاسم دیوبند، اور ڈر مقصود امر وہرہ
وغیرہ رسائل میں شائع ہوا، آپ کا مجموعہ کلام طبع کرانے کا ارادہ ہے۔

ذوق تصنیف و تالیف

تصنیف و تالیف آپ کا سب سے بڑا شغل و حیات تھا، پچاس سال سے زائد
عرصے تک مختلف موضوعات پر علمی و تحقیقی مضامین قلمبند کئے، اس عرصے میں اکثر و بیشتر
مضامین رسالہ الفرقان لکھنؤ میں شائع ہوئے، آپ کا اسلوب نگارش منفرد تھا اور

آپ ایک صاحب طرز ادیب و دانشور پر داز تھے۔ آپ کو حدیث، فقہ، تفسیر، تاریخ، تصوف، علم رجال، علم انساب اور علم نعمت میں نہایت وسیع معلومات تھیں، آپ بہترین مترجم و مؤلف تھے۔ بزرگوں کے مکتوبات و ملفوظات کی تلخیص اور ترتیب و تدوین کا خاص ملکہ تھا، حضرت عارف میں امام ربانی مجدد الف ثانی کے کار جدید اور فکر و فی الکلی کے رمز شاس تھے۔

تجلیات ربانی، مکتوبات مصومیہ، سفر نامہ حجاز، تذکرہ حضرت خواجہ بابائی باشر، دہلوی و صاحب شہاب الدین بہروردی، تذکرہ شاہ محمد اسماعیل شہید، مکتبہ الفرقان میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ چند کتابیں زیر طبع ہیں۔ انکے علاوہ مکتوبات اکابر دیوبند، فرامد قاسمیہ، مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مکتوبات سید العلماء (حضرت مولانا احمد حسن محدث امر وہی) وغیرہ کتابیں بھی آپ کی یادگار ہیں۔ مکتوبات اکابر دیوبند اور فرامد قاسمیہ طبع ہو چکی ہیں۔ بقیہ کتابیں زیر طبع ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے مختلف اوقات میں جو مضامین تحریر کیے ان کی تعداد بھی کمی سو تک پہنچے گی۔ ۱۹۸۱ء میں صدر جمہوریہ ہند نے آپ کو فارسی کی سدا عراز اور انعام سے بھی نوازا تھا۔

مرض الموت اور وفات

شعبان ۱۴۰۲ھ سے علالت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسی حالت میں رمضان المبارک کے پورے مہینے رکھے اور مزاحج پڑھیں۔ رمضان المبارک میں ۲۲-۲۳ مرتبہ بخار آیا اور عید کے بعد کمزوری محسوس ہونے لگی اور پھر بخار کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ایک ماہ سے زائد سخت علالت کے بعد رو بصحت ہو گئے اور اپنے معمولات کے مطابق وقت گزارنے لگے۔ اس دوران یونانی علاج جاری رہا۔ کچھ عرصے بعد پھر مرض عود کر آیا۔ سینے پر کثرت تلغم بننے لگا اور حلاوت قائم ہو گئی جب یونانی علاج سے فائدہ نہ ہوا تو ڈاکٹری علاج شروع کیا گیا۔ ڈاکٹر نے دم جگھا اور گردوں کی کمزوری تجویز کی جس کا ایک ماہ سے زائد علاج کیا گیا مگر کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ ضعف و نقاہت اس درجہ بڑھ گئی کہ بلینگ پر کروٹ بدلنا بھی مشکل تھا۔ لیٹے لیٹے باجماعت نماز ادا کرتے تھے۔ صبح سے شام تک بیکردوں بیعت مند عبادت کیلئے آتے تھے، اور آپ ان سے گشتگو اور مصافحہ کرتے تھے، ہوش و حواس آخر وقت تک درست تھے، دوران علالت کتابیں بھی نہیں اور خطوط کا جواب بھی ملا کر آیا۔ بستر علالت پر انتقال سے ۲-۳ دن پہلے جو کتاب مولانا محبت الحق صاحب پڑھوا کر سنی وہ مولانا محمد قاسم نالوتوی کی کتاب "قبلہ نما" تھی۔

انتقال کے دن ایک گھنٹہ پہلے مولانا صاحب اسحق صاحب فرمایا کہ مولانا گلوچی تشریف لائے تھے۔ آپ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا چنانچہ دورانِ علالت ایک دن فرمایا کہ مجھے الہامات ہو رہے ہیں اور میں اب جا رہا ہوں۔

وفات کا ایک دن پہلے طبیعت کو کچھ سکون محسوس ہوا، سپرہ اور شب میں تکلیف میں بھی کچھ کمی ہو گئی۔ ۵ ربیع الاول منگل کے دن صبح چائے اور دو آگے ایک دو چمچے بھی لئے اس کے بعد رفع حاجت کیلئے اٹھنے کو فرمایا نفیس احمد صاحب خادم خاص نے بلنگ سے نیچے اتار کر قضاء حاجت فائز کرایا نفیس نوکر بہت زیادہ پانی سے طہارت کی اور بلنگ پر لیٹ گئے۔ فوراً ہی ضعف و نقاہت کی وجہ سے ایک ہلکا قلبی دورہ ہوا اور دیکھتے دیکھتے نہایت آسانی کے ساتھ روح پرواز کر گئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

آپ کا وصال ۵ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ ہجری مطابق ۸ اکتوبر ۱۹۸۷ء روزِ شنبہ بوقت ۸ بجکر چالیس منٹ صبح میں ہوا، خبر وفات جلد ہی دورہ ورننگ پھیل گئی، امروہہ اور اسکے مصافقہ کے لوگ جوق در جوق آنے لگے، برادار، اہل راجہ پور، سنبھل اور دہلی وغیرہ سے بھی بہت سے حضرات آئے، علی گڑھ اور دہلی سے آپ کے عزیز و اقارب بھی امروہہ پہنچ گئے تھے۔ آپ کی تدفین میلہ اہل امروہہ نے بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ لوگوں کی کثیر تعداد اس پر مشتمل کلاب کو جامع مسجد کے قبرستان میں دفن کیا جائے، عزیز و اقارب آپ کو خاندانی قبرستان میں دفن کرنا چاہتے تھے۔ اس معاملے میں بار بار ذکر اور ہوائی بالاؤں حضرت مولانا سید اسعد مدنی زید مجدہم کے مشورے سے آپ کو مسجد محلہ جھنڈا شہید کے ایک حجرے میں دفن کرنا طے پایا، اجماعاً ہزار ہزار لوگوں کے مجمع کے ساتھ حضرت مولانا سید اسعد مدنی زید مجدہم نے جامع مسجد میں نماز جنازہ پڑھا، جنازہ جامع مسجد سے شہر کے اندر ہوتا ہوا مدفن تک لایا گیا جس میں ۱۵-۲۰ ہزار لوگوں اور او عقیدت مندوں کا ایک زحام تھا، اور عورتیں اور مرد زار و قطار بیٹھے ہوئے نظر آتے تھے، سیکڑوں لوگوں کو نئے راتے میں رکھتے صبح میں سڑکوں پر کئی جگہ جوتوں کے ڈھیر دیکھے گئے، شب میں ۱۰ بجکر چالیس منٹ پر آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ طالب اللہ ثراۃً وجعل الجنة مثواً۔

ایک خواب : حضرت مولانا فریدی کی وفات ۲-۳ دن پہلے ایک صاحب نے خواب میں کیا کہ طالب علموں کا ایک مجلس کسی چیز کی تلاش کر رہا ہے انھوں نے دریافت کیا کہ کیا چیز ڈھونڈ رہے ہو اس پر طالب علموں نے جواب دیا کہ ایک موتی کھو گیا ہے ہم اس کو تلاش کر رہے ہیں۔



حضرت مولانا نسیم احمد فریدی میرے ماموں تھے۔ میرے جد ہلالی اور نہالی دونوں سلسلے دوسری پشت میں ایک ہو جاتے ہیں۔ ماموں صاحب کے دادا (مولوی بشیر احمد صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر) میرے پردادا (مشی ارشد علی صاحب مرحوم تحصیلدار) کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے اور ان کی ساری تعلیم و تربیت ان ہی کی نگرانی میں ہوئی تھی، ہمارے خاندان میں علم سے دلچسپی اور دین سے تعلق کی روایت بہت قدیم ہے۔ ہندوستان میں اس خاندانی روایت کے آخری ترجمان ماموں نسیم احمد صاحب فریدی تھے، بلکہ بقول "آخار آزاد ہند" (کلکتہ مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۸۵ء) وہ امر وہہ کے آخری جید عالم تھے، جن کے انتقال سے اس تاریخی قصبے کے علماء دین کے سلسلے کی آخری کڑی بھی ختم ہو گئی۔ یہی نہیں بلکہ امر وہہ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علمی شاگردوں کا جو سلسلہ حضرت مولانا احمد حسن محدثؒ سے شروع ہوا تھا، وہ ان پر اگر ختم ہو گیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک تاریخی عہد آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

تراہ آگئی کہ مراد از غروب این نور شید

چرخ ہائے سعادت زیان جاں آمد !

پاکستان میں ہماری خاندانی روایات کے آخری امین، ڈاکٹر ربان احمد صاحب فاروقی مدظلہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر قائم رکھے۔ ہمارے خاندان میں ویسے تو چوتھے سلسلے سے

۱۔ حضرت مجدد صاحبؒ پر ان کی کتاب "مجدد کا نظریہ توحید" مجدد صاحبؒ کی فکر کو مغربی حلقوں میں روشناس کرنے کی پہلی اور موثر کوشش تھی اور اپنے موضوع پر مستعدی ہوتی ہے۔ ۲۔ ماموں نسیم احمد صاحبؒ کے چچا اور بھائی ہیں۔

وہ بھی رہے ہیں ان دونوں چرگوں نے اپنی ساری زندگی سچائیوں کو حضرت مجدد صاحب اور
 اللہ کے بند کی تائید اور تعلیم کی حقیت میں لگا دیا۔ اس شخص میں وہ خدمات انجام دیں جو خاندان
 کے بڑے بڑے اقتدار ہیں۔

اس شخص کے غم و اندوہ کا اندازہ کون کر سکتا ہے جن کو اپنے ایک بزرگ کے ساتھ ارتحال
 ہی پر نہیں، بلکہ خاندان کی ایک روایت کے خاتمہ پر اپنے دل کے دماغ دکھانے پڑیں۔

چراغِ انجمن حیرت نظر بودند
 کنوں پر پردہ دل و اہلئے خاموشی

لیکن جناب محترم مولانا محمد منظور خاں صاحب زاد مجدد کے حکم کی تعمیل میں یہ مضمون پڑ
 قلم کر رہا ہوں، اور اپنی علمی بے بضاحتی سے ڈرتا ہوں کہ اس کا حق کیسے ادا کر پاؤں گا۔

سیرت و شخصیت

مولانا فریدی کی زندگی اخلاق کے اس اصول کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔

خالصوا للناس باخلاص قسم من خلقہ علیٰ الصمیمۃ یعنی اخلاق
 میں سب آدمیوں سے شیر و شیرک ہو، اور اعمال میں سب سے نفاذ۔ ان کے پاس ان کے طرز زندگی
 ان کی بود و باش ان کے انداز گفتگو سب میں سادگی تھی، لیکن ان کے عادات و اطوار میں ان کی
 شخصیت کی عظمت پکارتی تھی۔ اور ایسا غموس ہوتا تھا کہ یہ انسان ہم سے ہوتے ہوئے ہم جیسا
 نہیں۔ طر گفتار میں کردار میں افادگی بہان!

انھوں نے علم کو الجھڑ، فروتنی اور تواضع کی گدڑی میں چھپایا تھا، اور رومی کی اس ہدایت
 پر عمل کیا تھا۔

جب ان کے انتقال کی خبر لکھو آئی تو میں جناب محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب
 زاد مجدد کے پاس منہ میں موجود تھا۔ یہ اندوہناک خبر سن کر وہ کچھ دیر کے لئے بالکل خاموش ہو
 گئے، پھر ایک تعزیتی جلسہ بلایا، مجھے بہ اصرار اپنے قریب بٹھایا اور مولانا فریدی سے اپنے دیرینہ
 تعلقات کا ذکر کرنے کے بعد نہایت اور بھرے انداز میں ان کی خصوصیات بیان کیں جس سے
 بہتر ان کی شخصیت کی حکایتی لکھی نہیں۔ فرمایا،

”مولانا نسیم احمد فریدی کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا علمی ذوق اور علم نہیں ان کی فنائیت ہے۔ علم سے ان کو وہی تعلق تھا جو بچپن کو پانی سے ہوتا ہے۔ علمی اشتغال رکھنے والے، تصنیف و تالیف کرنے والے بہت سے مل جائیں گے لیکن ایسے لوگ جو علم میں فنا ہوں، علم جس کا ذوق نہیں بلکہ ذائقہ بن چکے، علم ہی ان کے لئے غذا، دوا، شفا ہے۔ مولانا نسیم احمد فریدی تھے۔“

فریدی صاحب مرحوم کی دوسری اہم خصوصیت ان کی سادگی، تواضع، فروتنی اور اخلاق ہے۔ مولانا مرحوم اتنی سادگی سے رہتے تھے کہ اجنبی آدمی انہیں دیکھ کر بائیں نہیں بکھر سکتا تھا کہ وہ کوئی بڑے عالم و مصنف ہیں۔ ہر شخص سے بہت تواضع اور اخلاق سے ملتے تھے۔“

جب مولانا نے فرمایا کہ ”وہ ہمارے اسلاف کی سیرت و کردار کا نمونہ تھے“ تو مجھے محسوس ہوا کہ خاندانی تعلق سے قطع نظر ہم نے کیا کھودیا ہے۔

اک دعوپختی مئی آفتاب کے ساتھ

مولانا فریدی کی سادگی دل پر اثر کرتی تھی۔ وہ غریب لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے۔ معمول تھا کہ جب کسی شہساز شخص کا اردوہ میں انتقال ہوتا تو مجھے اطلاع کرتے اور سمجھتے کہ فوراً غلاموں کو فلاں پتہ پر تعزیت کا خط لکھو۔ اردوہ میں ہمارے مکانات کے درمیان، ایک مسجد ہے جو ہمارے ہی بزرگوں نے بنوائی تھی۔ ہمارے کئی مکانات موجود تھے بلکہ خالی بیڑے تھے، لیکن وہ مسجد میں رہتے تھے اور اپنا سارا وقت وہیں گزارتے تھے۔ کسی وقت آنے والوں کا سلسلہ نہ ٹوٹتا تھا۔ ہر شخص سے خندہ پیشانی سے ملتے۔ اس کے حالات دریافت کرتے اور دلجوئی کہتے تھے۔ کتنا ہی بے وقت کوئی آجائے میں نے کبھی ان کو اس سے کبیدہ خاطر ہوتے نہیں دیکھا۔ اخلاق و کردار کی یہ خوبیاں دل کو موہ لیتی تھیں۔

طبیعت میں مضبوط اور تحمل بہت تھا، لیکن دو موقعوں پر اپنے پر قائل نہ پاسکتے تھے اور غصہ سے بہرہ جاتے تھے۔ اگر کسی کو شریعت کی کھلی بے حقیقتی کرتے ہوئے پاتے، یا کسی کو عربی مدارس کے طلباء کے ساتھ مخالفت سے پیش آتے دیکھتے تو غصہ کو قابو میں نہ رکھ پاتے تھے۔ اس سلسلہ میں نواب وقار الملک مرحوم کا واقعہ اکثر بیان کرتے تھے کہ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے انہیں صاحبزادہ کا ایک عرصہ کے رکن کی حیثیت سے ان سے ملے اور وہ ان سے تو نواب صاحب جو اس وقت مسلمانوں

کے مسلہ لیدر تھے، مشایعت کے لئے گھر سے گئی، کھانسی، سرفہرنگ نکل کر آئے اور یکے پران کو سوار کرنے کے بعد واپس ہوئے۔ وہ یہ توقع کرتے تھے کہ ان عربی مدارس کے طلباء کے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ کیا جائے؛ اگر کسی میں اس کی کمی پاتے تو انہار ناراضگی کرتے۔ وہ ان طلباء کو دینی زندگی کا ستون سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ان ہی کی وجہ سے شہر و دیہات میں دینی شعائر قائم ہیں۔

مولانا فریدیؒ کا لباس آٹنا سادہ ہوتا تھا کہ ان کے منصب و مرتبہ کا اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا تھا۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے متعلق مولانا تھانویؒ ایک قصہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ دیوبند سے نانوتہ جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک جالہ نے اپنا ہم قوم کچھ کر سوت کا بجاؤ پوچھ لیا۔ مولانا نے جواب دیا، بھائی، آج بازار جانا نہیں ہوا۔ معلوم نہیں مولانا فریدیؒ کے ساتھ ایسے کتنے واقعات پیش آئے ہوں گے۔ غالباً یہ روش قاضی ہی ان کے لئے شالی حیثیت رکھتی تھی۔ اس سلسلہ میں ابتدائی زمانہ کا ایک واقعہ بہت دلچسپ ہے۔ ان کی والدہ مرحومہ نے ایک بار ان کے لئے بہت اچھے کپڑے بنائے۔ پہن کر باہر نکلے۔ تو کچھ ایسے لوگوں نے جو ان کو راستے میں ملتے تو سلام دعا نہیں کرتے تھے، سلام کیا۔ گھر واپس آئے تو ہنس ہنس کر بولے، ”آج تو ان کپڑوں کو بہت سلام ہوئے“ اس کے بعد شاید ہی کبھی انھوں نے پہننے میں کوئی اہتمام کیا ہو۔

گفتگو کو کبھی بٹ یا عبادلہ کارنگ اختیار کرنے نہیں دیتے تھے دوسرے کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے نہایت نرمی سے بات کی وضاحت کرتے تھے۔ اور اکثر دوسرے کو اپنا ہم خیال بنالیتے تھے اکثر ایسا محسوس ہوا کہ ان کا عمل اس قرآنی ہدایت پر رہتا تھا۔

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَالْمَعْرُوفِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔

یعنی اے نبی! راہِ خدا کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور بحث

کر دو ان سے ایسے طریقے جو سب سے اچھا ہو۔

انھوں نے تبلیغی جماعتوں کے ساتھ وجہ تک بنیائی نے ساتھ دیا مسلسل، بوج معذور ہو گئے تو کبھی کبھی اجماع قریب اضلاع کے ایک ایک گاؤں کا دورہ کیا تھا۔ اور جن لوگوں نے ان جماعتوں میں ان کے ساتھ سفر کئے ہیں ان کا بیان ہے کہ وہ اپنے سید سے ساوے انداز سے دل کو موہ لیتے تھے۔ اکثر دیہات کے لوگ ان کے پاس آتے، عقیدت سے ملتے اور وہ نہایت محبت سے ان کی میزبانی کرتے۔ کوئی بڑا آدمی ہوتا تو اس کی میزبانی کی فکر زیادہ نہیں کرتے تھے لیکن کبھی

ایسا نہیں ہوا کہ کوئی غریب آدمی آیا ہو اور انھوں نے اپنے کھانے میں اس کو شریک نہ کیا ہو۔ دیہات کے لوگوں میں ان کی مقبولیت کا اندازہ ان کے انتقال پر ہوا۔ اس کی خبر پہلی کی طرح پھیل گئی، اور دور دورے میں گاڑیوں، انجیوں، تانگوں پر سوار دیہات کے لوگ ان کے جنازے میں شرکت کے لئے جمع ہونے لگے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب انسان کے سوچنے، کہنے اور عمل کرنے میں ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کے ظاہر و باطن کا فرق مٹ جاتا ہے تو اس کی زندگی میں ایک متعاطیسی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی کیفیت تھی جو مولانا فریدی میں پیدا ہو گئی تھی۔ جناب محترم مولانا قاسمی زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تعزیت نامہ میں لکھا تھا:

”یوں تو حضرت مولانا کو جو کوئی تھوڑی دیر کے لئے بھی برت لیتا تھا اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ کیا ایک دور صحابہ کرام میں پہنچ گیا ہے اور ان کی سیرت کے ایمان اور فہم سے اس کی نگاہوں میں پھر نہ لگتے تھے“

ماہوں صاحب کو میں نے کبھی ظاہری اوراد و وظائف میں مشغول نہیں دیکھا۔ لیکن وہ ہمیشہ با وضو رہتے تھے، کتنا ہی ضروری کام ہو، کتنی ہی معرفت ہو لیکن بے وضو نہ بنا ایک منٹ کے لئے بھی گوارا نہ تھا۔ وہ غالباً ذکر لکھنی اور خلوت و راجحین پر عامل تھے۔ بعض اوقات چادر اوڑھ لیتے رہتے اور کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ کس کام میں مصروف ہیں۔ غالباً اخلاصِ حال کے خیال سے اور لوگوں و وظائف کی غائبی سے پرہیز کرتے تھے۔ علی گڑھ میں اکثر میراؤ کا عجیب سلہ (جواب سببی) میں صلیب بک میں ملازم ہے) ان کے ساتھ کرے میں ہوتا تھا۔ وہ خود ناز کا پابند تھا اور صبح سویرے اٹھتا تھا۔ اس کو رات کے وقت کئی کئی بار پکار کر پوچھتے تھے کہ کیا ناز کا وقت ہو گیا؟ وہ کہتا کہ ابھی تو ۲ یا ۳ بجے ہیں۔ کہتے ذرا گھڑی دیکھ کے بتاؤ۔ ناز باجماعت کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ آخری وقت میں جب خود رضائی اورٹنے کی بھی طاقت جسم میں نہ رہی تھی، اور کدوٹ دلانے کے لئے دو دو آدمی سہا لیتے تھے، ناز باجماعت کا یہ اہتمام تھا کہ چار پانی صف میں لگا دی جاتی تھی اور وہ انگلیوں کے اٹھانے سے باجماعت ناز دلا کرتے تھے۔ میں نے اپنی والدہ مرحومہ سے سنا تھا کہ ناز کی پابندی انھوں نے بہت ہی بھڑکی عمر سے شروع کر دی تھی۔ روزوں کا حال بھی اسی تھا۔ کبھی بیماری میں بھی ان کے روزے تقاضا نہیں ہوئے۔ ناز روزہ ان کی زندگی کا مول بن گیا تھا جس کو بلا تکلف انجام دیتے تھے۔

ماہوں صاحب نے غلطی نہیں کی تھی شروع زمانہ میں میری والدہ مرحومہ ان سے شادی کے لئے بہتیں تھیں تو وہ سب کراہ کر موش ہو جاتے تھے، نہ کہیں ہاں کرتے نہ ناں۔ گوانو وہابی زندگی کی ذمہ داریوں سے آنا دھبہ لگتا اپنے بھتیجوں کی تعلیم و تربیت کی (جو ایک بڑے بھائی کے دماغی عدم توازن کے باعث ایک طرح بے سہارا ہو گئے تھے) اپنی اولاد کی طرح دیکھ بھال کی۔ اکثر ان کی یہ کیفیت دیکھ کر حضرت شاہ غلام علی دہلوی کا (جن سے ان کو خود بڑا تعلق تھا اور جن کی مجلس کا حال انھوں نے بڑی کیفیت کے ساتھ لکھا ہے) کا یہ واقعہ یاد آ جاتا ہے کہ انھوں نے شادی نہیں کی تھی، لیکن سرسید کے فاذا ان سے ایسا تعلق تھا کہ کہا کرتے تھے کہ گو خدا تعالیٰ نے مجھے اطلاع کے جملہ لوگوں سے آزاد رکھا ہے لیکن منتقی (سرسید کے والد) کی اولاد کی محبت ایسی دیدی ہے کہ اس کے بچوں کی تکلیف یا بیماریاں مجھ کو بے چین کر دیتی ہے۔

ماہوں صاحب نے اپنے دو مرتب بھائیوں کی دیکھ بھال اور تین بھتیجوں کی نگرانی اور تعلیم کے سلسلہ میں جن مصوبتوں کا سامنا کیا ہے، اور جس عمل اور بردباری سے ان ذمہ داریوں سے عہدہ برابوئے ہیں، اس کا علم کوگوں کو ہے۔ لیکن یہ ان کی سیرت کا وہ پہلو ہے جس میں ان کے کردار کی حقیقی بلندی بھلکتی ہے۔ انھوں نے امر و نہی کی معمولی ملازمت پر قناعت کر لی اور باہر سے کتنے ہی دعوت نامے آئے لیکن کسی منصب کو قبول نہیں کیا۔ میرے فاضل دوست مرحوم مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی جب مسلم یونیورسٹی میں دینیات کے ڈین تھے، انھوں نے بڑی کوشش کی کہ وہ ناظم دینیات کا عہدہ قبول کر لیں، لیکن آمادہ نہ ہوئے۔ مجھے بھی بیچ میں ڈالا گیا میں نے ان کو ہوا کر کے کے لئے کہا کہ یہ وہ عہدہ ہے جس پر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے داماد مولانا عبدالحامد مرحوم بھی کام کر چکے ہیں، لیکن انھوں نے اس طرح قطعی طور پر انکار کیا کہ پھر دوبارہ کہنے کی جرأت ہی نہیں ہوئی۔ یہ سب اس لئے تھا کہ وہ پورے گھر کے نگران تھے اور گو خود علاقائی دنیاوی سے اپنا دامن آزاد رکھا تھا، لیکن بھائیوں اور ان کی اولاد کے لئے اپنی زندگی کی ہر آسائش کو حقیقتاً قربان کر دیتا تھا۔ ان کی گھر سے باہر کی زندگی سے کہیں زیادہ دلچسپی لیکن مہر تباہ ان کی خانہ دانی زندگی کا یہ رنخ ہے، جو ان کی سیرت کے ایک نہایت ہی عظیم پہلو کو نمایاں کرتا ہے۔ وہ اللہ کے لئے جیتے اور اس کے بندوں کی خدمت میں زندگی بسر کرتے تھے۔

میری والدہ مرحومہ کو ان سے اور ان کو میری والدہ سے بڑی محبت تھی۔ ان کو کچھ دنوں

میرٹھ نہ آپا ہے تو عجب چین ہو جائیں۔ اکثر رمضان میں میرٹھ آجاتے تھے اور یہیں سے دیوبند اور بہار پور جاتے تھے۔ میرے والد مرحوم (مولوی عزیز احمد صاحب نظامی وکیل) کا چاکر حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہو گیا تھا۔ ماموں صاحب اتفاقاً اس وقت میرٹھ میں موجود تھے۔ میں علی گڑھ میں تھا۔ جب میرٹھ پہنچا تو ان کو عجیب ذہنی اور قلبی کرب میں مبتلا پایا۔ بڑا مصیبتا کرتے تھے، لیکن آنسو تھے کہ وارثی پر ہے جارہے تھے۔ ان کے پریشان کن خاندانی حالات میں غالباً ہمارا گھر ہی تنہا گوشہ تھا جہاں ان کو کچھ اطمینان اور سکون مل جاتا تھا۔ اب وہ بھی ختم تھا۔ جنازے کی نماز خود پڑھائی، لیکن اس کے بعد یہ حال ہو گیا کہ جنازے کے ساتھ قبرستان تک نہ جاسکے اور کراہتے ہوئے آکر بہن کے پاس بیٹھ گئے۔ دھڑوں کی زبانیں خاموش تھیں لیکن دل درد و غم کی داستانوں سے بھر پور تھے۔ میرے والد ان سے بالکل بچوں جیسا برتاؤ کرتے تھے کبھی کھاتے کبھی ڈانستے بھی، لیکن ان کے چہرے پر کبھی غم نہ آتی اور ان سے جس محبت سے ”بھائی بھائی“ کہہ کر گفتگو کرتے وہ آواز آج تک کانوں میں گونج رہا ہے۔ اس زمانہ میں کئی بار علما کو بلا کر گھر میں دعا کر ائے اور جب تک والد مرحوم میرے ساتھ علی گڑھ نہ آ گئیں، میرٹھ میں کافی عرصہ تک رہے۔

تین سال ہوئے جب والد مرحوم کا علی گڑھ میں انتقال ہوا۔ اتفاقاً بات تھی کہ اس وقت بھی وہ یہاں موجود تھے۔ بنیائی بالکل جاچکی تھی۔ سہارے سے پلٹے تھے۔ ادھر میری ماں نے آخری سانس لیا، ادھر وہ بے تابانہ اٹھ کر پاؤں سے لپٹ گئے اور بوسہ دیکر کہنے لگے ”میری ماں کی طرح تھیں“۔ ان کی آنکھوں میں تو روشنی کئی برس سے نہیں رہی تھی لیکن اس وقت ان کی آنکھوں کا اندھیرا دوسرے بجادیکھ سکتے تھے۔

میں نے محسوس کیا کہ والد مرحوم کے انتقال کے بعد وہ اپنے آپ کو بالکل تنہا محسوس کرنے لگے تھے۔ جب کبھی ان کی طبیعت کی ذرا سی بھی ناسازی کی اطلاع والد مرحوم کو ملتی تھی تو وہ باہر ان کو میرٹھ یا علی گڑھ بلا کر علاج کراتی تھیں۔ میرٹھ کا ایک منظر بار بار ذہن میں ابھر کر آتا ہے۔ ماموں صاحب کے چہرے پر چند چھنیاں تھیں اور پورا چہرہ متھم ہو گیا۔ ڈاکٹری علاج پسند نہیں تھا۔ حکیم نے نہایت کڑوی دواؤں کا نسخہ لکھا۔ اس قدر کا پلانا ایک مسئلہ تھا۔ بڑی بڑی دیر والد مرحوم ایک ہاتھ میں دوا کا پیالہ اور دوسرے میں مخالف کی پلیٹ لے کر رہتی تھیں اور پھر بے محبت بھرے

انداز میں کرتی تھیں۔ "نیم چنڈا" یہ دوا پی تو تو مسخائی گئی ۵ وہ بالکل اس طرح انکار کرے
جیسے کوئی اپنی ماں سے غزے کرتا ہے۔ ناراض ہو جاتے اور کہتے "میں امر وہہ جا رہا ہوں، لیکن
وہ دوا پلائے بغیر نہ ہنسی تھیں۔ اس انکار و اصرار میں محبت کے کتنے معصوم جذبات پنہاں
تھے! ۶

آخری عیالات کے زمانہ میں ان کی آنکھیں بہن کی محبت کو مزید تلاش کرتی ہوں گی
لیکن ان کے شاگردوں اور منسلکین نے جس طرح ان کی خدمت کی، اس کی مثال مشکل سے
ملے گی۔ جب میں مزراغ پری کے لئے امر وہہ گیا تو شاگردوں کی اس خدمت کو دیکھ کر حیرت میں
رہ گیا۔ اور بے اختیار زبان پر آگیا کہ "جو کام ہمارے کرنے کا تھا وہ آپ لوگ کر رہے ہیں"
فوراً میری طرف اپنا رخ کیا، ان کے چہرے سے اپنے رب کی احسانندی کا جذبہ نکلتا تھا
اٹھنے والے ان کو اولاد سے محروم کیا تھا، لیکن ہر دل دروند کو ان کی اولاد بنا دیا تھا۔ انھوں
نے ایک ایک تیار دار کو بلا کر مجھ سے ملایا اور تعارف کرایا۔ جب رحمت ہوئے مگنا تو میرا
ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، فرمایا: "نی امان اٹھ، ۲۴ گھنٹے بعد پھر" — میں کھنٹو
چلا گیا۔ ۲۴ گھنٹے پورے نہ ہوئے تھے کہ وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اور امر وہہ میرے لئے
صرف بزرگوں کا قبرستان رہ گیا۔

مولانا فریدی کی پوری زندگی علمی جدوجہد کی زندگی تھی۔ صبح سے رات تک (جب تک
بیانی نے ساتھ دیا) سلاطین میں مصروف رہتے، کتاب بھی ہاتھ سے نہ چھٹی۔ اکثر لٹ کر رہتے
تھے، اسی میں نیند آ جاتی، کتاب سینہ پر رہتی۔ جس جگہ جاتے وہاں کے کتب خانوں کو دیکھنے
کے لئے بے چین رہتے تھے۔ اٹھتے تو انھوں نے حافظہ بہت اچھا عطا فرمایا تھا۔ جو پڑھتے تھے
وہ سب کچھ کسی گوشے میں محفوظ ہو جاتا تھا۔ تذکروں، انساب، تاریخ و بیال پر وسیع نظر تھی
اور اس خصوصیت میں وہ اپنے ایک نہالی بزرگ مرحوم حکیم سید حسن علی صاحب ضوی ندوی
سے کچھ آگے ہی تھے۔ منشا راہی کو کون کچھ سکتا ہے کہ جب ان کی اس معلومات کا ذخیرہ ایک
ہی رنگ اختیار کر رہا تھا کہ متعدد عظیم انسان علمی تصانیف وجود میں آ سکتی تھیں، وہ ہدایت

سے محروم ہو کر بے بس ہو گئے۔ ادا اپنی معلومات کا سفینہ سینے میں لے اپنے معبود حقیقی کے پاس پہنچ گئے۔ اشد علم کے اس شیدائی کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔
ان کے علمی ذوق کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ میں جب کہیں ملک سے باہر جانا
برابر کتب خانوں کا حال معلوم کرتے رہتے۔ خود ہندوستان میں کہیں جاتے تو مجھے تفصیل سے
نکھتے کہ اس سفر میں کیا کیا کتابیں نظر سے گزریں اس سلسلہ میں ان کے درخطوط کے کچھ حصے
یہاں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ان کے علمی مذاق کا ثبوت اس سے بہتر کہیں نہیں مل سکتا۔ (یہ
طوالی اقتباس معذرت کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے)

۹۔ ارشوال المکرّم ۱۰۰۰ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۶۲ء کو مجھے لندن لکھتے ہیں:
”بہت دنوں کے بعد تمہارا خط جو تم نے غالباً ۲۰ مارچ کو لکھا تھا ۲۳ مارچ کو
میں کو مل گیا۔ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ تمام حالات معلوم ہوئے۔۔۔ کتابوں کے
بارے میں جو لکھا ہے اس کو پڑھا۔ ہر کتب خانہ سے متعلق ضروری یا درداشت
نکھتے رہنا بلکہ اگر معنوں کی شکل ہو جائے تو اچھا ہے۔ بعد کو بہت سی ضروری
باتیں رہ جاتی ہیں۔ جن کتابوں کو تم نے لکھا ہے ان میں سے مندرجہ ذیل کتابیں شائع
ہو چکی ہیں: شرح حوب البحر، یہ دراصل حضرت شاہ ولی اللہ کی لکھی ہوئی ہے اور
حوادث کے نام سے ہے۔ میرے پاس موجود ہے اور شاید تمہارے پاس بھی ہے۔
مطبع احمدی دہلی میں چھپی تھی۔ رسالہ۔۔۔۔۔ سوالات و جوابات یہ دونوں رسالے
بھی حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی کے چند رسائل کے ساتھ شائع ہو گئے تھے بھلت
سے جو کتاب میں بلایا تھا اس میں یہ رسالے مع دیگر رسائل کے ہیں، رسالہ لطائف
اس کی شروع کی عبارت غور سے دیکھنا، یہ بھی حضرت شاہ ولی اللہ کا رسالہ نہ ہو
جن کا نام الطاف القدس ہے جو لطائف پر ہے۔ اس کے یہاں میں انھوں نے
ظاہر فرمایا ہے کہ لطائف کا طرست خیر صوفیہ کو خاص طور پر عطا فرمایا گیا ہے۔
مثنوی خواجہ باقی بائد گچھپ گئی ہے میرے پاس ہے، شرح قصیدہ
شاہ محمدی معلوم نہیں کہ کس کی کتاب ہے، اس کو غور سے پڑھنا۔ غالباً یہ شاہ
رفیع الدین کا رسالہ نہ ہوگا۔

کیات باقی بائد کے متعلق میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کتاب شائع ہوئی یا نہیں؟

حضرت خواجہ عبید اللہ عارفی رحمہ اللہ کے کلمہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے
 اسرار میں لکھے ہیں اور اسی میں اپنے ایک رسالے میں اچھے کلمہ دیا ہے کہ تفصیل سے
 میں نے اس میں لکھے ہیں۔ صاحب اسرار یہ خواجہ خورشید کے مرید باخلاص ہیں۔
 مخطوطات خواجہ خورشید بہت ممکن ہے سید کمال کے قلم سے تفصیل سے لکھے ہوئے
 ہوں جن کو نقل کر لیا گیا ہو یا اسرار میں جو حالات و مخطوطات درج ہیں ان کو نقل
 کر لیا ہو۔ اسرار میں شیخ من گھٹا کہہ کر مخطوط کو شروع کیا ہے، اگر وہاں بھی یہی طرز
 ہے تو اسرار میں کا اقتباس ہے۔ حالات و مخطوطات خواجہ باقی باغداد زبدة المقامات
 میں بہت تفصیل سے ہیں۔ اگر زبدة المقامات سے مقابلہ ہو سکے تو کر لیتا۔ اگر اس
 میں موجود ہوں تو ضرور ان حالات و مخطوطات کا عکس لینا چاہیے۔ مخطوطات
 خواجہ باقی باغداد خواجہ خورشید کے قلم سے ہیں وہ بھی نقل کر لے جائیں یا ان کا عکس
 لے لیا جائے۔ مگر خواجہ خورشید کی عمر حضرت خواجہ باقی باغداد کی وفات کے وقت کوئی
 گیارہ بارہ سال کی ہوگی۔ خواجہ باقی باغداد کے صحیح حالات علاوہ اسرار میں اور نہ مل سکتا
 کے یہاں نہیں ملے۔ وہاں پر تذکرۃ المشائخ مؤلفہ حاجی رفیع الدین مراد آبادی کا
 عیاں رکھنا اور کسی قیمت پر بھی عکس حاصل ہو اس کا عکس لے لینا۔ ایک کتاب
 القول الجلی فی ذکر الاولی حضرت شاہ ولی اللہ کی سوانح عمری ہے، وہ شاہ محمد
 عاشق پہلی تہ لکھی ہے۔ کتب خانہ کاکوری میں اس کا ایک نسخہ ہے۔ اگر وہاں ہو
 تو اس کا عکس بھی لے لینا۔ وہاں بزرگان ہند کے خطوط ان کے قلم کے لکھے ہوئے
 لکھے ہوں گے ان کو ضرور دیکھنا۔ یقیناً یہ ذخیرہ وہیں مل سکے گا۔

امروہ کے ایک شاعر میر تقی میر کے زمانہ میں سعادت امروہوی گذرے
 ہیں۔ سنا تھا کہ ان کا دیوان لندن کے کتب خانہ میں رکھا ہوا ہے۔ — مولا نا
 مسلی میاں آج کل علی گڑھ میں آنکھ کا آپریشن کرانے آئے ہوئے ہیں، دو
 ایک ہفتہ ہسپتال میں رہیں گے۔ میرے پاس خط آیا تھا، نزول المارکی شکایت
 ہو گئی ہے۔ تم خطوط حضرت سید شہید کا اول حصہ اور آخری حصہ اور کم از کم دو
 اسد بن کو خطوط لکھے ہیں ضرور لکھ لینا اور ایک گہری نظر ڈال لینا، اگر ضرورت
 ہوئی تو اس کا عکس بعد کو لے لیا جائے گا۔ اگر مولا نا علی میاں نے اس کے

۴۹

عکس کو نکھا ہو تو اس کا عکس بھی لے لینا.....

حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب کو ان کی کامیابی کا اور مزاج پر مری کا خط
بھیج دیا ہوگا..... میں ایک خط اور رکھوں گا جو تفصیل ہوگا
خود حیدر آباد کا سفر کیا تو ۲۵ رجب المرجب ۱۳۵۹ھ مطابق ۸ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو
لکھا: —

”حیدر آباد کا سفر بخیر و عافیت طے ہوا۔ تین چار دن بارش کی وجہ سے شہر
میں نکلنا نہیں ہوا۔ عجیب پر رونق شہر ہے۔ قلمی کتابوں کے لحاظ سے بھی متاثر ہے
آصفیہ عثمانیہ، سالار جنگ اور سیدہ میں تقریباً ایک لاکھ قلمی کتابیں ہر ہر فن پر
شتمل ہیں۔ باقی پرائیویٹ کتب خانے علیحدہ ہوں گے۔ آصفیہ میں پانچ چھ دن گیا
فقط فن نقون کی فہرست دیکھی اور اس میں کی چند کتابوں کا بغور یا سرسری مطالعہ کیا
حضرت خواجہ غفر کے ملفوظات کا ایک نسخہ یہاں پر ملا۔ اس کا انتخاب نقل کر لیا
جس کا ترجمہ انفرقان میں آئے گا۔ فہرست میں بعض کتابوں کے نام اور بعض مصنفین
کے ناموں کے آگے ان کی وطنی نسبت غلط ہے۔ مثلاً حضرت شاہ محمد مجتبیٰ عرف مجا
قلندر لاہر پوری کے (جو کہ کاکوری خاندان کے تین چار واسطوں کے بعد
پیر طریقت ہیں) مکتوبات یہاں پر ہیں۔ اور حضرت شاہ مجتبیٰ قلندر کے نام کے
بعد لاہوری لکھا ہوا ہے۔ یہ صحیح کون کرے اور کس سے کہا جائے؟ موجودہ نظام
کتب خانہ بھی قیمتمند ہے۔ ایک کتاب کا نام لکھا تھا، ملفوظات مولانا فخر الدین
مولفہ کلیم اللہ بن صبنہ اثر۔ کتاب کو نکھوایا تو یہ فخر الحسن کی شرح تھی۔ ملفوظات
نہیں تھے۔ شرح بہت اچھی ہے۔ معلوم نہیں کہ تم نے اس کا ذکر تاریخ شائع چیت
میں کیا ہے یا نہیں؟“

”ازالۃ القناع عن وجہ السماع“ مولانا نور اللہ بن مقیم الدین بکھر ایونی
مرحوم کی مصنفہ ہے۔ فہرست میں ان کے وطن کا نام ہی نہیں۔ شبہ ہوا کہ یہ بکھر ایونی
وہ ہے تو نہیں ہیں۔ کتاب کو دیکھا تو مولانا بکھر ایونی ہی کی کتاب نکلی۔
حضرت شاہ عبدالرزاق بھٹیا نوی کی سوانح حیات خیر البیان کا ایک
نسخہ یہاں ہے۔ اس کی مجھے تلاش تھی۔ صرف خلفاء کی فہرست نقل کر لی ہے

تو سے زیادہ ظاہر ہیں۔ ان میں بہت سے مشاہیر بھی ہیں۔ ایک اور وہ کے
میران سید حامد ہیں۔ مصنف المعروف مولفہ حضرت شاہ عبدالرزاق بھنگی
کا بھی ایک نسخہ یہاں ہے۔ میں اس کتاب کو بھنگانہ میں دیکھ چکا ہوں۔

حشانیہ میں مکتوبات شاہ ابوالرضا شاہ عبدالرحیم و شاہ ولی اللہ
کایمانی نسخہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے اس میں سے پندرہ بین مکتوب دیے
نکل سکتے ہیں جو میرے اس مجموعے میں بھی شامل ہو سکتے ہیں اور معلومات افزا ہیں
اس پورے نسخے کی نقل آنی چاہیے۔۔۔ سیدیہ میں بھی چند نسخے رہا۔ ڈاکٹر یوسف
الدین صاحب غامص خاص کتابیں دکھائیں۔ مثلاً ابن مسکوکہ کے ہاتھ کی نسخی
ہوئی تاریخ دمشق۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک بات عجیب بھی جو یاد رہے گی۔ کہ
چاند پورے مٹا لانا آسان ہے مگر یہ کتابیں اگر خدا نخواستہ ضائع ہو جائیں تو پھر
مٹی شکل ہیں۔۔۔۔۔۔

دائرة المعارف کو دیکھنے گئے۔ وہاں ڈاکٹر عبدالعزیز المعید غامص ناظم دائرة المعارف
سے ملاقات ہوئی۔ نور الاسلام صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے میرا تعارف
کراتے ہوئے کہا کہ یہ پروفیسر غلیق احمد نظامی کے ماموں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب
نے پھر تو بہت خاطر تواضع فرمائی۔

..... (مکتوبات شاہ ولی اللہ کے متعلق آئندہ مکھوں گا)۔

یہ سب تفصیلات اس وقت لکھی تھیں جب اس سے پہلے حیدر آباد میں سے ایک خط
میں لکھ چکے تھے کہ ”وقت نہیں ہے اور نظر بھی کام نہیں دیتی“

رام پور جاتے ہیں تو وہاں بھی کتب خانوں میں گم ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں،
”وہاں قاضی شہر کا کتب خانہ دیکھنے میں دن کچھ زیادہ لگ گئے۔ پھر بھی
تمام کتب خانہ نہ دیکھ سکا۔ ابھی پندرہ دن اور رہتا تب پورے کتب خانے کی سیر
ہوتی۔ محفوظات حضرت شاہ پیر شکاری میرٹھی کے کچھ اجزا ہیں جو ایک ملانی
مرید نے مرتب کئے ہیں۔ یہ کتاب کھارانی نظر سے بھی گزری ہے۔ میاں اکرم،
صاحب اقتباس الانوار کی ایک کتاب مناجات الہیہ اس کی ہے اور ایک رسالہ حال
شیخ تاج الدین سنہلی ہیں، ان کے داماد سید محمود امروہوی (ساکن محلہ انشہا

امروہہ کا کلام - اس کی بہت تلاش مٹی میں نے شیخ تاج الدین سنبل پر جو مقالہ لکھا

ہے اس وقت یہ رسالہ مل جاتا تو کچھ اور زیادہ معلومات مل جاتیں میں

حضرت شاہ پیر میر علی چمر ایک مقالہ لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں ۔

کتابوں ہی کے سلسلہ میں ایک واقعہ یاد آگیا ۔ میرے پردادا مرحوم کا نہایت اعلیٰ علمی کتب خانہ تھا ۔ اس کی بیشتر کتابیں تلف ہو گئیں ان کے بعد جو کچھ دیکھنے کے لئے ملتا تھا پھر واپس کرنے کا نام نہ لیتا تھا ۔ ۱۹۷۷ء کے بعد جب بہت سے لوگ پاکستان جانے لگے تو انھوں نے بعض کتابیں مجھے واپس کر دیں ۔ مولوی محمود احمد بھائی مرحوم نے بھی اخبار الاخیار کا ایک قدیم علمی نسخہ جو کبھی دادا صاحب مرحوم سے مستعار لیا تھا ، ماموں صاحب کو دیا کہ مجھے پہنچا دیں ۔ ماموں صاحب نے مجھے واپس کیا تو فرمایا ” عجیب بات ہے کہ دادا ارشاد علی صاحب کی بعض اہم کتابیں تمھارے پاس ایسی ایسی جگہ سے واپس آ رہی ہیں کہ ان کی بازیافت کی کوئی امید نہ تھی ۔ شاید اللہ تعالیٰ کو تم سے کوئی کام لینا مقصود ہے “ میں کبھی اس جملے کے متعلق سوچتا ہوں تو عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے ۔

ماموں صاحب نے خود کتابوں کا اچھا ذخیرہ جمع کر لیا تھا ۔ لیکن انھوں نے کبھی کتابوں کو ترتیب سے نہیں رکھا ۔ تخت پر ، پلنگ پر ، الماری میں ، کرسیوں پر ۔ ہر جگہ ڈھیر لگا دیتے تھے اس میں اکثر چوریاں بھی ہوتی تھیں ، جس کا پتہ ان کو بہت بعد میں چلتا تھا ۔ ایک بار امروہہ قیام کے زمانہ میں میں نے چاہا کہ ان کی کتابیں مرتب کر دوں لیکن وہ آمادہ نہ ہوئے بلکہ جب میں نے کہا کہ اس طرح تو یہ ذخیرہ بالکل بیکار ہے ، تو ان کو ناگواری ہوئی ۔ اس کے بعد میں نے کبھی اس موضوع پر گفتگو نہیں کی وہ کتابیں اپنے اندازے سے رکھتے تھے اور اگر کوئی ذرا عجیب ترتیب کر دے تو گھنٹوں تلاش کرتے تھے اور ناراض ہوتے تھے آخری زمانہ میں ان کی بیشتر کتابیں مسجد کے حجرہ میں اور کچھ گھر کی الماریوں میں تھیں ۔ کیا اچھا ہوتا کہ یہ کتب خانہ ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں منتقل ہو جاتا ۔ اس طرح افادیت بھی بڑھ جاتی اور تحفظ بھی ہو جاتا ۔

ماموں صاحب نے اپنے روحانی مشاغل کی جھلک کبھی کسی کو نہیں دیکھنے دی ۔ برج کا خیال کیا تو ایک دم اس طرح چل دیئے جیسے شیخ عبدالحق محدث دہلوی شریعت کے عالم میں

روانہ ہو گئے تھے۔ مولانا مدنیؒ سے اداوت بھی تھی اور گہری محبت بھی۔ جب حضرت مدنیؒ امر وہہ تشریف لاتے تو ان کو ہمارے ہی مکان میں ٹھہراتے تھے۔ ایک مخصوص کمرہ تھا جو ان کو پسند تھا اور وہیں ٹھہرتے تھے۔ ماموں صاحب نے آخری بیماری میں اپنا پلنگ اس کمرہ کے تختہ دالان میں اس طرح بچھوایا تھا کہ جہاں مولانا مدنیؒ نے آرام فرمایا تھا وہ جگہ منہ کے سامنے ہے۔ اپنی کیفیات کا اظہار بھی نہ کرتے تھے اور اس پر بند لگائے رکھتے تھے۔ لیکن مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ میں یہ جام چھلک گیا ہے اور پکاراٹھے ہیں :

”میں ہر چند نااہل ترجمان ہوں لیکن اس پر نازاں ہوں کہ ترجمہ کے اوقات میں صاحب بکھتو پلاس سے ایک گونہ ربط قائم کر کے کچھ نہ کچھ اخذ فیوض و برکات کرتا رہا، اگرچہ تپسی دست اور کوتاہ محفل ہوئی لیکن ایک شیخ کامل کی رعایت کے دسترخوان سے زلہ ربانی پر شکر خدا ادا کرتا ہوں“ (ص ۴۴)

لیکن یہاں بھی بات کھل کر نہیں کہی ہے۔

حضرت مجدد صاحبؒ اور ان کے سلسلہ کے دیگر مشائخ سے ان کو گہرا رومانی اور قلبی تعلق تھا، اسی محبت اور تعلق کے گرد انھوں نے خاموشی سے اپنی رومانی زندگی کو سمجھایا۔

داغ فراق صحبت شب کی جل ہوئی
اک شیخ رہ گئی تھی سودہ بھی غموش ہے

حالات و سوانح

خاندان

مولانا نسیم احمد صاحب، حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی اولاد میں تھے۔ اور امر وہہ کے مشہور فریدی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بابا صاحبؒ کے فرزند شیخ نظام الدین رستمپوریؒ کے اخلاف امر وہہ آگئے تھے۔ ان کے پوتے شیخ سالار کو سلطان فیروز شاہ تغلق نے نواح امر وہہ میں جاگیر دی تھی۔ یہاں ایک پورے محلہ میں یہ خاندان آباد تھا۔ اس محلہ کا نام محلہ شیخ زادگان تھا، اور اب محلہ مجنڈا شہید کے نام سے مشہور ہے۔

شیخ سالارؒ کے پوتے خواجہ بہار الدینؒ کا حرار رجب پور میں ہے۔ اس قدیمی تعلق کی

بنا پر بابا صاحب اور قطب صاحب کے بہت سے تبرکات امر وہ میں ہمارے خاندان میں محفوظ ہیں، جن کی تفصیل مولانا نسیم احمد فریدی نے ایک معنون مطبوعہ ماہنامہ منامی ناطی (۵۳ جلد ۱۹۷۸ء ص ۷-۵) میں دی ہے اور لکھا ہے :

”ان تبرکات کے مستند ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ گزشتہ ۷-۶، سو سال سے ایک ہی خاندان میں محفوظ رکھے رہنے کے باوجود کبھی انہیں عام شہرت دی گئی ہے اور نہ ان کے ذریعے سے کوئی منفعت حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے بلکہ حضرت بابا صاحب کی اولاد نے ان سب تبرکات کو ایک نہایت عزیز، قیمتی اور مقدس سرمایہ سمجھ کر محفوظ رکھا ہے“

علم اور دین سے تعلق اس خاندان کا امتیازی وصف تھا۔ مولانا فریدی کے دادا، مولوی بشیر احمد صاحب مرحوم اور ان کے برادر بزرگ منشی ارشاد علی صاحب مرحوم سے انگریزی ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا۔ بشیر احمد صاحب کی عمر ۲ سال تھی جب ان کے والد کا انتقال ہوا۔ ان کی ساری تعلیم و تربیت منشی ارشاد علی مرحوم نے کی اور ان کی دینی اور اخلاقی تربیت کے لئے دو کتابیں بشیر النصائح اور بشیر اللہ راہ کھیں، جو اپنی افادیت کی بنا پر ایک زمانہ میں نصاب میں شامل کر لی گئی تھیں۔ گو مولوی بشیر احمد صاحب نے سرکاری ملازمت اختیار کر لی تھی لیکن ان کی زندگی میں دینی جذبات کی ہیشہ کار فرمائی رہی۔ ”تاریخ امر وہ“ میں لکھا ہے :

”بشیر احمد صاحب صوبہ پنجاب کے محکمہ نہریں ڈپٹی مجسٹریٹ رہے۔۔۔ ابتداً ضلع میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ پابند مذہب و تابع شریعت تھے، حکام بالادست سے عرض کیا کہ مقدمات میں سود کی ڈگری دینا پڑتی ہے جو اپنے مقتضات مذہبی کی رو سے جائز نہیں سمجھتا۔ میرا تبادلہ محکمہ انہار میں کر دیا جائے۔ حکام نے سمجھایا کہ اس محکمہ میں چار سو روپے ماہوار سے زیادہ تنقید ہوسکے گی اور موجودہ صورت میں نو سو روپہ ماہوار تک مشاہرہ پانے کی توقع ہے۔ مگر انھوں نے کم تنخواہ پر قانع رہنا منظور کیا۔ مگر سود کی ڈگری دینی قبول نہ کی“

(جلد چہارم، حقیقی الانساب ص ۷۸۸)

مولانا نسیم احمد صاحب کے والد کا انتقال ۱۹۱۵ء میں ہوا تھا۔ اس سے ایک سال

قبل ان کے والد مولوی حسین احمد صاحب کا انتقال ہو گیا تھا۔ دادا پہلے ہی سے جائداد کا حصہ نامہ کر چکے تھے، اس طرح مولوی حسین احمد صاحب کی اولاد جائداد سے تو محروم نہ ہوئی لیکن زمینداری کے مسائل نے ان کے ایک بیٹے تسلیم احمد صاحب مرحوم (مولانا نسیم احمد صاحب کے نبھید بھائی) کو اس طرح الجھایا کہ بالآخر ان کے دماغ پر اثر ہو گیا۔ مولانا نسیم احمد صاحب کا مزاج ہی نہ تھا کہ وہ زمینداری کے مسائل کو دیکھ سکیں۔ ادھر خاتمہ زمینداری اور پھر تقسیم ہند نے دشواریوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ مولوی حسین احمد صاحب مرحوم کو زمینداری کا بڑا املکہ تھا۔ دیہات میں باغات لگائے تھے، اور مسلمان کاشتکاروں کی نئی آبادیاں بسائی تھیں۔ جاٹ کاشتکاروں سے ایسے عمدہ تعلقات تھے کہ وہ ان پر جان نثار کرتے تھے۔ جب دیہات جاتے، کاشتکاروں کے بچوں کے لئے مٹھائی کی ڈاکریاں ساتھ ہوتیں۔

باغات خاتمہ زمینداری سے بچ گئے تھے، لیکن چونکہ دیہات کے اندر واقع تھے ان پر قبضہ رکھنا دشوار تھا۔ ایک مرتبہ مولانا نسیم احمد صاحب کو باغدار بھیجا گیا کہ کم از کم باغات کو دیکھ کر ان کے تحفظ اور نگرانی کا تو انتظام کر لیں۔ کہنے سننے سے گئے، لیکن وہاں کھانکے جو نئی فضا میں پرانے احسانات کو بھول چکے تھے باغات پر قبضہ کرنے کی سوچ رہے تھے انہوں نے کہا: ”مولوی جی! اب ان کا خیال تو چھوڑ دو۔ اس کے بعد انہوں نے باغات کی طرف (جو آمدنی کا بہت اچھا ذریعہ ہو سکتے تھے) کبھی مڑا کر بھی نہیں دیکھا۔ اس طرح زمینداری سے تعلق کا خاتمہ ہوا۔ اور گوفانڈان کے بہت سے افراد گورنمنٹ کی اعلیٰ ملازمتوں پر پہنچے لیکن غانڈان کی علم اور فقر کی روایت کا تحفظ اللہ تعالیٰ نے مولانا نسیم احمد فریدی کے سپرد کیا کہ بقول اقبال ہے

اس فقر سے آدمی میں پیدا
اشد کی شان بے نیازی

پیدائش
مولانا فریدی ستمبر ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے۔ ۴۴ سال کے بھی نہ تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

”ان کی دھنلی سی تصویر یہیں مصافحہ پر اب تک موجود ہے۔“

ان کی ماں رحیمہ خاتون مرحومہ نے جو حکیم علی احمد صاحب مرحوم (امروہہ کے مشہور

طیب کی بہن اور حکیم احمد حسن مرحوم کی بیٹی تھیں، ان کی پرورش بڑی محنت سے کی۔ دوحہ بھائی انگریزی تعلیم کی طرف مائل تھے، ان کے لئے وہ انتظام کیا، لیکن مولانا فریدی کی رغبت ابتدائی سے علوم دینیہ کی طرف تھی، چنانچہ ان کے لئے اس کی سہولتیں فراہم کیں۔

محلہ جھنڈا شہید پر ایک پیر زادہ اسکول قائم تھا، جس میں ایک ماہر فن معلم، منشی نسیم احمد مرحوم، تعلیم دیتے تھے۔ خاندان کی کئی سُنوں کو (جن میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی غلامی اور فاکسار راکسم المعروف بھی شامل ہے) انھوں نے ابتدائی درجوں کی تعلیم دی تھی۔ ان سے کچھ عرصے تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولانا فریدی مڈل اسکول میں داخل ہوئے اور تین سال بعد مڈل پاس کر کے اگلے سال انگریزی مڈل کا امتحان دیا۔ پھر منشی، کامل، مولوی اور اعلیٰ قابلیت کے امتحان پاس کئے۔

منشی اور منشی کامل کی تیاری مدرسہ نور المدارس امروہہ میں کی۔ فارسی میں خاص طور پر منشی عبدالرب غنیکت مرحوم سے استفادہ کیا۔ وہ فارسی کے مشہور صاحب کمال استاد تھے انھوں نے فارسی زبان و ادب کا صحیح مذاق پیدا کیا۔

مدرسہ دارالعلوم حینیہ عربیہ میں مدرسہ
 مولانا فریدی نے ایک سال مدرسہ دارالعلوم حینیہ عربیہ محلہ چلہ امروہہ میں فارسی پڑھائی پھر عربی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔

مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد
 عربی تعلیم کی ابتدا مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں ہوئی۔ یہ مدرسہ حضرت مولانا احمد حسن صاحبؒ سے نسبت کی بنا پر ہمیشہ علوم دینیہ کا مرکز رہا ہے اور ہندوستان کے بعض مشہور علماء و علماء کے درس و تدریس سے مستفیع رہے ہیں۔ مولانا فریدی نے مولانا سید رضا حسن مرحوم (داماد و بزراد زادہ مولانا احمد حسن محدث) مولانا انوار الحق عباسی مرحوم وغیرہما سے حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر علوم متداولہ حاصل کئے۔ مولانا فاطمہ عبدالرحمن صاحب صدیقی مفسر امر دہوکی سے قدوری پڑھی۔ امروہہ میں بیٹا دی اور ترمذی شریف تک پڑھ کر دیوبند چلے گئے۔

دارالعلوم دیوبند میں
 دارالعلوم دیوبند میں مولانا فریدی نے دوسرے حدیث پڑھا

میں ان کے ساتھ مولانا حسین احمد مدنیؒ مولانا اعجاز علیؒ میاں سید صفر حسینؒ مفتی محمد رحیمؒ بھاگپوریؒ مفتی ریاض الدین افضلؒ گڑھی اور مفتی محمد شفیعؒ تھے۔ جو ہر کی تعلیم مولانا قاری حفظ الرحمنؒ پر تاجگذاری سے حاصل کی۔ وہ قاری عبدالرحمنؒ کی شاگرد تھے۔ دیوبند کی فضائیں مولانا فریدیؒ کے دینی مزاج کو تقویت مل رہی تھیں اور اس کا رنگ پختہ ہو گیا۔ انہوں نے مولانا مدنیؒ کے درس حدیث کا نقشہ بڑے کیف و سرور کے عالم میں ایک مضمون پیش کیا ہے۔ یہ دیوبند کی زندگی کے یہ شب و روز ہیں ان کے ذہن و دل پر چھائے رہے۔

مولانا تھانویؒ کی خدمت میں حاضری

دیوبند قیام کے زمانہ میں ایک بار مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا۔ وہ طالب علم اور ساتھ تھے۔ مولانا تھانویؒ کے مزاج اور قواعد کے متعلق وہ سن چکے تھے۔ جب خدمت میں حاضر ہوئے، مولانا نے پوچھا کون ہو؟۔ مولانا فریدیؒ نے نہایت مودبانہ جواب دیا، ہم دیوبند کے طالب علم ہیں۔ آپ سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔ دو دن قیام کا ارادہ ہے۔ یہ مکمل جواب سن کر مولانا تھانویؒ بہت خوش ہوئے اور فرمایا طالب علموں کا یہی انداز ہونا چاہیئے پھر دو دن مسلسل اپنی عنایات سے نوازتے رہے گفتگو کی تفصیل ذہن میں نہیں رہی۔

مولانا احمد علی مفسر لاہوریؒ کے حلقہ درس قرآن میں

۱۹۳۶ء میں حضرت مولانا احمد علی مفسر لاہوریؒ کے حلقہ درس میں شرکت کے لئے لاہور پہنچے اور تین مہینے تک شریک درس رہے۔ رخصت کرتے وقت انہوں نے سند بھی عطا کی تھی۔

۱۔ روزنامہ النبیۃ کا شیخ الاسلام نمبر۔ تذکرہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ مجتہد مدنیہؒ گوچرانوالہ ۱۹۸۲ء ص ۱۴۲ - ۱۴۰۔

۲۔ مولانا احمد علی مفسرؒ کا انتقال ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء کو ہوا۔ ان کی تدفین سرگرمیوں کے لئے، دستان خانوالہ مولانا احمد علی لاہوریؒ، از مجید محمد انور لاہور ۱۹۷۹ء

علامہ اقبال کی خدمت میں حاضری

لاہور قیام کے زمانہ میں علامہ اقبال کی خدمت میں حاضری کا موقع بھی ملا۔ تقریباً ایک گھنٹے جاوید منزل میں ان سے گفتگو رہی۔ اس گفتگو کی تفصیل اب ذہن میں محفوظ نہیں۔ لیکن یہ یاد ہے کہ وہ علامہ اقبال کی دینی بصیرت اور دینی جذبہ کا ذکر ہمیشہ بڑی عقیدت سے کرتے تھے۔ اور ان سے ملاقات کا گہرا اثر ان کے دل اور دماغ پر ہوا تھا۔

دیوبند واپسی

لاہور سے پھر دیوبند واپس آئے، اور ادب کی کتابیں یعنی مثنوی جات، سب سے ملحقہ اور اس کے ساتھ ساتھ منقاع العروض وغیرہ پڑھیں۔ اگلے سال معقولات کی کتابیں پڑھنے کا ارادہ تھا، لیکن درمیان سال میں مولانا محمد منظور نعمانی صاحب نے بریلی کے مدرسہ اشفاقیہ میں ان کا تعلق صدر مدرس کی حیثیت سے کرادیا اور وہ بریلی چلے آئے

بریلی میں قیام

مولانا فریدی کی دینی فکر کو جب ملا اگر دیوبند میں ملی تو بریلی کے قیام سے ان کی تصنیف و تالیف کی زندگی کا باضابطہ آغاز ہوا۔ اس میں مولانا نعمانی کی صحبت کو بہت بڑا دخل تھا۔ ”الفرقان“ کے مجدد الف ثانیؒ نمبر میں لکھتے ہیں :

”ادارۃ الفرقان نے جس وقت مجدد الف ثانیؒ نمبر نکالنے کی تجویز دی اور

جب یہ ارادہ عزم کے درجہ میں آیا، اس وقت حن اتفاق سے میں بریلی آچکا تھا

اور اس نمبر کی تیاری تک یہ اقامت دفتر ”الفرقان“ ہی میں رہا۔ مدیر الفرقانؒ

نے مجھ کو بھی اس بزم مسجد میں شرکت کی دعوت دی“ (ص ۷۱۷)

یوں تو متفرق عنوانات پر وہ مضامین مختلف رسائل میں لکھتے رہے تھے لیکن الفرقان

کے مجدد الف ثانیؒ نمبر میں ان کا مضمون ”تذکرہ خلفائے مجدد الف ثانیؒ“ (ص ۲۴۴-۲۱۷)

قدرت کی طرف سے اس بات کا اعلان تھا کہ اب اس کا مصنف اپنی ساری ذہنی اور قلبی

صلاحیتوں کو حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے سلسلہ کے بزرگوں کے حالات و تعلیمات

کی تحقیق و تدوین میں صرف کرے گا !

بریلی کچھ عرصہ قیام کے بعد وہ اپنے وطن امر وہ واپس آگئے۔ اور یہاں مدرسہ جامع مسجد

سے منسلک ہو گئے۔

مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں مولانا فریدیؒ نے جامع مسجد امروہہ میں درس تدریس

میں کافی شہرت حاصل کی۔ یہاں مشاہیر و سید معمولی بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ لیکن کبھی اخصاً تنخواہ کی خواہش نہ کی۔ بلکہ ایک بار منتظمین نے کچھ اضافہ کرنا چاہا تو مدرسہ کی مالی حالت کے پیش نظر انکار کر دیا۔ اور کہا کہ اس سے زیادہ کی مجھے ضرورت نہیں۔ حالانکہ ان کی مالی دشواریاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ جب حافظ عبدالرحمن صاحب صدیقی کے صاحبزادے مولانا عبدالقدوس صاحب مرحوم کا انتقال ہو گیا تو شیخ الحدیث، مولانا فریدیؒ بھی کو مقرر کیا گیا۔ اور جب تک بینائی نے ساتھ نہیں چھوڑا۔ مدرسہ سے ان کا تعلق برقرار رہا، ایک زمانہ میں خیال آیا تھا کہ مدرسہ سے تعلق منقطع کر کے اپنا سارا وقت تصنیف و تالیف میں صرف کر دیں۔ ۱۸ شوال ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۰ جون ۱۹۵۵ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:

”میں دو سال سے مدرسہ سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ لیکن شوال آتا ہے تو مدرسہ کے لئے انہی ضرورت محسوس کرتا ہوں اور اپنی خدمات سپرد کرتا ہوں۔ امروہہ کے قیام کی صورت میں اس کے علاوہ بظاہر کوئی چارہ کار بھی نہیں کہ میں مدرسہ سے اپنے تعلقات وابستہ رکھوں۔ اگرچہ اس میں کافی وقت صرف ہوتا ہے۔“

دادا مرحوم سے استفادہ میسر دادا مولوی فرید احمد صاحب نظامیؒ نے

عالم تھے، علوم مشرقی و مغربی پر کیسیاں عبور حاصل تھا، مولانا احمد حسن محدث امروہویؒ ان کو ”بھائی“ کہتے تھے، اور ان کی عالمانہ بصیرت کے قائل تھے فطرتاً کم آمیز تھے، سارا وقت مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔ ناموں صاحب جب بھی میرٹھ آتے گھنٹوں ان کی صحبت میں وقت گزارتے مختلف موضوعات پر ان کی رائے معلوم کرتے، کتابوں کے

لے عربی دینی مدارس کا تعلیمی سال شوال سے شروع ہو کر شعبان پر ختم ہوتا ہے۔

ڈھیر گنگو کے دوران لگ جلتے، ان ملاقاتوں نے علم کو ایک خاندانی روایت سمجھ کر حاصل کرنے کا جذبہ ان میں پیدا کر دیا تھا۔ وہ خاندانی بزرگوں کے حالات بھی گہری دل چسپی کے ساتھ دریافت کرتے تھے، دادا صاحب کا انتقال سنہ ۱۹۲۲ء میں میرٹھ میں ہوا، اس کے بعد جب بھی میرٹھ آتے، دادا مرحوم کے ذخیرہ کتب سے کتابیں مجھ سے نکلو اگر کئی کئی دن تک مسلسل دیکھتے رہتے، میرٹھ میں اور کوئی خاص کتب خانہ نہ ہونے کے باعث وہ بیشتر وقت گھر پر ہی ان کتابوں کے مطالعہ میں گزارتے تھے، مولانا اعجاز علی صاحب کے ایک قریبی عزیز بہائے پڑوس میں رہتے تھے، مولانا اکثر وہاں تشریف لاتے تھے اور دوران قیام ہمارے غریب خانہ پر بھی قدم رنجہ فرماتے تھے بعض اوقات ماموں صاحب بھی وہاں مقیم ہوتے تو طویل صحبتیں رہتیں اور بڑی دلچسپ گفتگو ہوتی۔ میرٹھ قیام کے زمانہ میں جناب محرم مولانا قاضی زین العابدین سجاد صاحب زادہ مرحوم سے بھی اکثر ملاقاتیں رہتی تھیں۔ اور ان کے رسالہ محرم کے لئے مضمون بھی لکھتے تھے

تبلیغی جماعت سے تعلق یہ بتانا میرے لیے مشکل ہے کہ تبلیغی جماعت سے ان کا

تعلق کب قائم ہوا۔ لیکن زندگی کے آخری لمحہ تک باقی رہا۔ اس میں حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سے ارادت کو بھی دخل تھا۔ اس سلسلہ میں اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کر دوں تو شاید نامناسب نہ ہو۔ مجھے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے غما عقیقت تھی۔ اودھنے ابتدائی زمانہ میں میرٹھ سے جب دہلی جاتا ان کی خدمت میں سے ضرور عاضری دیتا تھا۔ ان کی سادگی، خلوص اور جذبہ یتیموں نے مل کر ان کی شخصیت میں عجیب دلکشی پیدا کر دی تھی، ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا: میاں کچھ دین کا کام کیجئے جو عرض کیا: حضرت دعا فرمائیے۔ فرمایا: میاں! نیت تو آپ نہ کریں اور پھر کہیں کہ میری دعائیں تاثیر نہیں یہ گفتگو نہ معلوم کتنی بار ماموں صاحب نے نقل کی کہ میری زبان سے سنی۔ جب تبلیغی جماعت کا ذکر آجاتا، تو مجھ سے فرماتے۔ اور ہاں! تم سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے کیا فرمایا تھا؟ معلوم نہیں اس طرح خود مجھے اس کام پر مانگی کرنا مقصود تھا۔ یا اس جگہ میں ان کو ایک دل کشی محسوس ہوتی تھی جس سے وہ لطف اندوز ہوتے تھے مجھے کچھ ایسا خیال ہوتا ہے (مکن ہے کہ غلط ہو) کہ ان کا تعلق تبلیغی جماعت سے

حضرت مولانا محمد لیا س کے زمانے سے نہیں بلکہ حضرت مولانا محمد یوسف م کے زمانے سے قائم ہوا تھا، اور ان سے بے پناہ تعلق اور عقیدت پیدا ہو گئی تھی۔ ”افرقان“ کے مولانا محمد یوسف نمبر میں انھوں نے اپنا مضمون اس مصرعے سے شروع کیا تھا۔ جس میں ان کے جذبات کی ایک دنیا سمٹ آئی ہے۔

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی مگر نظروں میں رہا ہے

لکھتے ہیں۔

”مجھے اکیس سال سے حضرت مولانا مرحوم سے ایک گونہ تعلق اور ربط تھا وہ اپنے اخلاق عالیہ کے تقاضے سے احقر کا بڑا اکرام فرماتے تھے جس سے بعض اوقات اپنی بے عملی اور کم چستی کے پیش نظر مجھے شرمندگی محسوس ہوتی تھی۔“

(ص ۴۲)

حضرت مولانا محمد یوسفؒ سے اپنے تعلقات کی تفصیل انھوں نے بڑی کیفیت کے ساتھ بیان کی ہے، امر وہ اور انواع امر وہ س کے دیہات میں ان کی تبلیغی سرگرمیوں کی طرف گذشتہ صفحات میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ کسی موقع پر اس کی تفصیل بیان کی جانی تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ انھوں نے کیسی خاموشی سے تحریک کو آگے بڑھانے میں حصہ لیا تھا اور خود و نمائش سے گریزاں رہے تھے۔

بچوں کی دینی تعلیم پر زور

ماموں صاحبؒ اپنے جامعی دوروں اور روزمرہ کی مجلسوں میں بچوں کی دینی تعلیم پر بہت زور دیتے تھے، ان کا خیال تھا کہ اگر اس طرف سے بے توجہی برتی گئی تو مسلمانوں کی دینی زندگی کا تار و پود بکھر جائیگا، فرماتے تھے کہ

”افرقان“ کے مضمون میں لکھتے ہیں، حضرت مولانا محمد لیا س نور اللہ مرتدہ کو میں نے جہاں ملایا وہاں ہے۔ صرف دو مرتبہ دیکھا ہے، ایک مرتبہ دہلی میں... دوسری مرتبہ ان کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے بہاولپور میں حضرت مولانا نعمانی مدظلہ دہلی جا کر غرضیکہ میں اپنی محرومی کی بنا پر..... ان کی زندگی میں کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا۔

(اشاعت خاص بیادگار مولانا محمد یوسفؒ ستمبر ۱۹۶۵ء ص ۴۷)

بچوں کو دنیاوی تعلیم کے دھندوں میں اس طرح الجھا دیا گیا ہے کہ ان کو قرآن پاک
 تک کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے وقت نہیں رہا۔ ان کو اس بات کی بڑی خوشی تھی
 کہ میرے بچے بفضلہ تعالیٰ دینی تعلیم سے محروم نہیں۔ بلکہ ادائیگی فرائض کا بھی اہتمام
 کرتے ہیں۔ میرا بڑا لڑکا احتشام سلمہ دجواب یونیورسٹی میں پروفیسر انجینئرنگ ہے جب
 تعلیم کے لئے امریکہ گیا تو وہ اس کے فکر مند تھے کہ ہمیں نماز روزہ سے بے لوجبی نہ ہونے
 گئے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ وہ نماز روزہ پابندی سے وہاں کرتا ہے تو بہت خوش
 ہوئے اور دعائیں دیں۔ قیام امریکہ کے زمانہ میں اس کو معلوم ہوا کہ حضرت علی میاں
 صاحب آنکھوں کے علاج کے لئے آئے ہوئے ہیں، اس نے ہسپتال جا کر مولانا سے
 ملاقات کی اور مزاج پرسی، اور یہ سب تفصیل ماموں صاحب کو لکھ کر بھیجی، وہ خود
 مولانا کی خیریت معلوم کرنے کے لئے بے چین تھے، خطا پا کر بہت خوش ہوئے، اور
 کہا کہ اگر دینی تعلیم صحیح ہو جائے تو اخلاق خود بخود درست ہو جاتے ہیں۔ ماموں
 صاحب میری لڑکی غدا را سلمہا (دجواب یونیورسٹی میں ریڈر ہے) کو دینی رسائل بڑا
 بیعتے رہتے تھے، اور جب علی گڑھ تشریف لاتے تو اس طرح کے سوال کرتے، جس کو
 اندازہ ہو سکے کہ اس نے وہ رسائل غور سے پڑھے ہیں یا نہیں۔ میرا سب سے چھوٹا
 لڑکا فرحان سلمہ ڈاکسفورڈ یونیورسٹی میں اسلامک سٹڈیز کا ڈاکٹر کٹر ہے، اس کے وہاں کام
 اور تقرر کے متعلق ماموں صاحب نے مدوہ میں سنا کہ مولانا علی میاں صاحب زاد مجھ
 کی نگرانی اور سرپرستی میں وہ مرکز کام کر رہا ہے تو بہت خوش ہوئے، اور تحقیق کی کہ
 نماز روزہ اور تلاوت کلام پاک کی پابندی کا کیا حال ہے جب معلوم ہوا کہ اس کی
 پابندی کرتا ہے تو بہت خوش ہوئے۔ فرحان سلمہ کو سحری کے وقت اٹھنے
 میں نیند کے غلبہ کی وجہ سے بڑی دقت ہوتی تھی، اس نے بتایا کہ اس کا انتظام
 یہ کیا ہے کہ لندن سے ڈاکٹر خالد حسن قادری (فرزند مولانا حامد حسن قادری) اس کو
 صبح وقت پر پہلی فون کرتے ہیں، اور جب تک وہ پوری طرح بیدار نہ ہو جائے۔
 ٹیلیفون نہیں رکھتے۔ تو بہت دعائیں دیں اور کہا کہ باہر ملکوں میں جانے والے بچوں
 کے متعلق سب سے بڑا خطرہ یہی رہتا ہے کہ کہیں دین سے دور نہ ہو جائیں، مجھ سے
 ایک بار فرمایا کہ اٹھنے اس معاملہ میں تمہیں خوش قسمت بتایا ہے کہ ماشاء اللہ اولاد دیندار۔

حج کو روانگی حج کو روانگی بڑی کیفیت اور سرشاری کے عالم میں پچانک ہو گئی تھی۔ وہاں کی کیفیات کو بیان کرنے سے گریز کرتے تھے۔ وہاں جو لکڑی ہانڈیاں رہی اور جو جوتے پہنے تھے، ان کو بڑی احتیاط سے رکھا تھا۔ کسی نے لکڑی کو بڑا احتیاطی سے توڑ دیا تو کوئی دن اس کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے اپنا سفر نامہ تو ہمیں دکھایا لیکن حج کو روانگی کے وقت مولانا رفیع الدین مراد آبادی کا سفر نامہ بڑی محنت سے ترجمہ کر کے شائع کیا۔

امروہہ میں حافظ محمد عبدالرؤف صاحب رؤف امر وہو عشق رسولؐ میں اپنی سرشاری میں مشغول تھے۔ فقیر کلام بڑا پرسوز اور بہ تاثیر ہوتا تھا۔ مولانا فریدی کے اصرار پر انہوں نے اپنی سوانح حیات، جس میں سفر حج کی رویداد بھی شامل ہے شائع کی (اپنی زبان سے مولانا فریدی ۸۰) وہ دوسروں سے الگ کی رویداد حج بڑی دلچسپی اور انہماک سے سنتے تھے، لیکن انہوں نے اپنی داستان کبھی نہیں سنائی۔ میں ظاہری تفصیلات تک گفتگو کو محدود رکھتے تھے۔ جب میں نے حج کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے دو مثنوی میرے پاس مولانا نعمانی کی کتاب ”آپ حج کیسے کریں؟“ اس ہدایت کے ساتھ بھیجی کہ اس کا بہت غور سے مطالعہ روانگی سے قبل کر لینا۔

فتوؤں کا کام ان کے دورِ علم اور تعب دینی کے باعث لوگ بڑی تعداد میں ان سے فتوؤں کے لیے رجوع کرتے تھے، اور ان کے فیصلوں کا بڑا احترام کرتے تھے۔ روزانہ اخبار ”آزاد ہنس“ ملک میں لکھا ہے:

”امروہہ کے تمام مسلمان دین اور دنیوی معاملات میں ان کو آخری حج مانتے تھے اور ان ہی کی تحریک پر لاکھوں روپے کے خرچ سے جامع مسجد اور اس سے ملحقہ عملدوں کی تجدید و توسیع ہوئی“ (۲۴ اکتوبر ۱۹۷۷ء)

اس نوعیت کا اثر اور اس انداز کا احترام صرف احمد کی دین ہے جس کے دیکھنے ان کے

لے یہاں پر غالباً فاضل معصوم نگار سے سہم ہوا ہے۔ مولانا فریدی نے اپنا سفر نامہ زیارت حرمین کے عنوان سے لکھا تھا جو الفرقان کی جلد ۲۹ میں پانچ قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ (ادارہ) علیہ یہ سفر نامہ ”الفتیان“ کی خاص اشاعت کے طور پر ”ہندوستان کا سب سے پہلا سفر نامہ حجاز“ کے نام سے شوال ۱۳۸۸ھ میں شائع ہوا تھا۔

کردار کی محبوبی اور سیرت کی دلنوازی کا رفرما تھی۔

صدر جمہوریہ کی طرف سے اعزاز ۱۹۸۱ء میں صدر جمہوریہ ہند نے فارسی کی سند اعزاز مع مالی امداد تاحیات عنایت فرمائی لیکن اس امداد سے ان کی زندگی کی مشکوکانہ شان میں فرق نہیں آیا۔

روحانی نسبت حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ نور اللہ مرقدہؒ سے تلمذ تو تھا ہی، بعد کہ روحانی نسبت بھی پیدا ہو گئی۔ تقسیم ہند کے بعد اعظم پور باسٹھ کے قریب دیوبند صاحب علی خاں جھلی کے فارم کے ڈیرے میں حضرت مدنیؒ سے بیعت ہو گئے۔ اپنے شیخ سے ان کو جو عقیدت اور محبت تھی، اس کا اندازہ ان کی گفتگو سے ہوتا تھا۔ اب کا قیام آتے ہی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہو جاتی تھی۔ اپنے ابتدائی زمانہ میں مجھے مولانا مدنیؒ سے کوئی عقیدت نہیں تھی۔ انھوں نے اس انداز سے مختلف اوقات میں ان کے حالات و کوائف بیان کئے، اور بتایا کہ مولانا مدنیؒ نے مشائخ متقدمین کے طرز پر ریاضت کی ہے کہ رفتہ رفتہ میرے دل میں ان کی بڑی عزت پیدا ہو گئی۔ بعد کو حضرت مدنیؒ سے مختلف مسائل پر خط و کتابت بھی ہوئی۔ جب ۱۹۸۸ء میں دہلی شیخ الاسلام سینما رمنعقد کرنے کا فیصلہ ہوا تو انھوں نے مجھے کھایا۔

”تم بھی ۶-۷ صفحات کا ایک مختصر مقالہ لکھ دو جس میں اپنے تاثرات کا اظہار کر دو۔ تمہارے نام جو حضرت کے خطوط آئے ان کا پس منظر بھی بیان کر دیا جائے تو بہتر ہے، یا ان کی کسی خوبی یا خصوصیت کو ظاہر کرنے کے لیے چند صفحات لکھ دو۔۔۔۔۔ اس سلسلہ میں کچھ ضرور لکھنا“

میں نے جب اپنا طویل مقالہ ”قوموں کی تقدیر وہ مرد درویش“ سینما میں پیش کیا تو وہ موجود تھے۔ ان کو جو مسرت ہوئی وہ چہرے سے عیاں تھی۔ بار بار کہتے تھے ”تمہارا مقالہ اچھا ہے“ مجھے اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیے کہ مولانا مدنیؒ کی عظمت، بزرگی اور کارناموں کی اہمیت کا احساس ماموں صاحبؒ کی ستمیرے اندر پیدا کیا تھا۔
مولانا مدنیؒ کے وصال کے کئی مہر بعد انھوں نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

سے تعلق ارادت و عقیدت قائم کیا۔ بیٹائی سے محرومی کے باوجود ان کے سہارن پور قیام کے زمانہ میں وہاں پہنچتے تھے اور کئی کئی دن وہاں رہتے تھے۔ خود شیخ الحدیث ان پر اتنا کرم اور اس قدر شفقت فرماتے تھے کہ بعض اوقات بھرے مجمع میں اعلان کراتے تھے کہ مولانا فریدی جہاں ہوں میرے پاس آجائیں۔ شیخ الحدیث نے ان کو اپنی خلافت بھی عطا فرمائی تھی۔ مولانا دمی اللہ شاہ صاحب کے روحانی فیوض کی بھی بڑی قدر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ علی گڑھ کے قیام کے زمانہ میں انھوں نے خود عزیز خانہ پر قدم رنجہ فرمایا۔ ماموں صاحب کو معلوم ہوا تو بہت خوشی کا اظہار کیا۔ پھر جب ”مجموعہ تالیفات المصلح الامت“ جلد چہارم (ص ۱۱۲) میں میری تصنیف ”حیات شیخ محدث دہلوی“ کے اقتباسات نظر سے گزرے تو مجھے خط لکھ کر اپنی دسترس کا اظہار کیا۔ خود مولانا دمی اللہ شاہ صاحب ان پر بڑی شفقت فرماتے تھے، ایک بار ماموں صاحب اپنے آنے کی اطلاع دے کر الہ آباد آگئے۔ اسٹیشن پر اترے تو دیکھا کہ شاہ صاحب خود استقبال کے لیے موجود ہیں۔ کہتے تھے کہ میں اتنا متاثر ہوا کہ شکر یہ ادا کرنے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ جس زمانہ میں اسپتال میں آنکھ کے آپریشن کے سلسلہ میں قیام تھا، میرے رطکے و جچیہ سلسلے سے جواب شیعہ زودوبی میں ریڈر ہے ہوتا تو شاہ دمی اللہ صاحب کے ملفوظات بہ بڑھو آکر سننے تھے۔ اور قرآن کی آیتیں صحیح پڑھنے پر خوش ہوتے تھے۔

دیوبند، پچلت اور سہارنپور کے سفر مولانا فریدی کا معمول تھا کہ سال میں ایک بار دیوبند، سہارنپور اور پچلت ضرور جاتے تھے۔ ان کی روحانی اور علمی زندگی کے یہ سفر جتنے تھے۔ یہاں پہنچ کر ایک نئی توانائی محسوس کرتے تھے۔ عموماً یہ سفر ماہ رمضان المبارک میں ہوتے تھے بحکم محمد شجاع الدین صاحب نے اپنے تحریرات نامہ میں لکھا تھا:

”مرحوم موصوف میرے عزیز خانہ پر قدم رنجہ فرما کر بڑا کرم فرمایا کرتے تھے۔ مرحوم کی تشریف آوری پر ہم سب اہل پچلت بڑے مسرور ہوتے۔ اور رمضان المبارک میں تو خاص طور سے ہم ان کی آمد کے منتظر رہتے۔ ان کے قدم مینست لزوم سے غار تاریک فردزاں ہو جاتا۔ اب وہ نہیں جہاں نصیب ہوں گی۔“

شاہ ولی اللہؒ سے عقیدت کی بنا پر انھوں نے اس "مقریۃ الصالحین" میں ایک ایک جگہ کو دیکھا تھا۔ شاہ صاحبؒ کی پیدائش کی جگہ، ان کے رہائش مکان، مسجد، خانقاہی قریستان برجگہ جاتے تھے۔ اگر وہی میں مرزا شاہ ولی اللہؒ پر "دل بیریاس اور چشم گریاں" لے کر گئے تھے تو پھلت میں رہ کر کاروان رفتہ کے نقوش تلاش کیے تھے!

بصارت کی کمزوری اور بالآخر معذوری بینائی پیدائش کی کمزوری تھی۔ رات کو بہت کم نظر آتا تھا۔ مسلسل مطالعہ نے مزید کمزوری پیدا کر دی۔ ۱۹۶۸ء میں تکلیف کا آغاز ہوا۔ علی گڑھ میں ڈاکٹر شکلا کو دکھایا اور علاج چلتا رہا۔ دسمبر ۱۹۷۳ء میں آپریشن ہوا۔ لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ جس شخص کا اوڑھتا پھوٹا مطالعہ ہو، اس کا بینائی سے مستقل محروم ہو جانا ایک ایسی آزمائش ہے جس کے تصور سے بھی روح کا پب انفق ہے۔ انھوں نے جس ضبط اور تحمل کے ساتھ اس حادثہ کو برداشت کیا وہ الہ کی سیرت کا ایسا پہلو ہے جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ کبھی زبان پر گلہ نہ آیا، ہمیشہ راضی برضا کی کیفیت رہی۔ کئی بار خیال آیا کہ ان کا ذکر کسی نواب صدر یا جنگ مرحوم کی کتاب "علمائے سلف اور نابینا علماء" میں جگہ پانے کا مستحق ہے۔

آخری علالت اور وصال مولانا فریدی صاحب کو میعاد بخار ہوا۔ یونانی دوا سے طبیعت رو بہ اصلاح ہو گئی، لیکن پرہیز میں بے توجہی برتی۔ مرض پھر عود کر آیا۔ اسی میں روزے رکھے، اور حسب معمول دیوبند، پھلت، سہارنپور کے سفر بھی کیے۔ میں انگلستان سے ایک طویل علالت کے بعد واپس آیا تھا۔ نکھا کہ لاکھ لاکھ شکر ہے کہ متم غریب سے واپس آئے۔ تمہیں دیکھنے علی گڑھ آ رہا ہوں۔ میں نے نکھا کہ موسم ذرا بہتر ہو جائے جب سفر کیجئے۔ میں خاندان کی تاریخ ایک مہرہ سے مرتب کر رہا تھا اور پوتا تھا کہ ایک بار ان کو لاری ستادوں۔ تاکہ اصلاح اور اعنائے ہو سکیں۔ وہ خود بھی اس کو سننے کے لیے یہ چین تھے۔ اس دوران میں خطوط آتے رہے، جن میں مولانا احمد بن کدشتؒ کے خطوط کو مرتب کرنے کی اطلاع تھی اور بعض تفصیلات طلب فرمائی تھیں۔ میں سمجھا کہ شاید اب طبیعت بہتر ہے۔ پھر ایک اطلاع ملی کہ طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔

میں امر وہ پہنچا تو حالت دیکھ کر دل بیٹھ گیا۔ جنگ بدر سے جس وحشت یلے تھے، پھر سے کچھ باتیں کہیں میرے ہاتھ میں سیر لا دیا رکا ایک نسخہ نقل پوچھا گیا ہے؟ میں نے بتایا۔ فرمایا۔ میں اسے پڑھ کر سنوں گا، اسے چھوڑ جانا۔ میں نے وہیں رکھ دیا اور حیرت میں رہ گیا کہ ایک طرف روح سکرات کے تلاطم میں ہے دوسری طرف دل و دماغ طالب علمانہ جستجو میں مصروف ہیں! ائمہ اکبر، علم سے ایسا وابہ نہ لگاؤ اب کہاں دیکھنے کو ملے گا؟

چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرنے پائے تھے کہ ان کی روح مالک حقیقی کے حضور میں پہنچ گئی۔ امر وہ میں اس خبر سے ایک کھرام بچ گیا، اور درود دیوار سے صدا گئی۔

کدام غلکہ را روز ماتم است امروز

کہ موت عالم چوں موت عالم است امروز

امر وہ میں نواب وقار الملک مرحوم اور حضرت مولانا احمد حسن محدث کے جنازوں میں بھی غایب ہی اتنے آدمی ہوں۔ دفن کرنے پر بہت بحث و تکرار ہوئی۔ بعض لوگ جامع مسجد میں دفن کرنا چاہتے تھے جہاں انھوں نے درس دئے تھے، کچھ لوگ مہر تھے کہ جس مسجد میں وہ رہتے تھے وہاں دفن کیا جائے۔ جناب محترم مولانا اسعد مدنی صاحب زادہ کرہ نے خاندانی مسجد میں دفن کرنے کا مشورہ دیا۔ اور اسی پر لوگوں نے عمل کیا۔ رحمہ عالم سے بھرے ہوئے دلوں نے زبان حال سے یہ کہتے ہوئے ان کے جسد پاک کو سپرد خاک کیا۔

اے خاک قیرو غاظر مہساں نگہ دار

این نور چشم ما ست کہ در برکشیدہ

(۳)

تصانیف اور علمی خدمات

کہتے ہیں کہ علامہ ابن العلاء سے کسی نے پوچھا کہ آدمی کو کب تک علم حاصل کرنا چاہیئے۔

فرمایا: مادامت الحیوۃ تحسن یہ

یعنی جب تک حیات مہربان رہے۔ مولانا فریدی کا یہی حال رہا وہ فنا فی العلم تھے اور آخری دم تک طالب علمانہ جستجو کرتے رہے۔

ابتدائی زمانہ میں شاعری کا شوق ابتدائی زمانہ میں شاعری کا بڑا شوق تھا۔ اپنے مکان میں مشاعرے کی محفلیں بھی لکڑی منقذ کرتے تھے۔ منشی عزیز احمد صاحب غریزہ تعلیم یافتہ معطر فیرو آبادی سے (جو امیر مہٹائی کے شاگرد تھے) تلمذ حاصل کیا۔ منشی عبدالرب حلیہ سے بھی شعر و شاعری میں مشورہ لیا۔ وہ ابو الحسن ساکت امر و ہوی دتلمذ خاص لفظ رامپوری کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ہی ابتداً مخلص سے فریدی مخلص رکھوایا۔ مجھے ان کا کوئی کلام یاد نہیں، لیکن حضرت مجدد صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب پران کی نقیصوں و دماغ پر نقش ہیں۔ ایک بار حیات شیخ عبدالغنی محدث دہلویؒ کے ابتدائی صفحات پڑھ کر سنا رہا تھا۔ اس میں دور اکبری کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک مصرعہ لکھا تھا۔

عز من فستوں کی شور پدہ سری اک رنگ لائی تھی

میں نے پڑھ کر پوچھا، یہ مصرعہ کس کا ہے۔ کچھ سوچ میں پڑ گئے، جب میں نے بتایا کہ خود مجدد صاحب پران کی نظم سے لیا گیا ہے تو ہنس پڑے اور فرمایا: بہت سمجھ جگہ استعمال کیا ہے۔ بچپن کا ایک واقعہ یہاں بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ماموں صاحب کی ایک غزل غزل تھی جس کا مقطع تھا: فریدی کیوں گل و بیل کا سودا سر میں ہے۔ پوری غزل یاد نہیں، میں نے فریدی کی جگہ نکاحی کر دیا اور اپنی بڑی بہن کی معرفت پوری غزل تہذیب نشواں میں اشاعت کے لیے بھیج دی کہ میرے چھوٹے بھائی کی تصنیف ہے۔ وہاں سے واپس آگئی کہ کسی بڑا آدمی کا کلام معلوم ہوتا ہے۔ پھر یہ واقعہ ماموں صاحب کو سنایا۔ ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔

تصنیف و تالیف کا آغاز اور اس کے بنیادی خطوط یوں تو وہ بعض جرائد اور

رسائل میں مضامین لکھتے رہتے تھے لیکن تصنیفی زندگی کا آغاز بریلی سے ہوا اور اس میں سے جناب محترم مولانا محمد منظور نعمانی صاحب زاد مجدد کے مشوروں اور مخلصانہ تقاضوں کا بڑا دخل تھا۔ **آفر خان** کے مجدد و الف ثنائی نمبر میں ان کا مضمون ان کی آئندہ علمی زندگی کی بشارت دیتا ہے۔ یہیں سے ان کی دلچسپیوں کا رخ متبیین ہوا اور آئندہ کام کی بنیاد پڑی۔ **۱۳۳۵ھ** میں جب مجدد و الف ثنائی نمبر نکلا تو ماموں صاحب نے ایک کاپی مجھے میرٹھ اس ہدایت کے ساتھ بھیجی کہ اسے غور سے آخر تک پڑھنا۔ میں نے اس کو بار بار

پڑھا اور حقیقت یہ ہے کہ اگر میں اپنی پانچ صد کتابوں کی فہرست بناؤں تو وہی میں بلاشبہ
الفرقان کا مجدد الف ثانی مگر ایک ہو گا۔ گو اس کے بعد تحقیق کی اور وہاں سامنے آتی ہیں
لیکن مجدد صاحب کے کام کی ماہیت کا احساس ”الفرقان حمیر“ ہی نے دلایا تھا۔
مولانا فریدی کی مسلمی جہد و سعی کے مرکز و محور دو تھے —

(۱) مشائخ سلسلہ مجددیہ

(۲) اکابر دارالعلوم دیوبند

ان کی ساری تصانیف اسی محور پر گردش کرتی ہیں۔ یہ حیثیت مصنف ان کی خصوصیت
یہ تھی کہ بڑی محنت سے مواد جمع کرتے تھے۔ ان کا یقین تھا کہ

نقش ہیں سب نا تمام خون جگر کے بغیر

جب کوئی موضوع پیش نظر ہوتا تو سوتے جاگتے اسی میں مشغول رہتے۔ وہ جو کچھ لکھتے تھے
اس کے پیچھے وسیع مطالعہ اور بے اندازہ تحقیقی کاوش ہوتی تھی۔ پورا مضمون جب اپنے
اندہ جذب کر لیتے تھے، جب قلم اٹھاتے تھے یہی سبب ہے کہ ان کی عبارت میں شگفتگی
اور کیفیت محسوس ہوتی تھی۔

تحقیق میعار کافی اونپا تھا۔ اس کا کچھ اندازہ ملیح آبادی کی ”مولانا آزاد کی کہانی“
پران کے تبصرے سے ہوتا ہے۔

تفہیم اور ترجمے میں کمال حاصل تھا۔ ترجمہ اس وقت تک ممکن نہیں جب
تک زبان و بیان پر پوری قدرت نہ ہو، اور تفہیم کا کام صرف وہ شخص کر سکتا ہے جس نے
پورے مباحث کو جذب کر لیا ہو اور فکری اعتبار سے اس پر پورا عبور رکھتا ہو۔

مولانا فریدی کا خیال تھا کہ اکابر ملت کی فکر کو عوام تک پہنچانے اور اس سے
مثبت فائدہ حاصل کرنے کے لیے مکتوبات اور ملفوظات پر زیادہ کام کی ضرورت ہے۔
انھوں نے لکھے ہی مکتوبات کے مجموعے دریافت کے پوران کو روشناس کرایا حضرت
شاہ ولی اللہ دہلوی کے مکتوبات کا قلمی نسخہ چاند پور منسلح بمحور میں مولانا رفیع حسن مرحوم
کے کتب خانہ میں دریافت کیا اور خود فیصلہ فرمایا کہ اس کے سیاسی مکتوبات تم ایڈٹ
کرو، مذہبی مکتوبات میں ایڈٹ کروں گا۔ وہ جب کوئی نئی چیز دریافت کرتے تو خوشی
میں فوراً مجھے مطلع کرتے۔

مکتوبات شاہ ولی اللہ کے علاوہ انہوں نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا احمد حسن محدث امر دہلوی وغیرہم کے مکتوبات جمع کئے اور ان میں تاریخی اور دینی اہمیت کے مواد پر توجہ دلائی۔

اکابر دیوبند کے حالات کی تلاش و تحقیق پر بھی مولانا فزیدیؒ نے کافی وقت صرف کیا تھا۔ مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی زاد کرمنہ اپنے مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں:

”جو پہلے دنوں دیوبند کی شیخ اہلند اکاڈمی نے اکابر دیوبند کی نادر و نایاب تالیفات کو جدید انداز پر ایڈٹ کرنے کا فیصلہ کیا، تو جمع لوگوں نے اس کام کو انجام دیا، ان کی رہنمائی اور ان کے کام پر نظر ثانی کے لیے سب کی نگاہیں حضرت مولانا ہی پر اٹھیں اور مولانا مرحوم نے بھی بطیب خاطر اس ذمہ داری کو قبول فرمایا،“

دیوبند کی تاریخ، اس کے اکابر کی دینی، علمی خدمات اور روحانی بصیرت پر جو نظر ان کی حق و حیرت انگیز مثنوی۔ کسی کا ذکر چھوڑ دینے اور پھر ان کی گل فشانی گفتار کو دیکھتے وہ اس معلومات کا بوجھ اپنے اوپر لیے نظر نہ آتے تھے، بلکہ یہ سب کچھ ان کے علم کا جز اور ان کی شخصیت کا حصہ بن گیا تھا۔ انہوں دارالعلوم کو صرف اپنی مادر در سگاہ ہی نہیں سمجھا، بلکہ اس کو اپنی زندگی کا ایک حصہ بنالیا تھا جس سے ان میں ایثار و دینی کے جذبات پرورش پاتے تھے۔

تذکرہ خواجہ باقی باللہ اور صاحبزادگان و خلفاء ۱۹۷۱ء میں الفرقان بکھڑلو سے شائع ہوا۔ یہ تذکرہ مضامین کی شکل میں ”الفرقان“ میں چھپ چکا تھا۔ اس میں خواجہ صاحب اور ان کے اخلاف و منسلکیں کے حالات بڑی تحقیق اور جستجو سے جمع کئے گئے ہیں۔ اسرار یہ کی اہمیت اور افادیت پہلی مرتبہ اس سے واضح ہوئی۔ صاحبزادگان کے نام اور کام کے متعلق بہت سے دلچسپ معلومات اس میں جمع کی گئی ہیں۔ خواجہ فردوس کے ملفوظات کے ایک نادر نسخہ کی دریافت نے اس تذکرہ میں جان و لدی ہے۔ اس جگہ کی بعض باتیں جو اس مجموعہ کی طباعت کے بعد دریافت ہوئی ہیں، توفیق رفیع ہوئی تو ”الفرقان“ میں منسلک

کے طور پر انکے تعارف کرا دیا جائے گا۔

تجلیات ربانی یعنی مکتوبات مجدد الف ثانی کا ترجمہ اور تلخیص حضرت مجدد صاحب

کے مکتوبات کو یوں تو عربی، ترکی اور اردو میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن شاید کوئی کوشش اتنی مؤثر نہیں ہوئی جس تجلیات ربانی۔ جن مباحث کو عام ذہن کی سمجھ سے بالاتر پایا ان کو شامل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ جس طرح مفید مطالب و مباحث کو محنت سے اخذ کر کے دل کش انداز میں پیش کیا گیا ہے اس نے مجدد صاحب کی فکر اور ان کے عظیم انسان کارناموں کو سمجھنے میں فیکد انشال حدت انجام دی ہے۔ یہ مکتوبات مختلف اوقات میں ”الفرقان“ میں شائع ہوتے رہے تھے، مثلاً ۱۹۱۷ء میں کتابی شکل میں کتب خانہ ”الفرقان“ سے دو جلدوں میں طبع ہوئے۔ بلاخوفی تردید کہا جاسکتا ہے کہ ”الفرقان“ کے مجدد الف ثانی ”نمبر“ اور مولانا فریدی کی ”تجلیات ربانی“ نے حضرت مجدد صاحب کے کلام و پیام کو جس طرح عوام و خواص تک پہنچایا ہے وہ ہمیشہ احسان مندی کے ساتھ یاد رکھا جائے گا۔ مولانا نعمانی زادہ مجدد نے اس کے متعلق لکھا ہے:

”انہوں نے بالکل اسی انداز پر جو اس عاجز کی آرزو تھی، مکتوبات

کے تینوں دفتروں کی تلخیص و ترجمہ کا کام انجام دیا۔ اس حقیقت کے اظہار میں ذرہ برابر بھی تواضع اور کسر نفسی نہیں ہے کہ اگر میں خود یہ کام کرتا تو ہرگز ایسا نہ کر سکتا، اللہ تعالیٰ نے مولانا فریدیؒ کو ایسے کاموں کی خاص صلاحیت بخشی ہے“ (ص ۲)

مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ یہ مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات کے تین

مجموعوں وسیلۃ السعادہ، درۃ انتاج، اور مکتوبات معصومیہ۔ کا طبع ۱۹۶۰ء میں مکتبہ الفرقان نے کتابی صورت میں شائع کیا۔ اس تالیف سے پہلی بار خواجہ محمد معصومؒ کی صلابت فکر، مجتہدانہ کارناموں اور دینی بصیرت کا اندازہ ہوا۔ نقشبندی سلسلہ کے لٹریچر میں یہ کتاب بیش قیمت امانت ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مجدد صاحب کے کام کا اٹکلہ ان ہی مکتوبات میں نظر آتا ہے۔ خواجہ صاحب نے عبید اللہ بیگ کو یہ لکھ کر:

۱۔ ہر زبان کے فیوض مختلف ہیں، ہر شہر کی ایک علیحدہ خاصیت ہے اور

ہر قریہ کا ایک ہما معاملہ ہے، اہل بصیرت ہر توجہ سے فیض حاصل کرتے

ہیں اور ہر زبان سے ایک خاص کمال ہم پہنچاتے ہیں۔

اصلاح و تربیت کا ایک زبردست اصول بیان فرمادیا ہے۔ مولانا فریدیؒ نے خواجہ محمد معصومؒ کی فکر کو ایک نئے کی طرح روشن کر کے یہاں پیش کر دیا ہے۔ مجددی فکر کے ہر گوشہ کو جس طرح انھوں نے واضح کیا ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے۔

خلفاء مجدد صاحبؒ خلفاء مجدد صاحبؒ پر مولانا فریدیؒ نے مجدد الف ثانیؒ میں تفصیلی مضمون لکھا تھا جو بعد کو تذکرہ مجدد الف ثانیؒ میں بھی شامل رہا۔ اس میں مجدد صاحبؒ کے خلفاء کا محل مستند آغز کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر حالات مساعد کرتے تو وہ خلفاء مجدد صاحبؒ پر مفصل اور بصیرت افروز کتاب لکھ سکتے تھے۔ اس سلسلہ کا پیشوا ذخیرہ حلومات ان کے ذہن میں محفوظ تھا۔

شاہ غلام علی صاحبؒ شاہ غلام علی صاحبؒ اپنے زمانہ میں نقشبندی سلسلہ کے عظیم المرتبت بزرگ شمار کئے جاتے تھے۔ ان کی خانقاہ میں اسلامی ممالک کے گوشہ گوشہ سے لوگ آتے تھے۔ ان کے ملفوظات "در العارف" شاہ رؤف احمد نے بڑی محنت سے جمع کئے تھے۔ مولانا فریدیؒ نے اسے مخصوص انمازیہ میں ان ملفوظات کا خلاصہ اپنے معنائیں میں جو "الفرقان" میں شائع ہوئے پیش کر دیا ہے۔ پھر مآخذ اہل دل کے نام سے ان کے خلفاء کا بڑا جامع تذکرہ ترتیب دیا۔ "الفرقان" سنہ ۱۳۹۲ھ کی نو نومبر ۱۹۷۵ء کی کتاب "مآخذ اہل دل" میں شائع ہو گیا ہے۔ (ادارہ الفرقان)

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے اخلاف بر تحقیقی کام۔ "الفرقان" کے شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ایک نظم "سراشاہ ولی اللہ دہلویؒ" لکھی تھی جس سے ان کے جذبات عقیدت کا اعجازہ جلتا ہے۔

میرے پیش نظر تصور ہے۔ ختمِ محدث کی
تصور میں گلستاں در گلستاں کے آداب ہیں
وہ دہلی اور اس کی شوکتیں بھر پاد آئی ہیں !
خزاں کے دور میں یاد گلستاں کے آداب ہیں

مولانا عبد القیوم مظاہری کی تعینف الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پیش لفظ
میں لکھتے ہیں :

”حضرت شاہ صاحبؒ نے قرآن مجید کی بابرکت آیات نیز
رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ، اور
آپ کے انسانیت، لوازارشادات و فرمودات کی روشنی میں وہ لائحہ عمل
پیش فرمایا ہے ، جس پر عمل پیرا ہو کر تمام دنیا کا بھلا ہو سکتا ہے ، رہا
خلق اور فہام عام کے سلسلہ میں ان کے عہد میں قلم سے جو مضامین برآمد
ہوئے ہیں ان کی وضاحت کی جائے اور ان پر عمل کا سایہ ڈالا جائے تو
کسی غلط نظام اور باطل ازم کو پھینکے کا موقع نہ ملے“

انہوں نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مکتوبات کو بڑی محنت سے جمع کیا ہے یقیناً
ہے وہ مجموعہ جلد شائع ہو کر سامنے آئے گا اور اس سے فکر و لہجہ کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے سلسلہ میں ان کے مضامین جو خاص طور پر
مطالعہ کے قابل ہیں ، مندرجہ ذیل ہیں :

(۱) حضرت شاہ ابوسعید حسنیؒ کے روابط حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور

ان کے خاندان سے ” (الفرقان“ اپریل ۱۹۶۵ء)

(۲) ”سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ“

”الفرقان“ محرم ، صفر ، ربیع الاول ۱۳۸۵ھ

یہ مضامین پاکستانی رسائل بالخصوص ”الرحم“ میں نقل ہو کر بے حد مقبول
ہوئے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے حالات اور ملفوظات پر الہ کے مضامین
جو ”الفرقان“ ماہ محرم ۱۳۸۵ھ تا ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ تک شائع ہوئے ، نئی تحقیق ،
حیرت انگیز معلومات اور ملفوظات کے مروجہ نسخوں کی تصحیح میں اپنا جواپ نہیں رکھتے۔

اکابر دیوبند اکابر دیوبند پر مولانا فرید گئے جو مضامین شائع کئے ہیں وہ نئی دریا پر مبنی ہیں اور مرد رست ہے کہ ان کو ایک جگہ کی شکل میں لایا جائے۔ بالخصوص مندرجہ مضامین۔

- (۱) آثار شیخ الحدیث "الفرقان" اگست ستمبر ۱۹۸۱ء
- (۲) حضرت مولانا نقوی دہلوی "دارالعلوم" ریح الثانی ۱۳۶۱ھ
- (۳) حضرت مولانا نقوی اور حضرت شیخ الہند کے غیر مطبوعہ خطوط
- (۴) حضرت مولانا احمد حسن صاحب "دارالعلوم" ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ
- (۵) حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب "دارالعلوم" ریح الاول تا سوال
- (۶) حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب "دارالعلوم" محدث امر وہوی
- (۷) حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب "دارالعلوم" محدث امر وہوی
- (۸) حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب "دارالعلوم" محدث امر وہوی
- (۹) حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب "دارالعلوم" محدث امر وہوی
- (۱۰) حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب "دارالعلوم" محدث امر وہوی
- (۱۱) حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب "دارالعلوم" محدث امر وہوی
- (۱۲) حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب "دارالعلوم" محدث امر وہوی
- (۱۳) حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب "دارالعلوم" محدث امر وہوی
- (۱۴) حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب "دارالعلوم" محدث امر وہوی
- (۱۵) حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب "دارالعلوم" محدث امر وہوی
- (۱۶) حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب "دارالعلوم" محدث امر وہوی
- (۱۷) حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب "دارالعلوم" محدث امر وہوی
- (۱۸) حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب "دارالعلوم" محدث امر وہوی
- (۱۹) حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب "دارالعلوم" محدث امر وہوی
- (۲۰) حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب "دارالعلوم" محدث امر وہوی

(۱) درس حدیث کی ایک جھلک

الجمعیۃ، شیخ الاسلام نمبر ۵۸ فروری ۱۹۵۸ء

(۲) حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

دو مکتوب گرامی اور ان کا پس منظر

شیخ الاسلام۔ حیات و کارنامے

مولانا احمد حسن محدث امر وہوی کے مکتوبات کو اپنی آخری علالت کے زمانہ میں

مرتب کیا ہے۔ اور امید ہے کہ جلد وہ مجموعہ شائع ہو جائے گا۔ ان کے مضامین میں تاریخ دیوبند اور اکابر دیوبند کے متعلق بیش بہا معلومات بکھری ہوئی ہیں۔ بعض کتب خانوں کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں اس سلسلہ کا مواد مل سکتا ہے۔ تاہم شیخ دیوبند کا کوئی طالب علم ان مضامین کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تحقیق کا کام ان ہی خطوط پر جاری رکھنا ہوگا جب کہیں دیوبند کی مفصل مبسوط اور مستند تاریخ لکھی جاسکتی ہے۔

فرائد قاسمیہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے غیر مطبوعہ مضامین کا یہ مجموعہ

انہوں نے ۱۹۵۸ء میں ادارہ ادبیات دلی سے شائع کیا۔ عجیب اتفاق تھا کہ یہ محمود حضرت
 ناولوئی کے وصال کے شیک سو سال بعد شائع ہوئے۔ شائقین کے ہاتھ میں پہنچا مولانا فریدی نے
 اس پر مختصر مگر جامع مقدمہ لکھا اور مکتوب الہم کے مختصر حالات بھی درج کئے۔ غراؤ کا مہم
 کا یہ نادر نسخہ ان کو حاجی سید عبدالغنی پھلاؤوی کے کتب خانہ سے ملا تھا۔
 اس میں بعض اہم مسائل میں علامہ حضرت ناولوئی نے گفتگو فرمائی ہے، رفع تعارض
 بین الحدیث والقرآن، حقیقت مال حرام، وغیرہ سے متعلق ہیں۔

کتب خانہ کی اہمیت کو سب سے پہلے مولانا فریدی نے ہی اس طرح واضح کیا ہے
 ”حضرت ناولوئی کی تمام مطبوعات کا ذخیرہ ان کے کتب خانہ میں
 موجود ہے، جن میں وہ ادیشن بھی ہیں جن کا جو دہت کم کتب خانوں

میں پایا جاتا ہے“ (ص ۳)

مولانا فریدی کو حضرت ناولوئی کی تصانیف سے غیر معمولی شغف اور ان کے
 ذات سے بے پناہ عقیدت تھی اور ان کے حالات بڑی دل چسپی کے ساتھ سنایا کرتے
 تھے۔ ان کے بہت سے اشعار بھی یاد تھے۔ بہت موقع سے بڑھتے تھے اور ساری گفتگو
 میں شگفتگی اور جان پیدا کر دیتے تھے۔ مولانا سید محمد ادر شاہ قیصر صاحب نے جب حضرت

ناولوئی کی شاعری پر ان کا مقالہ ”دارالعلوم میں شائع کیا تھا تو لکھا تھا:

”برادرِ م مولانا فریدی کے متعلق اگر میں یہ کہوں کہ ان کی زندگی متنوع
 صفات و خصوصیات کی حامل ہے تو اس میں کسی شاعرانہ یا خطیبانہ
 مبالغہ کا دخل نہیں ہوگا۔ اپنی شکل و صورت، اور ظاہری انداز و
 اطوار کے لحاظ سے وہ مجذوب صفت انسان ہیں جنہوں نے درس
 و تدریس، تبلیغی جماعت اور قوی کاموں کے لیے خود کو وقف کر دیا ہے
 لیکن کچھ دیر ان سے گفتگو کیجئے تو معلوم ہوگا کہ دین و دنیا کے
 سبزہ زار میں جا بجا شعر و ادب، علم و تحقیق اور فکر و نظر کے انیسے
 سدا بہار پھول بھی کھلے ہوئے ہیں جن کی رنگارنگی، تازگی اور دلنشینی
 گل چین کو بے ساختہ اپنی طرف کھینچتی ہے“

(دارالعلوم، ربيع الثانی ۱۳۷۱ھ ص ۱۳۳)

سفر نامہ حج شاہ رفیع الدین مراد آبادی شاہ ولی اللہ دہلوی کے تلمیذ رشید
شاہ رفیع الدین مراد آبادی کا یہ سفر نامہ، خاکسار راقم الحروف کے نظیر و کتب میں متلا مولانا
فریدی نے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا اور اس کا ترجمہ ”الفرقان“ کی خصوصی اشاعت
ذیل میں ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔ حج کے سفر ناموں میں اس سفر نامہ کی خاص اہمیت ہے۔
اس میں بحری سفر چاروں کی حالت، ملاحوں، بندرگاہوں کے متعلق بہت دلچسپ معلومات
درج ہیں۔

فلمینیس میں مہارت مولانا فریدی کو فلمینیس میں خاص مہارت تھی۔ یہ نتیجہ بھی گہرے
مطالعے اور مطالب پر عبور کا۔ انھوں نے مولانا مناظر احسن گیلانی کے مقالہ ”اف ثانی یا
ہزارہ دوم کا تبدیدی کارنامہ“ کا جس طرح ”افادات گیلانی نمبر“ میں خلاصہ کیا ہے وہ
لامتناہی شکر ہے۔ (جولائی ۱۹۵۷ء الفریقان)

ذاتی یادیں اور علمی استفادہ اپنے ذہن کو ماضی کے دھندے نقوش کی تلاش میں
لگاتا ہوں تو ماموں صاحب مرحوم کی (جن کو ہم ”جی ماموں“ کہا کرتے تھے) وہ یادیں عجیب
انداز میں سامنے آتی ہیں۔ میں نے اپنا کھانا ایک کھانا تھا، میرٹھ سے اپنی نانی مرحومہ کو خط
لکھا، اس طرح کہ ہر لفظ کو نئے رنگ کی روشنائی سے لکھا تھا۔ اس کا جواب ماموں صاحب
نے نہایت خوش خط قلم سے دیا اور بہت سی دعائیں خود اپنی اور نانی مرحومہ کی طرف سے
لکھیں، یہ خط میرٹھ میں برسوں میرے پاس رہا، معلوم نہیں اب کہاں ضائع ہو گیا۔ دوسری
یاد یہ ہے کہ والد مرحوم نے ایک نہایت خوبصورت لیمپ مجھے بھیجا تھا۔ یہ جل رہا تھا اور
چٹائی پر رکھا تھا۔ ماموں صاحب کچھ اس طرح چلے کہ تپائی سے ٹکرائے اور وہ لیمپ گر کر
ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ میں بہت رونا دیا۔ اس وقت کیا معلوم تھا کہ جی ماموں نے یہ ایک لیمپ
بجھایا ہے وہ میرے دل میں کتنی شمعیں روشن کرے گا۔ اور اس کی زندگی کتنی خوشگ
قدیل رہبانی بنے گی۔

میری تعلیم و تربیت میں سب سے بڑا ہاتھ والد مرحوم کا تھا جو علم و بصیرت کا ایک

محرر اخبار تھے اور مجھ سے ماموں صاحب نے بھی کافی استفادہ کیا تھا۔ ان کے بعد جس شخص نے میری زندگی اور فکر کو سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ماموں صاحب ہی تھے۔ انھوں نے ”الفرقان“ کے مجدد الف ثانیؒ بنیر اور شاہ ولی اللہؒ بنیر اہرار کے ساتھ ازادول تاج آخر پڑھا کر ہندوستان میں مسلمانوں کی فکری اور ملی تاریخ میں دلچسپی کا وہ بیج بویا جس کے ثمرات میری تصانیف میں نظر آئیں گے۔ وہ نازک مسائل پر میری رہبری کرتے، کوئی مسئلہ اپنے قلوب کا نہ پاتے تو حضرت مولانا مدنیؒ سے رجوع کرنے کی ہدایت کرتے صوفیاء و مشائخ کے حالات و تعلیمات کے مطالعہ کے لیے بھی بہت سے نازک مقام آتے ہیں۔ اگر کوئی نوک نے وہ الامان ہو تو مشکلات میں پھنس جانا لازمی ہے۔ ان کی رہبری اور نگرانی نے اس راہ کے مسائل سے باخبر کیا۔ انھوں نے مکتبہ جامعہ دہلی کے کتاب نماد نمبر اشارہ ۵) میں تاریخ مشائخ چشت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

”پروفیسر خلیق احمد نظامی نے تاریخ و تصوف، سوانح و تذکرہ کی سیکڑوں کتابوں کا مطالعہ کر کے تحقیق و تدقیق کے معیار پر حتی الامکان چاپخ کر بڑی محنت و جستجو کے ساتھ سلسلہ مشائخ ہند کی اس پہلی کڑی کو پیش کیا ہے“

اس ریویو میں میری اور کتابوں پر بھی اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ ان کی ہمت افزائی نے راہ کی دشواریوں کو آسان کیا اور محنت و تلاش کے جذبے کو ترقی دی۔ طرہ آسمان اس کی حمد و شکر ہم افشانی کرے

میں اس مضمون کو جناب محترم مولانا نعمانی زاد مجددؒ کے ان الفاظ پر ختم کرتا ہوں جو انھوں نے ”تجلیات ربانی“ کے تقریب و تعارف میں مولانا فریدیؒ کے متعلق لکھا تھا:

”اگر شریعت میں تصویر کی مماثلت نہ ہوتی تو میں اس حالت میں کہ وہ بہت کمزور، نحیف و نرزار اور آنکھوں سے معذور ہو چکے ہیں اور ایسی فقیرانہ زندگی بسر کر رہے ہیں جس کی مثال طبقہ علماء میں مشکل ہی سے ملے گی، ان کا فوٹو تقریب و تعارف کی ان سطروں کے ساتھ شامل کرتا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور دعا ہے جو کتب حدیث میں مروی ہے:

اللہ صامعین مسکین و امستین
مسکینا و احشرون فی (مصر)
الساکین۔
اے اللہ! مجھے زندہ رکھ مسکین کی حالت میں
اور موت دے مسکین کی حالت میں اور
مسکینوں کی جماعت میں میرا حشر فرما!

اس عاجز کی نظر میں مولانا فریدیؒ ان بندگانِ خدا میں ہیں جنہیں
دیکھ کر اس دعا نے نبوی کے لفظ مسکین کا مطلب سمجھ میں آجاتا ہے بلکہ
اس کا ایک نوز سائنے آجاتا ہے (صحیح)
اب مولانا فریدیؒ اپنے رب کے جوار رحمت میں پہنچ چکے ہیں۔
خوداں رسید گستاں باں جمالِ نمائند
سماعِ ببل شوریدہ رفت و حالِ نمائند
نشانِ لالہ ایں باغِ از کہ می ہر سی
برو کہ آہنخہ تو دیدی بھر خیالِ نمائند

مفتی سید عبدالحکیم صاحب لاچپوری مدظلہ کے
برادرِ خور مولانا سید عبدالحکیم کوثر قادری مفتی سید عبدالحکیم صاحب لاچپوری مدظلہ کے

<p>ندائے غیب مصنف کی مثنوی کے طرز پر ایک طویل اور مسلسل نظم ہے جس میں ہر جہی صمدی، احوال دامنی، اور خراجِ عقیدت کے مثنوی متواترات کے تحت بسی خیر نظمیں اس مجموعہ میں</p>	<p>تغییر فہر انسان چاند پر پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں علمی اور تحقیقی دلائل جمع کر کے مسئلہ کو منطقی کیا گیا ہے۔</p>	<p>اسلامی مثنوی یعنی مسلمان کی ڈائری نہایت آسان زبان، دلچسپ اور جدید نشین امرازمیں اسلام کا تقارن، اور اسلامی تعلیمات کا جامع انداز میں خلاصہ ہے، اسکے مطالعے سے انشاء اللہ اسلامی تعلیم کے ہر عنوان پر بصیرت افروز معلومات حاصل ہوں گی۔ جس ڈائری کے ہر وقت اپنے پاس رکھنے کے قابل ہے</p>
---	---	--

A.A.Qadri
13 Thorn Hill Street,
Savill Town, Dewsbury-
West Yorks U.K. WF12 9JX

Maktaba Rahimiya
Munshi Street, Rander
Surat-395005 (Gujrat)

منہ
پر
پڑے

مزار شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پر ہنچکر

از۔ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی فاروقی امرتسار

مزار حضرت شاہ ولی اللہ پر ہمد !
 نہیں آیا میں خالی ہاتھ اس درگاہ عالی میں
 جو کھلا جائیں دو اک وزیں دکھو کی کہلاتا
 چڑھائے کو تری تربت پہ چادوا کھ کیلاتا
 مرے پیش نظر تصویر ہے بزم محدث کی
 وہ دہلی اور اس کی شکستیں پھر یاد آئی ہیں
 بچا یا راہزن سے رہنمائی نے تری اس کو
 تری تعلیم کے صدقے سے جس میں تڑپ باقی
 سنا دے پھر وہی نغمے مجھے زحید و سنت کے
 فلک سے کہد اب شبنم کے قطروں کو نہ برسائے
 عقیدت نقد الفت یاد ماضی سوز پہنہائی
 ستانی ہے مجھے اک اتساں بزم تصور میں

دل پر یاس و حسرت چم گریاں لیکے آیا ہوں
 عقیدت کیشیاں نقد دل مچا لیکے آیا ہوں
 میں اپنے بلغ دل کی چند کلیاں لیکے آیا ہوں
 میں اپنے سر تیرا بار احساں لیکے آیا ہوں
 تصور میں گلستان و گلستاں لیکے آیا ہوں
 خزاں کے دو میں یاد گلستاں لیکے آیا ہوں
 بجز اللہ متاع دین ایساں لیکے آیا ہوں
 اسی حساس دل کو زبرد اماں لیکے آیا ہوں
 میں اُن نغمات کے سننے کا ارماں لیکے آیا ہوں
 میں قبر شیخ پر اشکوں کی لڑیاں لیکے آیا ہوں
 مزار شیخ پر کیا کیا میں ساماں لیکے آیا ہوں
 میں اک دنیا کے جد بابر پشیاں لیکے آیا ہوں

فریدی میں نہیں آیا ہوں تنہا مرقد شہ پر

دعا ہائے فراواں ذوق پہناں لیکے آیا ہوں

گوہرِ کثانہ

مَدَّ كَفِّ حَقِّقْ مَوْلَانَا السَّيِّدِ اَحْمَدَ فَرِيدِی رَحْمَةً اللّٰهُ عَلَیْہِ

خاندان اور نسب

مسلمان ہند کی روحانی ثقافت کی تاریخ میں حضرت بابا فرید الدین سودگنج شکر علیہ الرحمۃ کی شخصیت الشریکی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی، ان کی اولاد اور حلقہ کی تبلیغی اور اصلاحی کوششوں کے آثار آج بھی برصغیر کے ہر گوشے میں دیکھے جاسکتے ہیں، بابا صاحب کے پانچ صاحبزادے تھے: شیخ نصر الدین نصر اللہ، شیخ شہاب الدین، شیخ بدیع الدین، شیخ نظام الدین شہید اور خواجہ محمد یعقوب۔

چوتھے فرزند شیخ نظام الدین شہید کے بارے میں قدیم مآخذ کہتے ہیں کہ بابا صاحب انھیں اپنے سب فرزندانوں سے زیادہ چاہتے تھے، وہ سپاہیانہ وضع رکھتے تھے، بلبلن کی فوج میں ملازم تھے اور اپنی شجاعت کے سبب ”جید زانی“ کہلاتے تھے۔ بابا صاحب کی خدمت میں بہت کتاب بھی تھے، یعنی جو جی میں آتی تھی کہہ دیتے تھے، بابا صاحب مسکرا کر سن لیتے تھے اور ان سے رنجیدہ نہ ہوتے تھے۔ وہ نہایت ذہین و فطین اور معاملہ فہم بھی تھے۔

جب بابا صاحب کا انتقال ہوا (۵ محرم ۷۶۰ھ - ۱۳ اگست ۱۳۱۷ء) وہ اس وقت پٹیالی میں تھے، وہاں خواب میں دیکھا کہ بابا صاحب بلاتے ہیں، فوراً روانہ ہو گئے، اجمودن (موجودہ پاک پٹن پاکستان) پہنچے تو شہر بنیاد کے دروازے بند ہو چکے تھے رات وہیں شہر بنیاد سے باہر بسر کر، صبح کو دروازے کھلے تو ایک جنازہ آ رہا تھا، معلوم ہوا کہ گذشتہ شب حضرت بابا صاحب کا انتقال ہو گیا، اور اب انھیں مقابر شہیدان میں دفن کرنے لے جا رہے ہیں، حضرت شیخ نظام الدین نے فرمایا اگر تم انھیں آبادی سے باہر دفن کرو گے تو لوگ باہر باہر بھی فاتحہ پڑھ کر چلے جائیں گے ان کی اولاد کو کوئی نہ پوچھے گا، جس حجرے میں ان کا انتقال ہوا ہے وہیں لے کر چلو، چنانچہ وہیں دفن کیا گیا۔

حضرت نظام الدین کے بارے میں دو روایات ہیں، ایک تو یہ کہ اچودھن پر کفار (منگولوں) کا حملہ ہوا، انھوں نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، بعد کو اُن کی لاش میدان جنگ میں بہت تلاش کی گئی، نہیں ملی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ قلعہ رنچبور (موجودہ سوائی مادھوپور، راجستھان) کو فتح کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے (سنہ ۷۱۵) اور وہیں قلعے کے اندر اُن کا مزار ہے، یہ روایت زیادہ قرین صحت ہے۔

حضرت نظام الدین شہید کے دو بیٹے تھے: خواجہ محمد الدین المعروف خواجہ ابراہیم اور خواجہ علی (یا خواجہ علی شیر)۔ خواجہ ابراہیم کے پوتے خواجہ عزیز الدین تھے، اُن کی والدہ مولفہ سیراویا امیر خود کرمانی کی پہلی بیوی تھیں، اُن کی پیدائش حضرت نظام الدین اولیاء (ف ۷۲۵ء) کی نگرانی میں دہلی میں ہوئی اور انتقال کے بعد وہیں پائین مزار دفن ہوئے۔ خواجہ علی کے چار فرزند تھے: شیخ سالار، نور الدین، شیخ یحییٰ اور شیخ خسرو، شیخ سالار کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی تھی شیخ فخر الدین، شیخ عالم، شیخ خواجہ، شیخ مغیت اور شیخ مجیر الدین۔ آخر الذکر کی اولاد حصار (ہریانہ) میں آباد تھی۔ شیخ فخر الدین کے فرزند شیخ بہاء الدین اور ان کے بیٹے شیخ ضیاء الدین تھے جن کے بیٹے حاجی محمد موسیٰ ہوئے آخر الذکر وہ تینوں بزرگوں کے مزار موضع رجب پور (ضلع مراد آباد) میں ہیں۔

حاجی محمد موسیٰ کے تین فرزند تھے: شیخ متور، شیخ طاہر اور شیخ لہرہ۔ شیخ متور کے پوتے عبد القادر کالپی میں جا بسے تھے، اور انکی اولاد میں حیدر آباد کے امرائے پاکا (نواب میر یار جنگ وغیرہ) کا خاندان ہے۔ شیخ طاہر کے فرزند شیخ مجاہد انکے بیٹے شیخ صلاح اور انکے فرزند شیخ مظفر ہوئے اور خود الذکر کے بیٹے حاجی عبدالغفور امروہ میں آئے وہیں جانب غربت کا دفن ہے انکے بیٹے شیخ محمد عورتھے، یہاں تک سلسلہ نسب کی تفصیل جواہر فریدی میں بھی درج ہے شیخ محمد عمو کے پانچ فرزند ہوئے چار غیر معقب ہیں، صرف ایک شیخ بزرگ عالم سے نسل چلی چکے بیٹے شہاب الدین اور انکے دو بیٹے محمد نیر اور محمد عارث تھے شیخ محمد عارث کے فرزند محمد عبدالغفور ثانی ہوئے انکے دو بیٹے تھے محمد کش عرف بساؤن اور شیخ اولاد محمد۔ خود الذکر کے تین بیٹوں میں صرف ابدال محمد صلت سے نسل چلی اُن کے چار بیٹے ہوئے: محمد ارشاد علی، بشیر احمد، ولی محمد اور حافظ نذیر احمد (ف ۱۸۵۷ء) مولوی اور شاد علی (ف ۱۹۰۰ء) نے انگریزوں کی حکومت میں مختلف عہدوں پر کما کیا۔ ۱۸۵۷ء میں وہ کرنل جارج سلٹن کے ساتھ علاقہ ملتان میں سر رشتہ دار تھے۔ پروفیسر طارق احمد نظامی ملتان کے پڑپوتے ہیں۔

مولوی بشیر احمد فریدی کے بارے میں مولف تحقیق الانساب نے لکھا ہے :-

”ڈپٹی بشیر احمد صوبہ پنجاب کے محکمہ نہریں ڈپٹی مجسٹریٹ ہے بصلہ خدمات حکومت سے دومرتبہ خلعت و انعام پایا۔ ابتداءً ضلع میں ڈپٹی کلکٹر تھے، پابند مذہب و مبنی شریعت تھے، حکام بالا دست سے عرض کیا کہ مقدمات میں سود کی ڈگری دینا پڑتی ہے جو اپنے مقدمات مذہبی کی رو سے جائز نہیں سمجھتا، میرا تبادلہ محکمہ انہار میں کر دیا جائے۔ حکام نے سمجھا یا کہ اس محکمہ میں چار سو روپیہ ماہوار سے زیادہ ترقی نہ ہو سکے گی اور موجودہ صورت میں نو سو روپیہ ماہوار تک مشاہرہ پانے کا موقع ہے۔ مگر انھوں نے کم تنخواہ پر قانع رہنا منظور کیا مگر سود کی ڈگری دینی قبول نہ کی“ (تحقیق الانساب ۲۸۸)

مولوی بشیر احمد کی اولاد میں زوجہ اولیٰ سے ایک فرزند مولوی حسین احمد تھے اور زوجہ ثانیہ سے مولوی حسن احمد، حسین احمد، طفیل احمد اور مولوی بشیر احمد ہوئے۔

مولوی حسین احمد کی عمر زیادہ نہ ہوئی ان کی تعلیم لاہور، بھاو پور اور پنجاب کے دیگر شہروں میں ہوئی تھی پھر امر وہ میں اپنی زمینداری کا انتظام سنبھال لیا تھا ایک بار موسم سرما میں کھوڑے کی سواری کر کے گاؤں سے آئے تو ڈبل نمونیا ہو گیا، اسی میں واصل بحق ہوئے۔ مولوی حسین احمد مرحوم کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں: نجیبین احمد، تسلیم احمد، ابرار اور نسیم احمد۔ سارہ خاتون اور سیدہ خاتون۔

یہی تیسرے بیٹے حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی قدس سرہ العزیز ہیں تسلیم احمد راقم الحروف کے والد ماجد (متوفی جنوری ۱۹۸۷ء) ہیں اور سیدہ خاتون (متوفی ۵ اگست ۱۹۸۶ء) پردیس خلیق احمد نظامی کی والدہ ماجدہ ہیں رحمہما اللہ رحمۃ واسعہ۔

نہیال

مولانا فریدی کا نہیال سلسلہ حضرت شاہ ابن بدشتی علیہ الرحمۃ سے ملتا ہے وہ حضرت شیخ علاء الدین فیل مست کے خلیفہ تھے، آپ کا سلسلہ طریقت بھی حضرت بابا فریدؒ شکر علیہ الرحمۃ تک پہنچتا ہے، وہ آگرہ سے آکر امر وہ میں رونق افروز ہوئے تھے۔

علامہ عبدالقادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ اُن سے ملے اور انکی بزرگی کا تذکرہ اچھے الفاظ میں کرتا ہے، شاہ ابن کا انتقال ۷۹۸ھ - ۱۵۸۰ء میں ہوا اور وہ بیوے ایش کے قریب اُن کا روضہ ہے، اسی میں وہ خاندانی ہژداڑ ہے جس میں حضرت مولانا فریدی کے والدین اور دادا نیز دوسرے مرحوم افراد خاندان آسودہ ہیں۔

حضرت شاہ ابن حبشی کی اصل انکے چچ بیٹوں سے چلی، ان میں شیخ شاہ احمد کی اولاد میں بڑے نامی طبیب اور علماء بھی گزرے ہیں۔ ریاست حیدر آباد کے پہلے افسر الاطباء حکیم احمد سعید اسی شاخ سے تھے، اسی خاندان میں ایک جلیل القدر شخصیت حکیم شہزاد علی کی تھی ان کے چار فرزند ہوئے حکیم ابن حسن، حکیم احمد حسن، حکیم علی حسن اور نور الحسن۔ حکیم ابن حسن کے لائق فرزند حکیم سید طفیل حسن تھے، جو ابوالنظر رضوی کے نام سے مضامین لکھا کرتے تھے، بڑے علم دوست اور صاحب نظر انسان تھے، حکیم احمد حسن حضرت مولانا یحیٰ احمد فریدی کے نانا تھے۔

مولانا فریدی کے والد ماجد کا انتقال ۱۹۱۴ء میں ہو گیا تھا، اس وقت مولانا فریدی کی عمر تین سال سے زیادہ نہ تھی۔

ولادت

مولانا فریدی اپنے سب بھائی بہنوں سے چھوٹے تھے، انکی ولادت امرہہ میں ستمبر ۱۹۱۱ء بم ۱۳۲۹ھ میں ہوئی، صبح تاریخ اور دن کی ابھی تحقیق نہیں ہو سکی ہے، والد کے انتقال کے بعد ۱۹۱۵ء میں دادا مولوی بشیر احمد کا بھی وصال ہو گیا۔ جامداد کا نظم و ضبط درہم برہم ہو گیا اس لئے ابتدائی زمانہ خاصی تنگی اور پریشانی میں گذرا۔ مولانا کے ماموں حکیم سید علی احمد رضوی مرحوم نے اپنی بہن اور بھائیوں کا خاص طور پر بہت خیال رکھا انکے چھوٹے بیٹے حکیم سید سلطان احمد رضوی (متوفی ۸ اکتوبر ۱۹۸۳ء) جو بڑے حاذق طبیب ہوئے اور بازار نصر الشراں رامپور میں اُن کا بہت کامیاب طب تھا، مولانا فریدی کے ہم عمر تھے دونوں کا کھیلنا اور لکھنا پڑھنا اتنے ساتھ تھا کہ پہلے پرائمری اسکول محلہ پرزادہ میں داخلہ لیا یہاں سے ڈل اسکول میں منتقل ہوئے اور ہندی ڈل کا امتحان پاس کیا، بچپن ہی سے مطالعے کا ذوق پیدا ہو گیا تھا مولانا فریدی نے ایک مضمون میں لکھا:-

میری رسمی مکتب بھی نہیں ہوتی تھی، مانی صاحبہ نے ناز بولداری کے ساتھ ساتھ صاحبزادے کی تعلیم کا بھی خیال رکھا، ماموں صاحب بھی میرے اوپر خاص نظر عنایت رکھتے تھے میں نے پان کھانا انھیں کے پانڈان سے سکھا کچھیں ہی میں شوق مطالعہ پیدا ہوا تو انھیں کے کتب خانے سے چند کتابیں دیکھیں جن میں حضرت مولانا ناتوتوی کی سوانح عمری بھی تھی جو حضرت مولانا محمد یعقوب ناتوتوی نے لکھی ہے۔ رموز الاطباع اور چند دیگر طبی اور ادبی کتابیں بھی دیکھیں۔ (درمقصود جلد ۷۰-۷۱-۷۲)

بچپن ہی میں کھیل کے طور پر ایک بار انھوں نے اپنے ماموں زاد بھائی سلطان احمد صاحب کے ساتھ ایکشن لڑا تھا۔ اور اس میں ہار گئے تھے، تو یہ خیال کیا کہ میں تم ہوں اور غلٹ ہو سلطان احمد کے باپ موجود ہیں اور کھاتے پیتے آدمی ہیں اس لئے مجھے زیادہ ووت نہیں ملے، طبیعت میں شرم ہے ہی سے فقر و سکنت عاجزی اور انکسار پیدا ہو گیا تھا۔

تعلیم

امروہہ کے محلہ دانشمندان میں ایک مدرسہ نورالمدارس تھا، ٹڈل پاس کو لے کے بعد (۱۹۲۷ء) وہاں جانا شروع کیا اور منشی، منشی کامل، مولوی، اعلیٰ قابل وغیرہ مشرقی امتحانات اس مدرسہ میں پڑھ کر پاس کئے اسی زمانے سے شعر گوئی بھی شروع کر دی تھی اور ”امداد“ تخلص اختیار کیا تھا، امروہہ میں ایک بزرگ منشی عزیز احمد عزیز امروہوی تھے ان سے اپنے کلام پر اصلاح لی عزیز صاحب کو مضطر خیر آیا سے تلمذ تھا۔

بالکل ابتدائی دور (۱۹۲۵-۱۹۲۶ء) کے چند اشعار یہ ہیں اس وقت مولانا کی عمر ۱۲-۱۵ سال سے زیادہ نہ تھی۔

ہمارے کچھ دنوں رکھ کر کیا اسکو نہاں تو نے	مدم سے میری سہمی کو کیا اک دم حیا تو نے
یتا لیکن نہ طالب کہ دیا لے جان جان تو نے	تعبیہ کہہ کر اک نئے سے تیرا نور ظاہر ہے
علیحدہ ہی رکھا چاہتا کچھ طرز بیان تو نے	غزل لہذا دکاں کر کہتے ہیں بھی شاعر

یا دجاناں کے سوا عیش ہے کچھ کام نہیں عاشق نادار ہوں میں طالب آرام نہیں

میری امداد پہیہ شافعِ عشر امداد^{۸۴} پر سرشِ عشر سے دانشِ مجھے کام نہیں

امدادِ دخلِ مائے کی میں خاکسار ہوں پہونچا سکے گا مجھ کو نہ دشمنِ ضرر کبھی

کون سی شے ہے نہیں جس میں تجلی تیری قدہ درۂ تیرے جلوے کا تاشائی ہے
بے خبر ہم سے ہے وہ رنگِ میسا امداد کوئی پوچھے کہ یہی شانِ یحائی ہے!

قدم رکھا ہے جبکہ وادیِ اقصیٰ میں غنچہ زچہ کھٹکے رہے نہ کچھ پڑا ہے منزل کی
نہ تو سونا نہ موم کیوں کر بھلا امداد کمر نہ ہے اولاد میں خواہرِ فرید الدین کا دل

دارِ جہیں پہ پڑ گئے کثرتِ پیکرِ بعب ایک نہ ہو گیا پڑھتے ہوئے نازِ عشق

اسی زمانے میں ایک صاحبِ نشی عبد الرشید شکیب تھے جن کی بیاتِ فارسی زبان و ادب میں بہت اچھی سمجھی ریاستِ سروہی (راجستھان) میں ملازم تھے اُن سے فارسی کی کچھ کتابیں پڑھیں اور شاعری میں بھی مشورہ کیا انھوں نے تخلص بدل کر فریدی کر دیا۔ فارسی کی تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا فریدی نے کچھ دنوں مدرسۂ عربیہ مجلہ چلہ میں درس بھی دیا، پھر مدرسۂ اسلامیہ عربیہ جامع مسجدِ امروہہ میں داخلہ لے لیا، یہاں انکے اساتذہ میں مولانا سید رضا حسن (برادر زادہ مولانا احمد حسن محدثِ امرہوی) مولانا انوار الحق عباسی اور حافظ عبد الرحمن صدیقی تھے، بیضاوی اور ترمذی تک امروہہ میں پڑھ کر فراغت کے لئے دیوبند تشریف لے گئے۔ دیوبند میں اُن کے اساتذہ تھے:-

- ۱۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد دہلوی۔
- ۲۔ شیخ الادب مولانا اعجاز علی امرہوی۔
- ۳۔ مولانا میاں اصغر حسین دیوبندی۔
- ۴۔ مولانا مفتی محمد ہول بھاگلپوری۔
- ۵۔ مولانا مفتی ریاض الدین افضل گڑھی۔

۶۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی۔ ۸۵

۷۔ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی۔

۸۔ قاری حفظ الرحمن پرتاب گروہی۔

مولانا فریدی نے کتاب "مکتوبات اکابر" کے مقدمے میں لکھا ہے: "میرا قیام تعلیمی سلسلے میں دارالعلوم کے اندر سنہ ۱۳۵۵ء سے ۱۳۵۷ء تک رہا" (ص ۹)

اسی زمانے میں چند طلبہ کے ساتھ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں بھی پہنچے تھے مولانا تھانوی بیعت وغیرہ کے لئے کسی طالب علم کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے تھے اس لئے ان طالب علموں کو بھی جلدی رخصت کر دیا تھا۔

لاہور میں حضرت مولانا احمد علی مفسر لاہوری کی مجلس درس قرآن کی بڑی شہرت تھی ان کے درس سے استفادہ کرنے کیلئے ۱۹۳۶ء میں لاہور کا سفر کیا، اور تین ماہ قیام کر کے تفسیر کا درس بابا قرآن کریم سے متعلق مختلف موضوعات پر حضرت مولانا احمد علی چھوٹے چھوٹے رسالے بھی نشانے کیا کرتے تھے۔ ایسے کئی درجن رسالے مولانا فریدی راقم الحروف کیلئے وہاں سے لے کر آئے تھے، مگر میں اُس وقت بہت کم عمر تھا جب اُن کو پڑھنے کا وقت آیا تو وہ سب ناپید ہو چکے تھے۔

لاہور کے زمانہ قیام میں شاعر مشرق علامہ اقبال سے بھی ملاقات کی اور پھر لاہور سے دیوبند آ گئے۔ دیوبند کے بھی اساتذہ اُن سے محبت کرتے تھے مگر خصوصی تعلق حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا اعجاز علی اور میاں اصغر حسین جھٹ سے رہا مولانا اعجاز علی صاحب کی بعض تصانیف کے مسودات بھی مولانا فریدی نے اپنے قلم سے صاف کئے اور فرماتے تھے کہ وہ اس کیلئے ایک جزو کی اجرت ۱۲ روپے دیا کرتے تھے۔ اُن کی تالیف "نغمۃ العرب" کی طباعت بھی مولانا فریدی نے دہلی آ کر اپنی نگرانی میں کرائی تھی۔

شیخ الادب مولانا اعجاز علی کا خط

۱۳۵۷ء - ۱۹۳۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے سرفراغت حاصل کی تو شیخ الادب مولانا اعجاز علی صاحب نے مولانا فریدی کو یہ خط لکھا تھا:-

عزیز کرم جناب مولوی انیم ذہور صاحب امر و ہوی زیدت معالیکم
پس از سلام سنون۔ آپ علوم دینیہ عربیہ سے فارغ ہو چکے ہیں اور عنقریب آپ دارالعلوم
سے رخصت ہوں گے، بناء علیہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کر دوں
تاکہ اگر کسی ادارے کا کوئی کام آپ کے سپرد ہو تو اس کے کالکون کو آپ کے متعلق صحیح اندازہ
کرنے کا موقع ملے۔

عزیزم، چونکہ آپ امر و ہرہ کے باشندے ہیں اور یہی وطن میرا بھی ہے، اس لئے میں نے
ان کئی سالوں میں آپ کے حرکات و سکنات تحصیل علم میں تحمل صوبیات، رفتار و گفتار پر پوری
نظر رکھی ہے کیونکہ میں متنی ہوں کہ امر و ہرہ علماء و فضلاء سے خالی نہ رہے۔ سوچتا ہوں کہ بظاہر
اسباب میری توقع بے موقع نہیں ہے۔ آپ نے نہ فقط تحصیل علم میں صوبیات کا تحمل کیا، بلکہ
سادگی اور خوش اخلاقی سے اس طرح پر بسر کی کہ اساتذہ دارالعلوم دیوبند اور میں خصوصاً بہت
زیادہ خوش رہا۔ مجھ کو یقین ہے کہ آپ جس علمی ادارے میں انتظامی، تدریسی یا مالی کام کرینگے اُس کے
ہر فریضے کو باحسن وجوہ انجام دینے میں توفیق الہیہ و جودہ کامیاب ہوں گے۔
میں دعا گو ہوں کہ قادر مطلق آپ کو عمر دراز عطا فرما کر علمی اشاعت کی مخلصانہ توفیق
دے اور اپنی مرضیات میں مصروف رکھے۔

محمد اعزاز علی غفرلہ مدرس دارالعلوم دیوبند
و محقق درجہ مولوی فاضل صوبہ پنجاب
و صوبہ آسام

۲۸ محرم ۱۳۵۷ھ و ۳۱ مارچ ۱۹۳۸ء یوم الجُمُعِیس
مولانا اعزاز علی نے اس خط میں تحمل صوبیات کا ذکر کیا ہے۔ وہ زمانہ بہت سی خانگی
پریشانیوں کا تھا، جائیداد کی آمدنی محدود ہو گئی تھی اور مقتدرات کا سلسلہ پھیل گیا تھا مولانا کے
برادر بزرگ مولوی تسلیم احمد (راقم الحروف کے والد) ان مقتدائیں اچھے ہوئے تھے، وہ کسی مولانا
فریدی کی مالی امداد کر پاتے تھے اور کبھی مجبور ہوتے تھے اُس زمانے میں مولانا کے چچا مولوی شبیر احمد
فریدی لاشرانگی تربت کو ٹھنڈا رکھے) پانچ روپیہ ماہوار بھیج دیا کرتے تھے، بس اُسی میں گزارا
ہوتا تھا، صرف دو جوڑی کپڑے پاس تھے اُن میں بھی خود ہی سپوند لگایا کرتے تھے، مگر کبھی
کسی کے سامنے اپنی کسی پریشانی اور تکلیف کا اظہار کیا، نہ کوئی حرف شکایت زبان پر لائے،

۸۷
 نہ کسی طرح کی آسائش کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بلکہ زندگی کی راحتوں اور آسائشوں سے انھوں نے اپنا رخستہ ہمیشہ کے لئے ایسا منقطع کر لیا تھا کہ اسباب آسائش سے انھیں تکلیف محسوس ہوتی تھی۔

مدرسہ اشفاقیہ بریلی میں

دیوبند سے فراغت ہوئی تھی کہ بریلی کے مدرسہ اشفاقیہ میں ایک استاد کی جگہ خالی ہوئی محضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی جو ہر شائستگی کا نگاہ مولانا فریدی پر پڑی اور انھوں نے ان کو بریلی بلا لیا اس وقت رسالہ الفرقان بھی بریلی سے شائع ہوتا تھا اس کا نہایت اہم اور شاندار محضرت مجدد العثمانی نمبر شائع ہوا تو اس میں بھی مولانا فریدی نے بھرپور مدد دی اسی زمانہ میں محضرت مولانا نعمانی اور مولانا فریدی کے مابین جس لہجی تعلق کی بنیاد پڑی اسے ان دونوں بزرگوں نے ساری عمر ایسا نبھایا کہ اس کی مثال مشکل سے مل سکے گی، مولانا فریدی کا قلم الفرقان کے لئے وقف ہو کر رہ گیا تھا، دوسرے رسالوں کو شاذ و نادر ہی کچھ مل جاتا تھا ورنہ آخر عمر تک الفرقان کا ہر شمارہ پڑھتے رہے اس کا ایک ایک پرچہ محفوظ رکھا اور معذوری کے باوجود اس کے لئے املا کر اگر مضامین لکھواتے اور بھیجتے رہے۔

بڑے بھائیوں کی خدمت

مولانا فریدی کے سب سے بڑے بھائی تحسین احمد تقریباً بیس سال کی عمر میں مجذب ہو گئے تھے اور اس حال میں ستر برس سے زیادہ زندہ رہے شروع زمانے میں تو صبح کی طرف نکل جاتے تھے اور کئی کئی دن گھر والے پریشان رہتے تھے پھر وہ زمانہ آیا کہ گھر میں خاموش لیتے رہتے تھے اور بہت ہی کم کسی سے بات کرتے تھے، جذب اور گہرا ہوا تو لباس کا بھی ہوش نہ رہا، اپنے کپڑے خود ناز تار کرتے رہتے تھے اور کبھی بول و براز بھی کپڑوں ہی میں کر لیتے تھے، مگر عجیب بات یہ ہے کہ ان کے قریب جا کر کبھی کسی کو بدبو کا احساس نہ ہوتا تھا، نہ وہ کبھی بیمار ہوئے، نہ کوئی دوا استعمال کی، نہ غذا میں کسی طرح کی نقائصت کا کوئی لحاظ تھا مگر نوے سال کی عمر میں بھی ان کی طرح بھاگ سکتے تھے، مولانا فریدی نے ۴۵ سال تک ان کے کھانے کپڑے کا، نہانے دھونے اور دوسری ضروریات کا ایسا خیال رکھا کہ صرف یہی مجاہد

کسی شخص کو ولایت و قطبیت کے اعلیٰ ترین مراح تک پہنچانے کیلئے کافی ہو سکتا ہے۔ جب اُن کا انتقال ہوا تو مولانا فریدی علی گڑھ میں پروفیسر خلیق نظامی کے گھر پر تھے، ایک دن صبح کی نماز کے بعد کہنے لگے میں امر وہہ ابھی جاؤں گا۔ نظامی صاحب نے کہا کہ گاڑی آجائے وہ آپ کو اسٹیشن تک پہنچا دے گی۔ فرمایا انہیں ٹیکسل احمد مجھے سائیکل پر بٹھا کر اسٹیشن پہنچا دیں۔ میزبان کو ناگوار بھی ہوا ہو گا کہ یہ ایسی ضد کر کے اور محبت میں تکلیف اٹھاتے ہوئے جارہے ہیں، مگر اُن کے جانے کے بعد امر وہہ سے ٹیلیفون آیا کہ تحسین احمد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ بتایا گیا کہ مولانا فریدی آج ہی روانہ ہوئے ہیں، یہ امر وہہ پہنچے تو اپنے بڑے بھائی کے پیروں سے لپٹ کر بچوں کی طرح روئے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میری والدہ بڑے بھائی کی وجہ سے مرتے دم تک بہت ہی غم زدہ تھیں اور یہ سوچتی تھیں کہ ان کی زندگی کیسے گزرے گی۔

مدرسہ بریلی سے استعفا

جاہزاد اب تھوڑی سی رہ گئی تھی، اور وہ بھی مقدمات میں ابھی ہوئی تھی، گاؤں والوں کی اکثریت جاؤں پر خستل تھی انھوں نے یہ تم کیا کہ ایک رات کو دس بارہ جاٹ لالٹیاں بغیر لے کر ڈیرے پر چڑھ آئے اور میرے والد مولوی ایم احمد پر حملہ آور ہوئے خدا جانے ان کے دماغ پر کوئی شدید ضرب آئی یا خوف کا غلبہ ہوا، وہ بدشواری تمام وہاں سے نکلے اور اسٹیشن پہنچ کر ریل میں بیٹھ گئے کئی دن تک ریل میں ادھر ادھر سفر کرتے ہوئے اپنی بہن کے پاس میرے ساتھ پہنچ گئے۔ اُن کا جماعتی توازن بھی اب صحیح نہ رہا تھا۔ یہ ۱۹۴۲ء کی بات ہے اور ان کا انتقال ۴ جنوری ۱۹۸۷ء کو ہوا ۴۵ سال تک وہ اسی دیوانگی کی حالت میں رہے میری عمر اُس وقت ستر سال تھی دوسرا بھائی چار سال کا اور چھوٹا ایک ڈیڑھ سال کا تھا۔ جاہزاد کا اب دیکھنے والا کوئی نہ رہا، آمدنی معدوم ہو گئی، اور مسائل کے پہاڑ سامنے کھڑے تھے، مولانا فریدی اپنی بریلی کی ملازمت سے استعفا دے کر امر وہہ آگئے تاکہ اپنے دو فائز افضل بھائیوں اور تین کم سن بھتیجیوں کی دیکھ بھال کر سکیں۔ اگر وہ کوئی امیر یا دیوبندوی وسائل رکھنے والے انسان ہوتے تو اتنی اچھی بھال بات شاید نہ ہوتی لیکن اب یہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ انھوں جس محبت اور شفقت سے ہماری پرورش کی اُس میں مولے غیر معمولی مومنانہ صفات کے اور کوئی سرمایہ نہ تھا۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اپنے بھائیوں اور بھتیجیوں کے لئے

خود کو فنا کر دیا۔ میں نہیں جانتا کہ اس کی کوئی دوسری مثال مل سکتی ہے۔ اُسی زمانے میں مظفر نگر کے علاقے میں وہ کسی بزرگ کی خدمت میں گئے اور اُن سے کہا کہ میرے ایک بھائی دیوانے ہو گئے ہیں، اُن کی صحت یابی کے لئے دعا کر دیجئے۔ اُن بزرگ نے جواب دیا کہ حضرت بابا فرید نے ایک دنیا کو اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے، اگر اُن کی اولاد میں بھی ایک دیوانہ ہو گیا تو کیا ہوا؟ یہ واقعہ سنا کر مولانا فریدی مسکرائے اور فرمایا دیکھو انھوں نے کیا جواب دیا۔

مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں

جامع مسجد امروہہ کا مدرسہ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے شاگرد رشید مولانا احمد حسن محدث علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۳۳۰ھ) کا قائم کیا ہوا ہے اسکی مالی حالت اُن دنوں زیادہ مضبوط نہ تھی، عام اسلامی مدارس کی طرح عطیات ہی سے چلتا تھا ۱۹۴۷ء کے بعد ایک دو سال تو بہت تنگی تشری کے گزرنے سے مولانا فریدی کی تنخواہ شاید ۲۵ یا ۳۰ روپیہ ماہوار شروع میں تھی، جب اضافے کا موقع آتا تھا تو وہ خود ہی فرما دیتے تھے کہ میری تنخواہ کافی ہے اضافے کی ضرورت نہیں۔ دفتر اہتمام نے خود ہی کبھی اضافہ کر دیا تو کر دیا جب مدرسے میں عطیات آتے اور تنخواہیں تقسیم ہوتیں تو مولانا فریدی چاہتے تھے کہ پہلے دوسرے اساتذہ کو تنخواہیں دی جائیں اور گنجائش ہو تو پھر اُنکو بھی دی جائے، عموماً وہ اپنی مختصر سی تنخواہ بھی قسطوں میں وصول کرتے تھے کبھی دس روپے طلب کر لے کبھی پانچ روپے لے لے تاکہ مدرسہ کے دوسرے خرچ بھی پورے ہوتے رہیں، وہ اکثر اپنے عزیزوں، لہنے والوں اور عقیدتمندوں سے بھی مدرسے کی امداد کرانے رہتے تھے، ایک بار دفتر اہتمام نے ان سے درخواست کی کہ وہ مدرسے کے لئے سیفر بن کر چلے جائیں، انھوں نے بھی حالات دیکھ کر منظور کر لیا عطیات میں مصارف سفر کے علاوہ بھی سفر کا ”حق معلوم“ ہوتا ہے، مولانا فریدی نے جو کچھ عطیات وصول کئے وہ سب پائی پائی لاکر دفتر میں جمع کر دی اپنا حق بھی نہیں لیا اور مصارف سفر بھی خود ہی برداشت کئے مگر آئندہ کے لئے معذرت کر لی۔

طلبہ سے اور اسلامی مدارس سے انھیں جو تعلق تھا اُسے بے تکلف و عشق کہا جاسکتا ہے طالب علم کی نہایت قدردانی اور عزت کرنے تھے اور اُسے ہر آرام پہنچانے کی سعی کرتے تھے، اپنے ساتھ کھانا کھلاتے چائے پلاتے، حد یہ کہ اطباء اُن کے لئے کوئی خمیرہ یا شربت بنا کر

بیچے تو استقلال کے وقت جو طالب علم موجود ہوتا ایک نو ماکن اس کو بھی چکھا دیتے تھے، شعبان میں سالانہ امتحان سے پہلے طلبہ کو مسجد میں اضافی درس دیتے تھے اور یہ برسوں معمول رہا، تمام شمالی ہندوستان کے دینی مدارس اور مکاتب کے سفراء کے لئے اُن کی مسجد ایک ہیڈ کوارٹری بنی ہوئی تھی، ہر مدرسے کو خود بھی عطیہ دیتے تھے اور شہر کے ذی استطاعت حضرات سے بھی دلاتے تھے صرف ان کے توسط سے ہزاروں روپیہ دوسرے مدارس میں بھی بطور عطیہ پہنچتا تھا۔

منصب افتاء

مدرسہ جامع مسجد میں جب تک درس دیتے رہے، افتاء کا منصب بھی ان کے پاس تھا، جتنے فتوے طلب کئے جاتے تھے سب کا جواب انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ اور ضرورت ہوتو کئی کئی کتابیں دیکھ کر اور غور و فکر کر کے لکھتے تھے، اُن کا حساب اچھا تھا اس لئے فرائض کا کام بھی وہی انجام دیتے تھے، شہر اور مضافات کے سب لوگ ان کے فتوے کا بہت احترام کرتے تھے اس لئے کسب جانتے تھے یہ بے نفس، بے لوث اور کھرے انسان ہیں کسی سے لگی پٹی نہیں رکھتے، شاید کسی ہالی کورٹ کے جج نے بھی اتنے مقدمات کا فیصلہ نہ کیا ہوگا جتنے مقدمات و مسائل مولانا فریدی نے مسجد کی چٹائی پر بیٹھ کر نماد دیئے، دونوں فریق لڑتے ہوئے کھ درد ہاں آتے تھے مولانا فریدی پہلے ایک کو بلاتے اس کی پوری کتھا ایسی توجہ اور دلچسپی سے سنتے جیسے انھیں اُس کے ساتھ پوری ہمدردی ہے پھر اسے رخصت کر کے دوسرے فریق کو بلاتے اور اس سے بھی ساری کتھا سنتے تھے، دونوں کے بیانیوں اور ثبوتوں کی روشنی میں مسئلے کی حقیقت واضح ہو جاتی تھی اور ان کے فیصلے عموماً دونوں فریق خوش دلی سے قبول کر لیتے تھے، خدا جانے کتنے گھر انھوں نے بسا دیئے، کتنے مسلمانوں کو عدالت میں گھسٹنے سے بچایا اور کتنے خاندانوں کی پرانی عداوتوں کو ہمیشہ کے لئے دفن کرادیا۔ امر وہہ کے عوام میں ایک اصطلاح تھی کہ اچھا تو یہ فیصلہ اب سپریم کورٹ میں ہوگا اور اس سے مراد مولانا فریدی کی عدالت ہوتی تھی، امر وہہ میں بہت سے علماء ہوئے ہیں اور اپنے اپنے میدانوں میں سب کے کارنامے منفرد ہیں مگر مولانا فریدی کی نظیر ملنا دشوار ہے، ایک تو یہ کہ وہ صرف قلم کے دھنی نہیں تھے محض زبانی و عطا بھی نہیں کرتے تھے، سراپا حرکت و عمل تھے اور اپنی معذوری کے باوجود ایسے ایسے کردہ میں چلے جاتے تھے، جہاں کوئی جانا پسند نہ کرے گا،

اور عوام کے ہر طبقے میں اُن کی مقبولیت یکساں تھی۔ بالکل بے پڑھے لکھے گنوار اور کندہ ناتراش لوگوں سے بھی وہ اس طرح ملتے تھے کہ اپنے علم و فضل یا بزرگی یا شہرت یا کسی اور طرح کی بزرگی کا اظہار کیا شاہد بھی نہ ہوتا تھا۔

بے نفسی اور سادگی

مولانا فریدی بے نفسی اور فنائیت کی سچی تصویر تھے۔ لباس میں، کھانے پینے میں، کسی چیز میں کسی طرح کا تکلف یا اہتمام نہ تھا، اکثر صرف کرتے اور تہ بند میں ہی شہر اور دیہات کے گشت پر چلے جاتے تھے ورنہ ایک کرتہ اور ایک پاجامہ، ایک ٹوپی اور ایک جوڑی چپل اُن کی کل کائنات تھی۔ لباس میں اکثر سیوند بھی لگا لیا کرتے تھے انھیں اس سے غرض نہ تھی کہ یہ سیوند بھٹا لگے گا یا کپڑا دوسری قسم کا ہے۔ اکثر میری والدہ یا بھوپھی مرحومہ اُن کیلئے ایک دو جوڑے کپڑے سی کر بھیجتی تھیں اگر ان کے پاس جو لباس ہے وہ اس لائق ہوتا کہ دس ہفتہ دن اور چل جائے تو نیا جوڑا کسی ضرورت مند کو، عموماً کسی طالب علم کو دے دیتے تھے۔ اُن کے سامان میں ایسا کوئی بکس یا صندوق نہ تھا جسے کپڑوں کا صندوق کہہ سکتے۔ جو صندوق تھے اُن میں بھی کاغذ اور کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ انسان کو ہضم و کھانے کی ضرورت کے لئے بیسیوں اشیاء درکار ہیں، اُنکے سامان میں نہ کوئی برتن تھا، نہ بستر تھا، بس وضو اور طہارت کے لئے دو لوٹے تھے پچھلی رات کو اُٹھ کر وضو کر کے تہجد پڑھتے تھے، پھر کچھ ذکر و شغل ہوتا تھا، فجر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر کے لئے سو جاتے تھے۔ اُٹھ بکے کے قریب ناشتہ کرتے تھے، عموماً باسی روٹی کھا لیتے تھے کبھی بسکٹ اور چائے بازار سے منگا کر خود بھی ناشتہ کرتے اور حاضر الوقت حضرات کی ضیافت بھی اُسی سے ہو جاتی تھی مسجد کی چٹائی ہی اُن کا بستر تھا گرمیوں میں فرش کو پانی ڈال کر ٹھنڈا کر لیا جاتا تھا جاڑوں میں ایک گتہ انیچے بچھالیتے تھے ایک چھوٹا سا گادھکیہ تھا اُس پر سر رکھ کر لیٹ رہتے تھے۔

خالص ترک

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ مجھے پہلے بھی دنیا جمع کرنے کی رغبت نہ تھی، اب پھر میرا سیوند ایسی جگہ ہوا کہ بابا صاحبؒ کی نظر میں دونوں عالم بیچ تھے خالص ترک

تھا، اس خالص ترک کا مفہوم مولانا فریدیؒ کو دیکھ کر سمجھ میں آسکتا تھا وہ ترک و
تجربہ و تفریق کا ایک نادر روزگار نمونہ تھے، حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا بھی یہ حال تھا
کہ کبھی کبھی کئی وقت فاقہ ہو جاتا تھا، اور کریر کے پھل اُبال کر کھائے جاتے تو ان میں تک
بھی نہ پہتا تھا، اگر داد و دہش کا یہ عالم تھا کہ جو بھی ان کی خانقاہ میں آتا تھا اسے کچھ نہ کچھ
ضرور دیا جاتا تھا۔ مولانا فریدیؒ کا بھی ایسا ہی معاملہ تھا کتنی بیوائیں اور غریب لوگ
اور طالب علم ایسے تھے جن کی وہ برابر مدد کرتے تھے اور دوسروں سے بھی اُن کو کچھ نہ کچھ ملاتے
رہتے تھے، ایک بڑے نامی گرامی خاندان کی بیوہ تھیں جن کے حالات اب ناگفتہ بہ ہو گئے
تھے، وہ اپنا حال مولانا فریدیؒ کو لکھا کرتی تھیں اور یہ پابندی سے ان کو کچھ نہ کچھ بھیجتے
رہتے تھے۔ انتقال سے چند روز قبل بھی اُن کو منی آرڈر بھیجوا یا جو طالب علم احمدیہ سے
فارغ ہو کر جا چکے تھے ان کی بھی خبر رکھتے تھے اور ان میں سے جس کی حالت خستہ ہوتی
تھی اسے منی آرڈر سے کچھ روپیہ بھیجتے رہتے تھے۔ مولانا کے ایک عزیز نے اُن کے مرض الموت
کے زمانے میں پانچ سو روپے بطور نذر بھیجے وہ انھوں نے جزیر انے طالب علموں کو بھیجوا دیے
غالباً یہ خیال کیا کہ میرے انتقال کی اطلاع پا کر وہ احمدیہ آنے کو تڑپیں گے اور انگلستان کی
وجہ سے آنے سکیں گے اس لئے اُن کا زاد راہ پہلے ہی روانہ کر دیا۔

قناعت اور توکل اور غنائے نفس کا مفہوم بھی مولانا فریدیؒ کی ذات میں محسوس
ہو گیا تھا انھیں کبھی کسی چیز کی خواہش کرنے ہوئے نہیں دیکھا گیا، نہ کسی چیز کے نہ ہونے پر
مغموم پایا گیا، پیسہ اگر پاس ہو تو کبھی ایک لمحے کے لئے یہ خیال نہ کرتے تھے کہ اس کی ضرورت کل کو
بھی ہو سکتی ہے صرف ایک مدایسی تھی جس میں وہ بے دریغ خرچ کرتے تھے اور اس کے لئے
بعض اوقات کسی سے قرض بھی لے لیتے تھے یعنی کتابوں کی خریداری پر اپنی حیثیت اور مالی
استطاعت سے زیادہ خرچ کرتے تھے جس زمانے میں مدرسہ جامع مسجدیں درس دیتے تھے وہاں
کو کھانا کھانے کے لئے میری والدہ کے پاس محلہ قریشیان میں آتے تھے، راستے میں ایک تھوکان میں
پڑتی تھیں جن پر کبھی کوئی پرانی کتاب بھی نظر آ جاتی تھی، حبیب میں جو دو چار روپے ہوتے وہ
دے کر کوئی نہ کوئی کتاب لے ہوئے آتے تھے۔ میرے نانا حضرت شاہ سلیمان احمد رحمتی علیہ الرحمہ
(سجادہ نشین نجم حضرت شاہ عبدالہادی و خواجہ شاہ عبدالباری قدس سرہما) کے کتب خانے
کی بہت سی کتابیں چوری ہو گئیں اور ان میں سے بعض کتابیں مولانا فریدیؒ کو دے دی گئیں یا

۹۳
کتابوں پر ایسے تو غریب کر لاتے اور نانا صاحب کو دے دیتے تھے۔

کتابوں سے عشق

محلے کے ایک بچے کو جو تمیم تھا اور دماغی طور پر ماؤن، یہ تنگ تھی کہ کتابوں کو ضائع کرتا تھا، مولانا فریدی تجب اپنے گھر میں طہارت کیلئے یا کسی اور ضرورت سے داخل ہوتے تو یہ اُنکے پیچھے دیے پاؤں چپکے سے گھس کر بند ہو جاتا تھا اور کتابیں اٹھا کر چھپت پرے جاتا وہاں بیٹھا انھیں پھاڑتا رہتا تھا، اس طرح اُس نے سیکڑوں ناد کتابیں تباہ کر دیں مولانا فریدی کو اگر دنیا میں کسی چیز سے واقعی اور گہرا تعلق تھا تو کتابوں ہی سے تھا، انھیں اس کا تقاضا ضرور ہوا ہو گا اس کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا مگر صرف اس لئے برداشت کر لیتے تھے کہ وہ معذور ہے اور یتیم ہے۔

اسی طرح انھوں نے اپنی کتابیں دوسروں کو پڑھنے کے لئے دیں تو بہت لوگوں نے واپس نہ کیں مگر وہ کسی بھی موضوع پر کام کرنے والوں کی ہر طرح امداد کرتے تھے اور اپنے پاس جو کچھ مواد ہوتا تھا، وہ اُس کے حوالے کر دیتے تھے۔

مطالعہ کتب

جب تک بینائی نے ساتھ دیا وہ عشا کی نماز کے بعد لائیں سرہانے رکھ کر اس کی مدغم روشنی میں دیر تک مطالعہ کیا کرتے تھے اسی سببے بینائی کمزور ہوتی گئی، انھیں رتوند کچین آتا تھا اور اس کا سبب یہ کہ کچین میں غذا بھر پور نہیں ملی وٹامن اے کی کمی رہ گئی، رات کو لائیں یا تاراج ہاتھ میں لے کر چلا کرتے تھے۔ ۱۹۷۳ء میں علی گڑھ جا کر ایک آنکھ کا آپریشن کروایا اور وہ ناکام ہو گیا، ناکامی کے تین اسباب تھے: ایک تو جن لوگوں کو رتوندہ آتا ہے اُن کا آپریشن دشوار ہوتا ہے اور بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت پڑتی ہے، دوسرے مولانا نماز نہیں چھوڑ سکتے تھے مسجد کے حالت میں سارا دوران خون آنکھوں کی طرف ہو جاتا ہے، آپریشن کے بعد یہ بات سخت مضر ہے مگر انھوں نے اس کی بھی برداشت نہیں کی اور حسب معمول اپنے رب کے حضور میں سجدہ و تیری کرتے رہے۔ تیسرے یہ کہ ڈاکٹر نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ کچھ نہ پڑھیں ورنہ آپریشن خراب ہو جائے گا، مگر مولانا فریدی بغیر مطالعہ کئے نہیں رہ سکتے تھے، ایک بار دیکھا

گیا کہ وہ چاند کے اندر چھپ کر تاریخ کی مدد سے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ ایسے میں بھلا پولیش کیا کامیاب ہوتا! مولانا فریدی کے انتقال پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تعزیتی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے بالکل صحیح فرمایا تھا کہ مولانا فریدی کو علم سے وہی تعلق تھا جو پھلی کو پانی سے ہوتا ہے۔“

کتابوں کی کھوج

اُن میں تحقیق کا مادہ فطری تھا، ہر بات کی کھوج خوب کرتے تھے، اور ایک لفظ کی تحقیق کے لئے میلوں کا سفر کرنے چلے جاتے تھے۔ اُنھوں نے سیکڑوں قصبوں اور دیہاتوں کے کتب خانوں اور ذاتی ذخیروں کو بھی کھنگال ڈالا تھا، اور ایسی جگہ سے کتاب نکال کر لاتے تھے، جہاں سان گمان بھی نہ ہوتا تھا۔ میرٹھ، موانہ، کھنولی، پھلت، پھلاوہ، نانوتہ، گنگوہ، سہارنپور، رامپور، منہیاران، مراد آباد، رامپور، سیتاپور، لاہرپور، خضر آباد، لکھنؤ، چاندپور، گلا دھمی، خوجہ اور خدا جانے کہاں کہاں وہ کتابوں کی تلاش میں کھوے ہیں اور کیسے کیسے گوہر آبدار نکال کر لائے ہیں۔ کتاب خانوں کے مالک بھی اُن کی سادہ و پے ریا شخصیت کو دیکھ کر متاثر ہوتے تھے اور غموماً انھیں کتابیں دیکھنے بلکہ گھرے جانے کی اجازت بھی دے دیتے تھے، رمضان میں چند روز کیلئے رامپور جاتے تھے وہاں قاضی شہر کا قدیم اور قابلِ قدر کتب خانہ ہے، قاضی صاحب ہر شخص کو کتابیں نہیں دکھاتے تھے مگر انھیں اپنے کتب خانے کی چابیاں دے دیتے تھے، اور یہ فجر کا زمانہ کے بعد سے ظہر تک اور کبھی عصر تک ان کے کتب خانے میں بیٹھے مطالعہ کرتے رہتے تھے۔

مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلویؒ

فائبا، ۱۹۴۷ء کا قصہ ہے چاندپور کے ایک غیبی نے ہماری جائداد کا کچھ حصہ خرید لیا تھا یا کچھ اور بات تھی، مولانا فریدی اُس سے ملنے کیلئے چاندپور گئے، اُس وقت مولانا فریدی چاندپور ہی بقید حیات تھے، اُن سے ملے اور اُن کا کتب خانہ دیکھا، اسی میں ایک قلمی کتاب ملی جس کے دو حصے تھے، پہلے حصے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے وہ خطوط تھے جو شاہ محمد عاشق پھلتی کے فرزند شاہ عبدالرحمن پھلتی نے جمع کئے تھے اور دوسرے حصے میں وہ مکتوبات تھے جو اپنے بیٹے کے وفات پانے کے بعد خود شاہ محمد عاشق نے فراہم کئے تھے، یہ ایک نایاب مجموعہ تھا جس کا

کوئی دوسرا نسخہ نا حال معلوم نہیں ہے، مولانا فریدی نے اس وقت تو اس کا مطالعہ کیا اور کچھ نوٹ سرسری طور پر لے، پھر مولانا جاند پوری کے انتقال کے بعد ان کے لائق فرزند نے یہ نسخہ مولانا فریدی کو گھر لے جا کر نقل کرنے کیلئے دے دیا یہ ذرا بدخط اور خوش بھی تھا اسے پڑھنے اور صحیح نقل کرنے کیلئے بہت محنت کی ضرورت تھی، مولانا فریدی مدرسے سے اگر ظہر کی نماز کے بعد اپنے گھر میں بند ہو کر زمین میں بیٹھتے تھے اور اسے نقل کیا کرتے تھے، سخت گرمی کا موسم تھا اور گھر میں کھلی چٹھا کچھ نہ تھا، ہوا بھی وہاں گذرنہ کرتی تھی گرمیہ دنیا دیا، وہاں سے بے خبر اس کے ایک ایک لفظ کو صحت کے ساتھ لکھنے میں محو رہتے تھے، اور اتنا پسینہ آتا تھا کہ کبھی وہ جگہ بھی تمہرے جاتی تھی جہاں بیٹھے ہوتے تھے اس طرح انھوں نے یہ سودہ پورا نقل کیا، اس میں جو خطوط سیاسی موضوعات پر تھے وہ مع اردو ترجمہ پر وفیسر خلیق احمد نظامی کو دے دیئے جنھوں نے اپنے مقدمہ و حواشی کے ساتھ انھیں شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات کے نام سے چھپوایا، باقی مکتوبات چار سو سے زائد وہ ہیں جو علمی و دینی موضوعات پر ہیں، بھارت کے مفکر و مفکرین باوجود مولانا فریدی نے انھیں پڑھوا کر ایک ایک لفظ سا بار بار خود کر کے متن کی پوری صحت کی پھر ان کا نہایت سلیس اور شگفتہ ترجمہ ملا کر آیا، تمام مکتوبات میم کے حالات جمع کر کے لکھوائے، مکتوبات میں بولے ہوئے مواقع آئے جن کی تشریح کی ضرورت تھی ان پر حواشی لکھوائے، یہ چار جلدوں کا مواد ہو گیا۔ اسکی طباعت و اشاعت کے لئے حکیم عبدالحیہ صاحب دہلوی سے بات ہوئی تھی اور انھوں نے اشاعت کا ذمہ لیا تھا مگر کسی نہ کسی وجہ سے اس میں تاخیر ہو رہی رہی اور مولانا فریدی کو آخر وقت تک اگر کسی شاکی حسرت رہی تو یہی تھی کہ وہ ان مکتوبات کو کتابی صورت میں چھپایا دیکھ لیتے مگر خود فرماتے تھے کہ "انسان کی ہر خواہش پوری نہیں ہوا کرتی" اب ان خطوط کو شائع کرانے کی ذمہ داری اس ناچیز پر آ پڑی ہے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ میری کمی اس آخری خواہش کی تکمیل کا ذریعہ بن سکوں۔ وَمَا هُوَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ۔

خصوصی موضوعات

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے خاندان کے بالکمال حضرات بھی مولانا فریدی کو خصوصی ملحق تھا اور اس موضوع پر جتنا کام انھوں نے کیا ہے وہ برصغیر میں اور کسی نے نہیں کیا۔ ان کے اختصاصی موضوعات تھے اکابر دین و دہر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اور ان کے نامور اخلاف حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کا خاندان حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ اور انکی تحریک جہاد مطالعہ و تحقیق میں مولانا فریدی کے علمی اسفار کے علاوہ انکی غیر معمولی قوت حافظہ کو بھی بڑا دخل تھا، ان کے ہوش و حواس اور قوت حافظہ آخری لمحہ تک درست رہی۔ ان سے ملنے کیلئے ہزاروں انسان آتے تھے، دوسرے شہروں پوری پوری جماعتیں آتی تھیں، بعض حضرات سال دو سال کے بعد ملتے تھے، مگر کمال یہ تھا کہ مولانا صرف ”اسلام علیکم“ سن کر آواز سے پہچان لیتے تھے کبھی نام دریافت فرالیتے اور نام سے سمجھ جاتے تھے، اس سے زیادہ تحقیق کی ضرورت شاید ہی پیش آتی تھی بعض کتابیں انھوں نے برسوں پہلے کبھی پڑھی تھیں مگر حافظے میں یہ محفوظ تھا کہ اُس میں کیا لکھا ہے، ایک بار انھوں نے کسی بات کا تذکرہ ”انوار الیعون“ کے حوالے سے کیا، میں نے اسی زمانے میں وہ کتاب پڑھی تھی، عرض کیا کہ اُس میں تو یہ بات نہیں ہے، نہایت میٹھے لہجے میں فرمایا: ”اب پھر دیکھنا“ دیکھا تو واقعی اُس میں وہی لکھا تھا جو مولانا نے فرمایا تھا کبھی منسل سے کبھی قلم سے دوران مطالعہ نوٹس بھی لکھتے رہتے تھے ایچ بیگم دوں پر بے انکے کاغذوں میں محفوظ ہیں مطالعے میں انکی نظر مسائل کی جزئیات پر بہت گہری تھی، اور مختلف کتابوں کے مطالعے سے نتائج کا استنباط خوب کرتے تھے۔ تحریر میں احتیاط بھی بہت تھی کوئی ایسا لفظ نہ لکھتے تھے جس میں تاویل کی گنجائش رہ جائے، ترجمہ و تفسیر کے وقت اختلافی مسائل کو ایسی باتوں کو جن سے عوام میں فتنہ یا غلط فہمی پیدا ہو نہ صرف بھی کر دیتے تھے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مکتوبات میں انھوں نے بعض عبارتوں کا ترجمہ یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ ان باتوں کو عوام نہیں سمجھیں گے۔

عقائد اور مسلک

اپنے عقائد اور مسلک میں وہ پوری طرح علمائے دیوبند کے پیرو تھے، مگر عقائد میں کسی سے الجھت نہ تھا، دوسروں کی باتوں کو بھی پورے تحمل سے سنتے تھے، ایسی کوئی بات نہ کہتے تھے جس سے کسی کی طعنا زاری ہو، البتہ اگر کوئی مخالف مسلک کا آدمی عوام میں فتنہ پھیلاتا تھا تو اس کا کام کر مقابلہ کرتے تھے، اور اس کام کے لئے سفر کی مشقتیں بھی خوب اٹھاتے تھے۔

میرے نانا کا حضرت شاہ سلیمان احمدؒ حضرت مولانا احمد حسن محدث امرہویؒ کے شاگرد تھا اور جامع مسجد کے مدرسہ سے ہی فراغت کی تہ حاصل کی تھی، مگر بعض مسائل میں

وہ اختلاف رکھتے تھے، مولانا فریدی روز دو پہر کو کھانا کھاتے آتے تھے تو کبھی نانا صاحب کے پاس آکر بیٹھ جاتے، اور کسی اختلافی مسئلے پر گفتگو شروع کر دیتے۔ مولانا فریدی ان کا بے حد احترام کرتے تھے، میری والدہ کہتی بھی تھیں کہ ان سے کھانے کے وقت ایسی باتیں نہ چھڑا کر رہیں مگر نانا صاحب نے ان کی باتیں سنتے تھے، اور کبھی بہت ہی اختصار کے ساتھ کوئی جواب دے دیتے تھے۔ مولانا فریدی کے جانے کے بعد اکثر نانا صاحب میری والدہ سے فرماتے تھے: ”تمہارے خاندان میں یہ ایک فرشتہ پیدا ہو گیا ہے“ کبھی مجھ سے یوں فرماتے تھے: ”یہ ایک عجیب غریب چیز پیدا ہو گئی ہے، اس کی قدر کرنے رہنا“ (اور لفظ عجیب غریب کو خاص طور پر زور دے کر کہتے تھے)۔

مولانا فریدی میرے اکثر مضامین پڑھوا کر سنتے تھے اور ان میں کوئی لفظ بھی اگر زیادت ہوتا تو اسے یاد رکھتے تھے ملاقات ہونے پر اسکی طرف توجہ دلاتے تھے، بعض مضامین میں کوئی بات میری انکے عقائد کے خلاف ہوتی تھی مگر اس پر کبھی مجھ سے مواخذہ نہیں کیا، میں بھی کبھی اتنی گستاخی کرتا تھا کہ ان سے اختلاف کر کے اپنی دلیلیں پیش کرتا تو بہت مجھ سے مسکرا کر سنتے رہتے تھے۔

علمائے دیوبند سے تعلق

انتقال سے چند ماہ پیشتر شہر کے ایک وکیل صاحب کی عیادت کیلئے آئے اور کچھ سیاسی گفتگو کرنے لگے۔ اسی میں انھوں نے جمعیتہ العلماء کے سیاسی کردار پر سخت الفاظ میں نکتہ چینی کی، مولانا فریدی یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ انکے سامنے کوئی علمائے دیوبند کی سجادت کے اس وقت بیمار بھی تھے، مولانا کو مزید تکلیف پہنچ گئی، اور دل و دماغ پر اتنا بوجھ پڑا کہ شدید بیمار ہو گیا، کئی دن تک بخار چڑھا رہا میں حاضر خدمت ہوا تو بتایا کہ فلاں کوئلہ صانے ایسا کہا اسکی مجھے اتنی ناگواری ہوئی کہ بخار آ گیا میں نے کہا کہ آپ کو دو مرس کے عقائد اور مسلک کا اتنا اثر نہیں لینا چاہیے پوری تاریخ اسلام میں کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا جب امت کسی ایک سیاسی مسلک پر ترقی ہو گئی ہو، بہر صورت یہ دیکھنا چاہیے کہ ہم تو غلطی پر نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے نوبت ترین کافروں و مشرکوں اور شرکوں کو بھی چھوٹ دے رکھی ہے۔ یہ باتیں سن کر ان کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔

انکی وجہ سے جمعیتہ العلماء کو اہم و ہمہ اور اسکے آس پاس علاقوں میں ہمیشہ بہت تقویت حاصل رہی اس کا ہر کام بڑی لگن و محنت سے کرتے تھے، اسی طرح تبلیغی جماعت کے

وہ نہایت سرگرم فعال اور مخلص کارکن تھے۔ ۱۹۴۷ء سے وفات تک تقریباً ۴۲ سالانہ عرصہ میں بیکروں جماعتیں بنانا کر دوردور تک بھیجتے تھے اور اکثر خود بھی جاتے تھے انھوں نے جوانوں میں دین کا بھینسا بکھڑا کر دیا تھا اور حیرت یہ ہے کہ نوجوان خاص طور پر انگریزی مدارس کے تعلیم یافتہ نوجوان انکی طرف بہت کھینچتے تھے اور شخص پہلی ہی ملاقات میں گرویدہ ہو جاتا تھا۔ انھوں نے بے شمار مسجدوں کو آباد کر دیا، چھوٹے چھوٹے دیہات میں جہاں مسجد نہ تھی مسجد تعمیر کروائی اور مسجد تھی تو اس میں مدرسہ شروع کر دیا آج کتنے ہی مدارس ایسے ہیں جو مولانا فریدی کے قائم کئے ہوئے بہت کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ دیہاتیوں کے سامنے ایسی پراثر تقریر کرتے تھے جس میں علمیت کا بوجھ بالکل نہ ہوتا تھا، اور بات دل میں پیوست ہو جاتی تھی۔

۱۹۶۸ء میں میں مولانا کے ساتھ حیدر آباد جا رہا تھا، ریل میں کھڑکی کے پاس بیٹھے تھے میوا کے علاقے میں کہیں جنگل میں گاڑی رگ گئی وہاں پندرہ بیس آدمی سیدل جا رہے تھے انھوں نے دورے مولانا فریدی کو دیکھ لیا اور ریل کے پاس آکر ان سے باتیں کرنے لگے سب کو حیرت تھی کہ یہاں جنگل میں بھی انکے چاہنے والے نکل آئے نماز پڑھنے کیلئے کچھ دیر تک تھری کرتے رہے قبلہ کا صحیح اندازہ نہیں ہو پارہا تھا حیدر آباد پہنچ کر پہلا کام یہ کیا کہ ایک قطب نام لگوا دیا اور اسے واپسی کے سفر میں اپنے ساتھ رکھا۔

معمولات

مولانا فریدی کے کچھ معاملات نوروز مراد کے تھے جو تہجد کے وقت شروع ہوتے تھے اور رات کو گیارہ بار بجے تک لوگوں کی آمد کا سلسلہ رہتا تھا اگر ذکر یا تسبیح وغیرہ وہ کسی کے سامنے نہ پڑھتے تھے مراقبہ بھی کرتے تھے تو اپنے مکان میں بند ہو جاتے تھے۔ ایک بار میں کسی ضرورت کے ان کے پاس گیا میری آواز سن کر دروازہ کھول دیا میں نے دیکھا کہ ان کا چہرہ ہنستا رہا تھا اور آنکھیں سرخ انگارہ پوری تھیں آواز میں ایسی کیفیت تھی گویا نئے میں اس وقت انھوں نے مجھ سے ایک باتیں ایسی کہیں کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور یہ یقین ہو گیا کہ انکی کشتہ کی کیفیت بھی بہت بڑھی ہوئی ہے عموماً وہ اپنی کسی بات یا کسی ادا سے یہ اظہار نہ ہوتے دیتے تھے کہ وہ کوئی دلی الش یا دوش یا صاحب باطن انسان جیسا عام آدمی کا سا برتاؤ رکھتے تھے، ہزاروں آدمی محو ترس اور بے چارے سے دعا کرانے یا تعویذ لینے آتے تھے تعویذ کسی کو نہ دیتے تھے، اکثر مالی دم کے دے دیا

کرتے تھے، اگر کوئی ایسی کیفیت ہوتی تھی جس میں طبی علاج کی ضرورت ہو تو طبیعے رجوع کرنے کا مشورہ دیتے تھے اور عموماً حکیم صیانت اللہ صاحب کے پاس بھیج دیتے تھے۔ لوگ مالکی دروغا است کرتے تھے تو کبھی یہ نہیں دیکھا کہ انھوں نے کسی کیلئے ہاتھ اٹھا کر ان کے مقصد کی وجہاً صحت کر کے یا اس کا نام لے کر اسکے سامنے ہی دعا کر دی ہو، نماز کے بعد خدا جانے اپنے رب سے کیا مانگتے ہوں گے اور کیا پانے ہو گئے، مگر ان کا دعا دینے کا انداز مختلف تھا، باتوں باتوں میں دعا دیتے تھے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ: ”ناچہل سال بندہ مسعود آن کر وہ کہ خدای خواست، اکنوں خدا آن کی کند کہ بندہ مسعودی خواہد“ مولانا فریدیؒ نے بھی اپنی پوری زندگی کو مریضیات الہی کے سانچے میں ڈھال دیا تھا، اور اپنی ہر خواہش کو فنا کر دیا تھا اس لئے انھیں بھی وہ مقام حاصل ہو گیا تھا کہ

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گر چہ از حلقوم بعد اللہ بود

قدرت اللہ شہاب نے اپنی سوانح عمری میں لکھا ہے :-

”اگر عبادت یا نماز کا مجاہد کسی دنیوی غرض سے نہ کیا جائے بلکہ اس ارادے سے کیا جائے کہ بے تکلف افعال صالحہ کا صدور ہونے لگے تو وہی شقت ہر ہر فعل کی معاون و مددگار ہو جائے گی اور روح کامل کا راستہ وا ہو جائے گا یہی انتقامت سے بڑی کرامت ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رضا کا سایہ ہر وقت چھایا رہتا ہے۔ ایسے لوگ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں یعنی انکی اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں ان کا ارادہ بھی دعائیں جاتا ہے انکی خواہش بھی دعا ہوتی ہے چونکہ انکی اپنی خواہش کا دائرہ سمٹ سمٹ کر صفر کے برابر ہو گیا ہوتا ہے اس لئے انکی دعائیں انکے ارادے اور انکی خواہشیں زیادہ تر دوسروں کے لئے ہوتی ہیں جن پر قبولیت کا فضل وارد ہوتا ہے، اپنی ذات کیلئے انکی صرف ایک ایک دعا اور خواہش ہوتی ہے وہ حسن خاتمہ کی ہوتی ہے“ (شہاب نامہ ۱۷۵، طبع لاہور ۱۹۸۸ء)

دعا کا اسلوب

مولانا فریدی کے پاس اگر کوئی شخص آتا اور مثلاً کسی مفقود الغیر کے ملنے کی دعا کرنے کو کہتا تو اس کا حال پوچھتے رہتے، اس سے پوری ہمدردی اور مدد جی کا اظہار کرنے کے بغائب ہوا، کیوں گیا؟ کہاں جاسکتا ہے؟ اس طرح کی باتیں کرتے کرتے اُس سے درمیانیں کہہ دیتے: ”بھسا“

اللہ مددگار ہے، جب شخص آجائے تو مجھے بھی بتانا، میں بھی دعا ہو گئی، جسے عورت عام میں کرتا ہے، کہا جاتا ہے اسکے واقعات اگر جمع کے مابین تو بلا بلا لکھ ایک پوری کتاب تیار ہو سکتی ہے مگر مولانا فریدی کو اختلاف حال کا اتنا شدید اہتمام تھا کہ ان احوال و کیفیات کو ہر شخص بھی بھی نہیں سکتا تھا جس کو کوئی تجلی نظر آگئی وہ پھر ان کا دل و جان سے عقیدت مند ہو جاتا تھا۔

ہفتہ وار معمولات

انکے کچھ معمولات ہفتہ وار تھے مثلاً ہر جمعرات کو عصر کی نماز جامع مسجد میں ادا کرتے تھے اور پھر عشاء کے وقت تک ہاں رہتے تھے اس دوران میں جماعتوں کی تشکیل کر کے انھیں اطرا و جوانب میں روانہ کرتے تھے۔ رات کا کھانا ہمیشہ عشاء کی نماز کے بعد کھاتے تھے اور دوپہر کا نماز ظہر سے قبل کھاتے ہیں پر تکلف چیزوں سے مطلقاً رغبت نہ تھی بلکہ بے دلی سے کھاتے تھے، گھی استعمال نہیں کرتے تھے۔ مرغ سے قطعاً بچسی نہ تھی گوشت تھوڑا بہت کھا لیتے تھے، مگر انکی مرغوب غذا دال چاول تھی اسکے ساتھ پودینے اور بری سرسج کی چٹنی بڑے شوق سے کھاتے تھے، بیماری کے زمانے میں ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ انھیں چوزے کی بخنی بنا کر پلائی جائے مگر چوزے منگو کر دو ایک گھر میں رکھوا دیئے گئے تھے اور وہاں سے احسن امیر کھانا ایک چوزہ ذبح کر کے لے آتے تھے اس کی بخنی کا پیانی ایک پیالی میں اکوہ کہہ کر دیا جاتا تھا کہ یونانی دوا ہے ذائقہ خوب تھا اس لئے وہ پہچان نہ پاتے تھے، ایک بار بجائے کس طرح انھیں بھنگ لگ گئی کہ چوزے کی بخنی دی جا رہی ہے، بہت ناگواری کے ساتھ فرمایا: میں چوزے کھاؤں گا؟ ہزاروں مجلس انسان ایسے ہیں جنھیں دوا بھی سیر نہیں، بڑی دشواری سے ان کو وہ ایک پیالی پلائی جاتی تھی۔

سالانہ معمولات

معمول یہ تھا کہ رجب اور شعبان میں جامع مسجد کے طلبہ کو درس دے کر امتحان کی تیاری کراتے تھے، رمضان میں چند روز کیلئے رامپور جاتے اور قاضی شہر کے کتب خانے میں مطالعہ کرتے وہاں سے آکر میرٹھ، دیوبند، پھلت، پھلا دودھ وغیرہ اطراف کا سفر کرتے اور آخری عشرے میں مہارن پور پہنچ جاتے تھے، جہاں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا علیہ الرحمۃ کی خدمت میں رہتے، شیخ الحدیث ان کی بہت محبت فرماتے تھے۔ دسترخوان بچتا تو سب سے پہلے

مولانا فریدیؒ اور ان کے رفقاء کو آواز دی جاتی تھی حضرت شیخ الحدیث انھیں اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے اور بار بار اپنے دست مبارک سے انھیں کچھ دیتے رہتے، خصمت کرتے وقت بھی شیخ انھیں کچھ نہ کچھ مرحمت فرماتے تھے، ایک بار بہت اصرار کر کے دوسروں نے غایت فرمائی حضرت شیخ نے خود ہی انھیں اپنی خلافت سے بھی سرفراز فرمایا اور بہت تاکید کی کہ یہ خلافت یوم نہیں دے رہا ہوں اس کا نفع لوگوں کو پہنچاؤ۔ مگر مولانا فریدیؒ کا ذوقِ اخفاءِ اجازت نہیں دیتا تھا کہ کسی کو مرید کریں، اپنے اکابر سے اور ان کی اولاد سے جو تعلق تھا اس کی وجہ سے بھی کسی کو مرید نہ کرتے تھے دوسروں کی خدمت میں بھیج دیا کرتے تھے۔ انھیں مولانا فتح محمد میواتیؒ اور مولانا سید مقبول حسن نے بھی بلا طلب خلافت عطا فرمادی تھی موصوف الذکر کیلئے تو مولانا فریدیؒ کو کہتے نہ گیارہ میں اُن کا معتقد ہوں اور وہ میرے معتقد ہیں۔

ہر طبقہ میں مقبولیت

مولانا فریدیؒ اگر دستِ بیعت قبول کرتے تو یقیناً ان کے لاکھوں مرید ہوتے۔ سارا شہر کیا قریب حواری کے کمی اضلاع ان کے گرویدہ تھے، شہری ہو یا دیہاتی، عالم ہو یا جاہل، مدرسہ اور محنت سے تعلق رکھنے والا ہو یا کالج اور یونیورسٹی کا زائر ہو یا کوہِ شیشہ کسان ہو یا اہلِ حرفہ، جوان ہو یا بچہ، اُن کے عشاق ہر طبقے میں اور ہر جگہ موجود تھے اس کا ہمیں بھی اتنا اندازہ نہ تھا کہ یہ لوں پر ایسی حکومت کر رہے ہیں، کچھ اندازہ ہوا تو ان کے جنازے کا جلوس دیکھ کر ہوا جس میں چھ سات سال کے بچے تک شامل تھے ہزار ہا خواتین ان کی میت کا دیدار کرنے آئیں، کتنے ہی بوڑھے اور پانچ لوگ دوسروں کے مہارے چل کر ان کی میت پر گئے، ہجوم کا یہ عالم ہو گیا کہ جبکہ سیر سے جو اکل گیا وہ پھر اسے پہن نہیں سکا شہر میں جگہ جگہ چھوٹے ہوئے جوتوں کے ڈھیر لگا دیئے گئے تھے۔

حج بیت اللہ شریف

خاتمہ زمینداری کے جو باندھے تھے ان میں سے اپنے حق کے باندہ فروخت کر کے وہ ۱۹۶۱ء میں حج بیت اللہ کیلئے تشریف لے گئے تھے اس وقت تک کچھ مبنائی موجود تھی اگر کلان حج اور طواف و زیارات کے بعد ان کا باقی وقت مدرسہ مولیٰ کے کتب خانے میں بسر ہوتا تھا وہاں سے بھی انھوں نے کئی نوادر برآمد کئے، انھیں میں وہ مثنوی، موزن، ہجواں، بھیجتی ہجری

حضرت حافظ ضامن شہید علیہ الرحمۃ کا حال نظم ہوا ہے، اسے مولانا فریدی ہی نے دریافت کیا تھا، جمع سے واپسی میں جو سامان انکے ساتھ تھا اس میں آب زمزم، کھجور اور چند تسمیوں کے علاوہ ایک فاؤنٹین میں تھا جو انھوں نے اپنی ضرورت سے خرید لیا تھا اور ایک لکڑی کا سٹوڈ تھا جس کی فرمائش میرے ماموں صاحب نے کر دی تھی۔

صدر جمہوریہ سے سند امتیاز

حکومت ہند عربی و فارسی کے اسکالرز کو سند امتیاز دیتی ہے اس کے ساتھ پانچ ہزار روپیہ سالانہ پنشن بھی تاجیات ملتی ہے (یہ اب اس ہزار ہو گئی ہے) مولانا فریدی کے علمی مرتبے کو دیکھتے ہوئے اور یہ خیال کر کے کہ ان کا اب کوئی ذریعہ آمدنی بھی نہیں ہے، مہانوں کا اور طلبہ کا سلسلہ روز افزوں ہے، میں نے انھیں نو قطعاً بھٹک بھی نہیں گئے، دی عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے وائس چانسلر سے ان کا نام حکومت کو بھجوا یا اور ایک خط حکیم عبدالحامید صاحب لکھوایا، چنانچہ ۱۹۸۱ء میں ان کو سند امتیاز مل گئی مگر مجھے بہت اندیشہ تھا کہ وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیں گے جن اتفاق سے اسی سال مولانا محمد رابع حسنی ندوی کو بھی یہ سند ملی تھی میں نے ان کا حوالہ دیا اور بعض دوسرے حضرات سے کہلوایا کہ مولانا اسے قبول کر لیں۔ وزارت تعلیم سے کلکٹر مراد آباد کے نام برقیہ آیا کہ مولانا فریدی کو جا کر مبارکباد دو کہ انھیں سند امتیاز ملی ہے، کلکٹر نے پہلے امر وہہ کے ایس ڈی ایم کو بھیجا، وہ یہ سوچ کر آیا ہو گا کہ وہاں شاد دبانے بج رہے ہونگے اور ٹھائیاں بٹ رہی ہوں گی دیکھا تو مسجد کی پرانی چٹائی پر ایک درویش بیٹھا ہوا ہے اور چند متقدمین حسب معمول جمع ہیں، اس نے بڑی گرم جوشی سے مبارکباد دی مگر یہاں تو ابھی یہی زیر غور تھا کہ اسے قبول بھی کریں یا نہیں وہ یہ کہتا ہوا گیا کہ انھیں نو کوئی خوشی نہیں معلوم ہوتی، میرے دل میں بعد کو یہ خیال آیا کہ ہماری لاکھوں روپے کی زمینداری ختم ہو گئی اور اس کے باند کوڑیوں کے مول تک گئے، ہمارے ڈیمے پر گاؤں والوں نے زبردستی قبضہ کر لیا، اور ۶۶ میگا کالمنی آئموں کا بارش بھی کوڑیوں میں نیلام ہو گیا، اب اگر حکومت کے علمی خدمات کے صلے میں کچھ مل رہا ہے تو اسے رڈ کرنا کیسے مناسب ہو سکتا ہے، اخذ کی شان کہ کچھ دن کے بعد ہی اتفاقاً مولانا فریدی کی زبان پر خود بخود آگئے اور فرمایا کہ میں نے اسے ڈیمے اور بارش کا معاوضہ سمجھ لیا ہے۔

ایوان صدر میں

اب یہ مرحلہ سامنے آیا کہ ۲۰ مارچ ۱۹۸۲ء کو راضی شری بھون میں یہی جلسہ ہونا تھا جس میں صدر جمہوریہ ہند کے ہاتھوں شمال اور سندھ وصول کی جاتی ہیں نے بار بار انہیں مولا کو آمادہ کیا کہ وہ اس جلسے میں تشریف لائیں، راقم الحروف اور خواجہ حسن ثانی نظامی انہیں ساتھ لے کر ایوان صدارت تک گئے مولوی عبد الحق انکے ساتھ امر وہہ سے آئے تھے انھوں نے نہایت وقار کے ساتھ شمال اور سندھ وصول کی، جلسے کے بعد دوسرے محقق ہال میں چلے گئے کیونکہ ادھر کمرے وغیرہ بہت کھٹک رہے تھے، اندر آگاندھی سب سکاڑوں کے ملاقات کر رہی تھیں میں نے کہا کہ عربی فارسی کے علماء سے بھی مل لیجئے تو وہ اس ہال میں گئیں جہاں مولانا فریدی بیٹھے ہوئے چائے پی رہے تھے، جیسے ہی مولوی عبد الحق نے بتایا کہ اندر آگاندھی اس طرف آ رہی ہیں مولانا ایک ہاتھ میں اپنا جھولا اور دوسرے میں بید لے کر کھڑے ہو گئے تاکہ ان کے آنے پر اٹھنا نہ پڑے اور دونوں ہاتھ بھی خالی نہ رکھتے تاکہ وہ مصافحہ نہ کر سکیں۔ انھوں نے یہ اوارڈ میری پاسداری میں قبول کر لیا تھا ورنہ ایک دوبار جب غصہ آیا تو فرمایا کہ ”یہ تم نے اچھا نہیں کیا“

مولانا فریدی کی ایک کرامت

جن دنوں ملک میں ایمر جنسی نافذ تھی اور نس بندی کا ہنگامہ گرم تھا۔ امر وہہ میں عربی مدرسہ کا ایک طالب علم محاف میں روٹی بھروانے بازار گیا تھا اسے تحصیل کے عملے نے پکڑ کر اسکی نس بندی کر دی۔ ایسے بہت سے واقعات ہو چکے تھے مگر اس طالب علم کا یہ واقعہ مولانا کے علم میں آیا تو بے چین ہو گئے۔ ایسے حالات میں انکی بھوک بند ہو جاتی تھی اور کئی دن کھانا نہیں کھاتے تھے، فوراً سہارنپور روانہ ہوئے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب علیہ الرحمۃ سے دعا کی درخواست کی۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ بہت دیر تک حضرت شیخ کے ساتھ حجرے میں بند رہے اور جب برآمد ہوئے تو اڑھائی آنسو سے تر تھی۔ بس دعا کر کہ امر وہہ واپس آ گئے۔ مولانا فریدی نے کبھی کسی کے لئے بددعا کا کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا، بہت ہی زیادہ غصہ آتا تھا تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں

اس شخص کو کہیں بددعا نہ دے دوں، حضرت شیخ سے ملاقات کے بعد ایک دن امر وہ
میں خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب آئے ہوئے تھے وہ حسب دستور مولانا فریدی کی خدمت
میں حاضر ہوئے تو ان سے فرمایا کہ میں نے سنا ہے آپ اندرا گاندھی سے ملتے رہتے ہیں میرا
ایک پیغام اُن تک پہنچا دیں خواجہ صاحب نے کہا کہ میں ان سے ملتا تو نہیں رہتا البتہ
کبھی ایسا اتفاق ہو جاتا ہے کہ کسی جلسے میں وہ بھی ہوں اور میں بھی موجود ہوں تو سرسری
ملاقات ہو جاتی ہے فرمایا خیر! وہ جب بھی ملیں تو آپ میرا پیغام پہنچا دیں کہ حکومت
فسق و فجور کے ساتھ تو صل جاتی ہے ظلم کے ساتھ نہیں چلتی اگر انھوں نے یہ نظام بند نہ کئے
تو ان کا تختہ پلٹ جائے گا حسن ثانی صاحب کو یہ پیغام پہنچانے کا موقع نہ ملا مگر اس
درویش خدا مست کی زبان سے جو الفاظ نکلے تھے وہ ایسے نکلے پر لگے کہ ایم جی جی کے بعد جو
عام انتخابات ہوئے ان کے نتیجے میں کانگریس (آئی) کو پورے شمالی ہندوستان میں ایک سیٹ
بھی نہ مل سکی اور خود اندرا گاندھی جیسی شخصیت کو راج نراٹھن جیسے مسخرے نے شکست دینا
دے دی۔ اس فتح و شکست کے اور ہزاروں اسباب علل ہو سکتے ہیں مگر یہ واقعہ ہمارے
مشاہدے میں آیا ہے اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ ایک قوی سبب یہ بھی تھا۔

بیچ قوے را خدا رسوا نکرد

نادل صاحب دلے نامد برد

جلال فاروقی کا ایک واقعہ

ایک صاحب نے اپنے کسی عزیز کو دھمکانے کے لئے پولیس انسپکٹر کو بلایا، وہ مولانا فریدی
صاحب الی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے، پولیس انسپکٹر انھیں تلاش کرتا ہوا مسجد میں آیا
اور اپنے غرور و نخوت میں جو توں سمیت مسجد کے اندر گھستا چلا گیا مولانا فریدی اپنے رفقاء
کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے، انسپکٹر فرعون بے سامان کی طرح رعونت سے بولا فلاں شخص
کہاں ہے؟ اور کچھ اس طرح کے الفاظ کہے کہ تم لوگوں نے کیا پاکستان بنا رکھا ہے؟ مولانا
فریدی کو جلال آگیا اُسے بہت سختی سے جھڑکا اور جوتے پہنے ہوئے اندر آئے پر سخت تنبیہ
کی، اُس سے نہایت جلال کے عالم میں کہا مجھے پتہ ہے پاکستان کہاں ہے؟ نقشہ لے کر آ
میں تجھے پاکستان دکھاؤں۔ اُس وقت مولانا فریدی کا جلال ایسا تھا کہ وہ انسپکٹر بھی

ایک مہم گیا اور اٹھ پانچ چلا گیا پھر اُسے خدا جانے کیا دکھایا گیا کہ اُس نے دوبارہ آکر مولانا کے پیر کو کرماتی مانگی اور کئی بار معافی مانگنے آیا۔ اُس کا مروہہ سے تبادلہ ہو گیا تو شاید گورکھ پور یا گوندہ سے مروہہ کے بعض لوگوں کو خط لکھنا رہا کہ مجھے مولانا سے معافی دلا دو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بہت زیادہ پریشان تھا۔

ایک بار انھیں کوئی کتاب ملی اُس کا حال مولانا ابو الحسن زید فاروقی کو خط میں لکھا اور مجھ سے فرمایا: تم دیکھنا مولانا زید میاں اس کتاب کی وجہ سے مروہہ تک نہیں گئے کچھ ہی دنوں کے بعد مولانا زید میاں نے قاضی سجاد حسین صاحب کی معرفت مجھے پیغام بھیجا کہ میرا مروہہ جانا چاہتا ہوں چنانچہ تاریخ طے کی گئی، مولانا زید میاں، قاضی سجاد حسین صاحب اور یہ خاکسار موٹر سے مروہہ گئے مولانا زید میاں کے اکلوتے جواں مرگ ممتاز لڑے ڈاکٹر محمد ابو الفضل فاروقی ڈرائیو کر رہے تھے، زید میاں کئی گھنٹے مروہہ میں رہے اور اس کتاب سے اپنے مفید مطلب تقاضات حاصل کئے۔ اسکے باوجود کہ مولانا فریدی کو اپنا حال چھپانے کا زبردست اہتمام تھا، ایسے صد ہا واقعات ہیں جو انکی صحبت میں رہنے والوں کے شاہدے میں آتے رہے، اُن واقعات کو صحیح کیا جائے تو اچھی خاصی ضخیم کتاب ہو جائے۔

آخری زمانہ

رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ - ۱۹۸۸ء میں انھوں نے اپنے سب معمولات سفر وغیرہ حسب عادہ پورے کئے مگر کمزوری تھی اس پر کچھ ٹو کا اثر ہوا اور بخار رہنے لگا، اسہال کی شکایت بھی ہو گئی، وہ ہمیشہ یونانی ہی استعمال کرتے تھے، اور علاج یا حکیم سلطان احمد صاحب مرحوم کا ہوتا تھا یا حکیم عبداللہ صاحب اور انکے صاحبزادے حکیم شعیب اختر کا۔ علاج سے فائدہ بھی ہوا مگر وہ تسلسلے سے نہ چھوڑتے تھے، دیہات کا سفر ویسے بھی نہایت تھکانے والا ہوتا ہے کہیں مدرسے کا سنگ بنیاد رکھنے جا رہے ہیں، کہیں مسجد کا افتتاح کر رہے ہیں، کہیں فارغ طلبہ کو سند اور دستار دینی ہے کسی مدرسے کی شوریٰ کا جلسہ ہے، کسی غلصے کے گھر کوئی تقریب ہے اُس کی دلداری منظور ہے، غرض کوئی نہ کوئی بہانہ سفر کا نکلتا تھا اور وہ اس کمزوری و معذوری کے باوجود سفر کیلئے آمادہ ہو جاتے تھے، دیہاتیوں میں سفر کرنا، کہیں رکشائیں کہیں پیدل، کہیں بیل گاڑی میں، گاؤں کے کوہڑے کھڑے چلی پھرتی ہوئی دھوپ سائیں سائیں کرتی ہوئی تو کسی چیز کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور جہاں مسجد یا مدرسے کا

یہ تبلیغ کا کوئی کام ہوتا تھا وہاں ہر طرح کی مشقت برداشت کر کے پہنچ جاتے تھے۔ اس وقت تک بعد انھیں مکمل آرام اور دوا کی ضرورت تھی مگر اس کام میں نہ ملا اور وہ نہ کربخارا آتا رہا۔

مجھے ستمبر ۱۹۸۸ء میں گویانا (جنوبی امریکا) ایک کانفرنس میں جانا تھا اور اسکی تیاری خاصی ہو گئی تھی کہ خود مجھے اگست میں بنو بیا ہو گیا اور یہ سلسلہ خاصا طویل رہا اسکی وجہ سے وہ سارا پروگرام منسوخ کر دیا اور بعد کو اندازہ ہوا کہ اگر میں ملک سے باہر چلا جاتا تو آخر وقت میں مولانا فریدی کی خدمت سے مقررہ جانا عسی آن تکر ہوا نتیجتاً وہ حیدرآباد میں اسے بھی مولانا فریدی کی کراہت ہی سمجھتا ہوا۔

وفات

مولانا فریدی ڈاکٹری علاج کیلئے کسی طرح آمادہ نہ ہونے لگے، بعض مخلصین نے مولانا اسعدیہا کو اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کو لکھا ان حضرات نے اپنے خطوط میں شورہ دیا کہ ڈاکٹری علاج سے بہتر مناسب نہیں ہے، ادھر مراد عزیز ڈاکٹر زفرین احمد نظامی علی گڑھ سے آئے انھوں نے بھی اصرار کیا تب ۸ اگست ۱۹۸۸ء سے ڈاکٹری علاج شروع کیا گیا اس فائدہ بھی ہونے لگا تھا، مگر کچھ باتیں ایسی بھی ہوتی رہیں جو طبی اصول کے خلاف تھیں پس اب یہی کہا جاسکتا ہے کہ مولانا کی عمر اتنی ہی تھی اور ذہنی اعلیٰ کی طرف سے بلاوا آگیا تھا۔ انسانی تدبیریں ایک لمحہ بھی کم و بیش نہ کر سکتی تھیں۔

۶ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۸ء منگل کی صبح ۸ بجے ۴۵ منٹ پر علم و فضل فقر و درویشی، ایثار و اخلاص، ارشاد و ہدایت، رحمت و شفقت کا یہ سیکریم جس میں عالم اسباب ظواہر سے روپوش ہو گیا۔ **بِی مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِکٍ مُّقْتَدِرٍ** مگر ہزاروں لاکھوں چاہنے والوں کے دلوں کو اس کی یاد ہمیشہ گرانی رہے گی اور تبلیغ دین و اقامت شریعت و احیاء سنت کیلئے انھوں نے جو کوششیں کی ہیں وہ اپنے برگ و بار لاتی رہیں گی۔

مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَسْتَ فَعَلَيْكَ كُنْتُ أَحَادِثَ

(اب تمھارے بعد جس کا بھی چاہے مرجائے، مجھے تو تمھاری جدائی کا بھی دھرم کا لگا ہوا تھا) مجھے دہلی میں ہوائی جہاز پر یہ دلہن زخمی اور فوراً موٹر سے روانہ ہو گیا۔ اس دن گڑھ مکتبہ کے پاس نوجہندی ایکسپریس پڑی سے اتر گئی تھی اس لئے دہلی سے جانے والی ٹرینیں بند تھیں، مولانا کے انتقال کی خبر نہ پڑی تھی نہ کسی اخبار میں بھی پھر بھی مراد آباد، رامپور، سنبھل جن پور، علی گڑھ دہلی کے علاوہ قرب جوار کے دیہات ہزار ہا عقیدت مند اس طرح امروہہ پہنچ گئے جیسے مولانا کے انتقال کی خبر کسی فرشتے نے پھونک دی ہو سیکڑوں آدمی توحیت کا دیدار کر کے اور فاتحہ پڑھ کر ہی شام

۱۰۷
 تک ایس ہو گئے، دس ہزار سے زیادہ افراد نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور جنازے کی مشایعت کرنے والوں کا اندازہ لگانا مشکل ہے ہزاروں افراد کو کاٹھ پالیوں کا موقع ہی نہیں ملا کیونکہ جنازے تک پہنچنا دشوار تھا جلوس میں جس کی جوتیاں پیر سے نکل گئیں وہ انھیں دوبارہ نہیں پہن سکا جلوس کے راستے صبح کو جا بجا چھوٹی چھوٹی موتیوں کے ڈھیر پائے گئے۔

تذفین

ان کی تدفین کے مسئلہ پر بھی کچھ اختلاف ہوا جو اس وقت بڑا ناخوشگوار معلوم ہوتا تھا لیکن اب جب اس کی یاد آتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی ان کی محبوبیت کے آخری مظاہرے کا غیبی انتظام تھا۔ میری یہ رائے تھی کہ انھیں حضرت شاہ عبدالہادی علیہ الرحمہ کی درگاہ میں حضرت شاہ عبدالباری کے پاس دفن کیا جائے کیونکہ یہ دونوں ان کے سلسلہ طریقت کے شائع اور حضرت شاہ عبدالباری حضرت سید عبدالرحیم فاطمی شہید بالاکوٹ کے مرشد تھے۔ میرا خیال تھا کہ مولانا فریدی کے وارث کی حیثیت سے یہ میرا حق ہے اسی بناء پر میری طرف سے اس تجویز پر اصرار بھی ہوتا رہا لیکن شہر کے بہت سے حضرات جن میں مولانا سے قریبی دینی تعلق رکھنے والے بھی تھے چاہتے تھے کہ مولانا کی تدفین مدرسہ جامع مسجد کے حدود میں ہو بلکہ ایک مرحلہ تو ایسا آیا کہ کچھ لوگ گھر میں سے میت کا پلنگ اٹھا کر جامع مسجد لے گئے۔

خدا کا کرنا یہ ہوا کہ حضرت مولانا اسعد میاں نماز مغرب سے قبل ہی دہلی سے پہنچ گئے انھیں یہ قصہ معلوم ہوا تو مجھے بلوایا میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کا مقام و مرتبہ مجھے معلوم ہے اور آپ کے کسی حکم کو مولانا فریدی بھی ہرگز نہ ٹال سکتے تھے لہذا اب جو آپ کا فیصلہ ہو گا وہ مجھے تسلیم ہے مولانا اسعد میاں اس بات سے خوش ہوئے اور فرمایا کہ جو ان لوگوں کی خواہش ہے آپ اسے پورا ہونے دیں۔ میں نے عرض کیا کہ اب میرے کچھ عرض کرنے کی تو گنجائش ہی باقی نہیں رہی عرض کیا کہ انھوں نے حکم دیا اور جامع مسجد امرودہ کے صحن میں جانب جنوب ایک کھد تیار کی جانے لگی تو کوئی دو دو ڈھائی فٹ کھودنے پر ایک اوپر برآمد ہو گئی۔ ان حضرات نے خود ہی آکر کہا کہ وہاں تو ایک اور قبر نکل آئی اور دوسری قبر کی جگہ نہیں ہے میں نے کہا اب یہ اللہ کی جانب سے فیصلہ ہوا ہے چنانچہ

اُس وقت یہ تجویز سامنے آئی کہ محلہ جھنڈا شہید کی جس مسجد کی چٹائی پر مولانا فریدی کے شبِ روز گزرتے تھے، اور جس کے ایک حجرے میں اُن کی کتابیں بھی رہتی تھیں (اس حجرے کا وہ ماہانہ کرایہ ادا کرتے تھے اور مسجد کی بجلی اور ٹیکھا استعمال کرنے کی وجہ سے بجلی کا بل بھی ادا کیا کرتے تھے) اسی کے متصل ایک کمرہ میں اُن کو دفن کیا جائے۔ اس پر سب کا فوراً اتفاق ہو گیا اور رات کو دس بج کر چالیس منٹ پر اُن کی میت کو کچی اینٹوں سے بنائی گئی محلہ میں اتارا گیا۔ یہ حجرہ مسجد کے دروازے سے بالکل متصل جانب شمال ہے۔

مولانا فریدی کا ایک خواب

اپنی بیماری کے آغاز میں مولانا فریدی نے اپنا ایک خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں نے دیکھا ہے مسجد میں میرا بستر زمین کے اندر اتر رہا ہے۔ اُس وقت تو کسی کا ذہن ادھر منتقل نہ ہوا، دفن کے بعد بغیر خود واضح ہو گئی۔ ایک بار شاید ۱۹۷۳ء میں اُن پر ٹائیفائیڈ کا شدید اور مکرر حملہ ہوا تھا، بظاہر بچنے کی کوئی امید نہ تھی، اُس وقت حکیم سلطان احمد صاحب مرحوم کا علاج تھا، ان کی صداقت اور فہانت شہرہ آفاق تھی ایک دن اُنھوں نے مجھے تنہائی میں لے جا کر کہا کہ مولانا کا اب آخری وقت ہے، تمہیں جو کچھ خدمت کرنی ہے کرو۔ سخت سراپمگی پیدا ہو گئی تھی اور اسی زمانے میں یہ بھی سوال میرے ذہن میں آیا تھا کہ ان کی آخری آرام گاہ کہاں بنے گی، میں نے سوچا تھا کہ اگر اسی مسجد کے اس حجرے میں وہ آسودہ ہوں تو یہ مناسب رہے گا۔ مولانا فریدی نے اس زمانے میں نہایت ضعف و نقاہت اور اطباء کی مایوسی کے باوجود ایک دن مجھ سے فرمایا کہ میں ابھی مر تھوڑی رہا ہوں۔ صحت ہو جائے تو پھلت جاؤں گا اور تیار پور بھی جاتا ہے۔ وغیرہ۔ اور واقعی وہ تندرست ہو گئے اور کئی برس تک پھر اچھے معمولات میں منہمک رہے مگر توفیق کے لئے اس وقت میرے دل میں جو خطرہ گذرنا تھا وہ شاید اُن پر بھی کشوف ہو گیا تھا اور اسی طرح وقوع میں آیا جیسا میں نے سوچا تھا۔

ابھی ہزاروں باتیں لکھنے کی ہیں مگر صفحات کی تنگ دامانی کا خیال دامن گیر ہے

انشاء اللہ مولانا فریدی کی سوانح عمری بہت سی ضروری تفصیلات اور حوالوں کے ساتھ شائع کرانے کا ارادہ ہے اس لئے کہ ان کی جیسی جامع کمالات ہستی روز بروز پیدا نہیں ہوتی بقول میر؎

میت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پرے سے انسان نکلتے ہیں

اور مولانا فریدی نے تو ایسی پاکیزہ مثالی اور مجاہدات سے بھرپور زندگی گزاری ہے کہ ایک تعزیتی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا تھا "ان کا بہروپ بھربا بھی آسان نہیں کوئی شخص اگر نقل کرنے کے لئے بھی مولانا فریدی بننا چاہے تو کامیاب نہ ہو سکے گا" اللہ تعالیٰ ان کے مراتب بلند کرے، اپنی خاص رحمتوں سے مالا مال فرمائے اور ہمیں توفیق دے کہ ان کے نام کو اور کام کو زندہ رکھ سکیں۔ آمین



<p>مدارس اسلامیہ عربیہ اسکول انکلیج کے طلبہ کے</p> <p>ایک نایاب تحفہ</p> <p>تقریر رکھیے کریں</p> <p>حصہ اول - دوم ۵/- حصہ دوم - چہارم - پنجم ۱۰/- مکمل سٹ ۲۲/-</p> <p>۴ نفٹ</p> <p>اپنے کسی قریبی کتب فروش سے حاصل کریں، یا ہمیں لکھیں</p> <p>مولانا محمد کاظم ندوی</p> <p>ناشر</p> <p>مکتبہ رایت کاٹوری لکھنؤ ۲۲۶۱۰۷</p>	<p>فتنہ تجیز</p> <p>برصغیر میں مسلمانوں پر اپنی نوعیت کی پہلی جماعت اور تحقیقاتی کتاب جس میں جینز کی شرعی حیثیت اور ان کی حقیقت اور سماج پر اس کے گہرے اثرات و نتائج کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے، کتاب میں ہندو پاک کے چوٹی کے علماء و مفکرین کے بعیرت افروزا دہ پر مبنی مقالات شامل ہیں۔ اعلیٰ کتابت، عمدہ طباعت و بہ زیب و سروق، ہر ایک کے لئے</p> <p>۲۲۶۱۰۸</p> <p>الفرقان پبلشرز</p> <p>۳۱ نیا گاولن مغربی، نئی دہلی ۲۲۶۱۰۸</p>
--	---

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ارا العلوم دیوبند

از۔ مولانا نسیم احمد فریدیؒ

ساتھی دہلی کے مستوں نے بارہن دیوبند
دعوتِ سافر صہبائے طیبہ کا جوا
قاسم و محمودؒ اور نے نہڑے خم کے خم
آج بھی ساتھی کی چشم خاص کی تاثیر دیکھ
آج بھی آفاق اس میکے کی دھوم ہے
دور کفہ جامِ شریعت دور کفہ ہندوستان
اس کے ہر مخوار کو ہر مغاں کا حکم ہے
کاش بلے ساتھی دہلیؒ تو بھی آکر دیکھتا
تیرا دورِ جامؒ دورِ جوخ سے بھی تیز تر
یا ابھی حشر تک باقی ہے یہ کدہ
اس کی ہر سر اینٹ میں تاریخ ماضی ثبت ہے
مسلم ہندی اگرچہ مفلس و نادار ہے
خوگتیں جب دہلی مرحوم کی آتی ہیں یاد
جن کی کوشش سے چلا ہے دورِ صہبائیؒ

جب رکھی بنیاد میخانہ بطور یادگار
جو نہ نشانِ ازل کئے قطار اندر قطار
اپنی وسعت کے مطابق لی گیا ہر بادہِ غوار
بادۂ مغرب کے متوالوں کا ٹوٹا ہے خار
چار جانب سے سمٹ کر آئے ہیں بادہِ غوار
یہ خصوصیت یہاں ہر فرد میں ہے آنکار
تا خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار
اپنے میخانہ کی رونق اپنے زمیں کی بہار
تیرا مستقبل ترے ماضی سے بڑھکر شانہ
دور میں ساغر ہے تے تاگر دیش ایل و نہار
ہند میں بزمِ ولیؒ کی ہے یہ واحد یادگار
پھر بھی اس سر راہِ ملت کا ہے سرمایہ
دیکھ کر اس کو پہل جاتا ہے قلب سوگو
نور سے معمور کر دے اے خدا ان کے مز

آفریدیؒ تو بھی ہو ساغرِ کفیت مینا بدوش

طالبِ جوشِ عمل ہے ساتھی ابر بہار

لے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

نافیۃ عصر ستدی واستادی

مولانا نسیم احمد فریدی

ولادت

آپ کی ولادت باسعادت ستمبر ۱۹۱۱ء موافق رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ کو اپنے آبائی مکان واقع محلہ جھنڈا شہید امر وہہ ضلع مراد آباد میں ہوئی۔
 مولانا نسیم احمد فریدیؒ کا سلسلہ نسب براہ راست حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ سے ملتا ہے اور ان کا سلسلہ نسب خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد ماجد مولوی حسین احمد فریدی الفاروقی المتوفی ۱۹۱۳ء اور والدہ ماجدہ بی بی شریفہ احمد فریدی الفاروقی محکمہ انہار سے وابستہ تھے۔ آپ کا اسم گرامی نسیم احمد فریدی الفاروقیؒ اور کنیت ابوخریر تخلص آباد بعدہ فریدی رہا۔ آپ کی والدہ ماجدہ سلیکھند کے مشہور بزرگ حضرت مخدوم ابوالفتح سید عبدالرشید المعروف شاہ آبتن بدر حشت کرامانی الامروہیؒ کی اولاد میں سے تھیں جن کا سلسلہ نسب بواسطہ حضرت امام علی رضاؒ کو شہد رسولؒ شہید کر بلا حضرت حسینؑ تک پہنچتا ہے آپ کے نانا اور دامول روہیلکھند کے مشہور اطباء میں سے تھے۔

تعلیم و تربیت

آپ نے علمی و دینی گھرانے میں پرورش پائی جہاں قدیم روایات اور پرانی قدس کا احترام و اہتمام تھا اور خلوص و محبت و رواداری کا یہ عالم تھا کہ چھوٹوں پر شفقت اور دوسروں کے رنج و غم میں شریک ہونا عبادت کا درجہ رکھتا تھا۔ آپ کا گھرانہ سادگی پر کمال صوم و صلوات کی پابندی اور دینی خدمات کے لئے مشہور تھا اور اس گھرانے میں متواتر صاحبان علم و فضل جلتے

میں ہیں۔ آج بھی آپ کے برادر زادے ڈاکٹر شہزاد احمد رضا فاروقی اور خواہر زادے پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی صاحبان تصانیف موجود ہیں۔ آپ کے دادا کے برادر بزرگ مولوی ارشد علی فریدی نے اپنے چھوٹے بھائی مولوی ڈپٹی بشیر احمد فاروقی کی تعلیم و تربیت خود کی اور متعدد کتب تصنیف کیں جن میں بشیر المدائح، بشیر النصائح، بشیر الانتشاء اور مصدر الانتشاء اور شاہ مشہور ہیں۔ آپ کی تربیت پر آپ کی والدہ ماجدہ اور ماموں حکیم سید علی احمد صاحب رضوی مرحوم کی خاص توجہ رہی آپ بچپن ہی سے نہایت ذکی ذہین فطین اور شائق علم تھے آپ کو ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل کود سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ایسے گھر لانے اور ماحول میں پرورش پانے کا لازمی نتیجہ تھا کہ آپ کا مزاج بچپن ہی سے سنجیدہ اور دینی رہا۔

آپ سے پہلے قرآن شریف ناظرہ حافظ قاری رئیس احمد صاحب مرحوم امر وہی ثم پاکستانی المتوفی ۲۳ جون ۱۹۸۳ء ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ سے پڑھا۔ ابتدائی تعلیم کیلئے پرائمری اسکول میں داخل کیا گیا آپ کے پرائمری کے استاد منشی نسیم احمد صاحب امر وہی مرحوم تھے جسکی شخصیت سے آپ نے ہمیشہ اپنے درجہ میں انیسازی کامیابی اور جہزافیہ ریاضی میں مہارت حاصل کی۔ آپ اسکول میں ہمیشہ مانیٹر رہتے تھے۔ پرائمری درجات پاس کرنے کے بعد مڈل اسکول میں داخلہ لیا جہاں آپ اردو، ہندی، انگریزی میں امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے۔

ایک فارسی دان نے عربی شیرازی کا یہ شعر آپ کے سامنے پڑھا اور مطلب معلوم کیا ہے
من کہ باشم عقل کل را نا کلاندا ز ادب مرغ اوصاف تو از اوج بیلا ندراختہ
یہی شعر نور المدارس میں داخلے کا سبب بنا۔ یہاں منشی عبدالرب صاحب شکیب فارسی کے استاد تھے۔ انکی نگرانی میں آپ نے منشی منشی کامل، اعلیٰ قابلیت، مولوی مولوی کامل کے امتحانات اعلیٰ نمبروں کے ساتھ پاس کئے یہ تمام امتحانات میرٹھ اور مظفر نگر میں ہوئے
لے تعلیم کے بعد مولوی ارشد علی صاحب نے آپ کو ملازمت دلوالی مظفر گڑھ جھنگ اور ملتان کے محکمہ انہار میں ڈپٹی کلکٹر رہے۔

۱۹۸۸ء سال سے جامع مسجد نمائینہ نرسری سوسائٹی کراچی میں خطیبہ امام تھے قیام پاکستان سے پہلے حیدر آباد دکن میں مسجد النور والی بی صاحبہ بیوگٹہ جوبلی ہل میں امامت کے فرائض انجام دیتے تھے ۱۹۸۳ء منشی عبدالرب صاحب شکیب صدیقی ولد بشیر علی صاحب صدیقی محلہ چاہہ خودی شیش محلہ مردہ کے ساکن تھے ۳۶ مئی ۱۹۵۹ء کو انتقال ہوا۔

اسی دوران آپ نے مدرسہ دارالعلوم چلہ امروہہ میں فارسی کی تدریسی خدمات انجام دیں اور ساتھ ہی مولانا انوار الحق صاحب صدیقیؒ سے ہدایت النسخہ ٹیچر بھی بنے۔ ۹۳ھ میں جمعیتہ اعلیٰ کا نواں عظیم الشان اجلاس امروہہ میں ہوا، جس میں ہندوستان کے کثیر التعداد علماء و مشائخ سہر قریب ہوئے اس اجلاس میں آپ ڈیلی گیٹ تھے، اور مجلس مضامین میں شریک ہوتے تھے، ان تمام مراحل کو طے کر کے بعد مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں داخلہ لیا یہاں آپ نے حضرت مولانا سید رضا حسین رضوی امروہیؒ، حضرت مولانا انوار الحق صاحب مفسر قرآن حضرت مولانا حافظ عبدالرحمن امروہیؒ سے تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم متداولہ کی تحصیل کی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ نے علم فرائض حضرت مولانا انوار الحق عباسی امروہیؒ سے صرف ایک دن میں حاصل کیا۔ بیضاوی شریف اور ترمذی شریف پڑھنے کے بعد شوال ۱۲۵۲ھ میں بغرض تعلیم دارالعلوم دیوبند پہنچے یہ چیتان علوم دینیہ اس وقت بھی حسب سابق تزیہار تھا، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور الشریعہؒ سند صدارت پر جلوہ افروز اور حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی قدس سرہ ہنتم تھے، نیز اسیر مالٹا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن محدث دیوبندیؒ کے دیگر باکمال ملازم اس گلشن کی آبیاری کر رہے تھے، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور تمام ہی علوم عقلیہ و نقلیہ کا درس دے رہے تھے۔ اس وقت اس گلشن قاسمی و رشیدی کی عجیب روحانی فضا تھی شیخ الاسلامؒ کے علاوہ شیخ الادب الفقہ حضرت مولانا اعجاز علی امروہیؒ حضرت مولانا سید اصغر حسین محدث دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوریؒ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ حضرت مولانا عبد السمیع صاحب دیوبندیؒ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ آپ نے شیخ الاسلامؒ سے بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھی، حضرت شیخ الادب والفقہ سے شامل ترمذی پڑھی اور حضرت مولانا سید

لہ اجلاس ۱۲۴۳ھ ۲۴ مئی ۱۹۳۱ء مطابق ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱ مئی کو منعقد ہوا جسکی صدارت مولانا امین الدین صاحب جمیری صدر مدرس مدرسہ عربیہ اسلامیہ نے فرمائی اور خطبہ استقبال مولانا عظیم طفیل حسن الباقی رضوی امروہی مرحوم نے پڑھا اسی اجلاس میں کل آزادی ہند کاروبار ویشن بہ اتفاق رائے پاس ہوا تھا۔ ۱۲۵۲ھ آپ فرماتے تھے کہ والا اعلیٰ دیوبند جاتے سے پہلے میں نے دارالعلوم اور فقہ دیوبند کو خواب میں دیکھا تھا جب دیوبند پہنچا تو دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کو جیسا خواب میں دیکھا تھا ویسا ہی پایا۔

اصغر حسین محدث دیوبندیؒ سے الوداؤد شریف پڑھی ان اسباق میں اساتذہ کی تقریر کے لکھنے کا خاص اہتمام کرتے رہے۔ نزدیکی میں مولانا ندوی کی تقریر اور شامل میں شیخ الادب والفقہ کی تقریر کے مسودے آپ کے کتب خانہ میں موجود ہیں کاش کہ یہ دونوں علمی جواہر پار بھی منصفہ شہود پر آجائیں حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب کے درس الوداؤد کی تقریر کے بارے میں مولانا کا ایک مضمون الفرقان اگست ۱۹۸۶ء میں بعنوان ”مختصر درس الوداؤد شریف کی چند جھلکیاں“ قسطوں میں شائع ہو چکا ہے، مسلم شریف علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ سے پڑھی ۱۳۵۵ھ میں دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ اسکے بعد تقریباً ڈیڑھ دو سال مزید آپ کا قیام دارالعلوم میں رہا اسی دوران استاد القراء قاری حفظ الرحمن صاحبؒ پر ناپ گڑھی سے فیو بیو پا کے کی مشق کی حضرت محمد سہول بھاگلپوری صدر الافقاء اور مولانا مفتی ریاض الدین افضل گڑھیؒ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ سابق مفتی اعظم پاکستان سے افتاء میں مہارت حاصل کی اسکے ساتھ ہی شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعجاز علیؒ سے متنبی، حماس، سیدہ معلقہ اور مفتاح العروص پڑھیں، علامہ بلیاوی سے مسلم الثبوت، توضیح تلویح بھی پڑھی اور مولانا حکیم محمد عرصہ قاسمی دیوبندی ریہنجیم سے طب میں شرح اسباب پڑھی۔ ۱۹۳۶ء میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے درس تفسیر پڑھنے کیلئے لاہور شریف لے گئے پڑھنے کے ساتھ تفسیری نکات بھی قلمبند فرماتے گئے۔ حضرت مفسر لاہوریؒ کا یہ درس تفسیر قرآن علماء و طلبہ کیلئے ۳ ماہ میں ختم ہونا تھا لاہور قیام کے زمانہ میں مولانا فریدی علامہ اقبال سے بھی ملے نیز اسی زمانہ میں مولانا کا ایک مضمون رسالہ تاج لاہور کے شمارہ بابت مارچ ۱۹۳۶ء میں ”اسلام میں طلب علم کی فضیلت و اہمیت“ علم دین کی تحصیل و اشاعت مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے“ کے عنوان سے شائع ہوا۔

اساتذہ کا ادب و احترام

آپ اپنے اساتذہ کا کس قدر ادب احترام فرماتے تھے یہاں تک کہ اساتذہ کی اولاد اہل خاندان کا بھی کتنا احترام ہمارے حضرت کو ملحوظ خاطر رہتا تھا، اس کا اندازہ ایک دفعہ

لے مولانا فریدی کے اساتذہ میں صرف حکیم صاحب ہی حیات ہیں اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے آمین
لے حضرت لاہوریؒ نے اس سوئے پرنسپل سے دستخط فرمادیے نیز مذہب عطا فرمائی۔

سے بخوبی ہو سکتا ہے جو راقم الحروف کا چشم دید ہے فشی عزیز احمد صاحب عزیز امر وہی المتوفی ۱۳۹۱ھ شاعری میں۔ مولانا کے استاد تھے عزیز صاحب کے محلے میں سیرت پاک کا جلسہ منعقد ہوا۔ مولانا بھی وہاں مدعو تھے۔ جلسے میں تشریف بھی لے گئے لیکن اسٹیج پر نہیں بیٹھے وہیں قریب کی مسجد میں چلے گئے جب عزیز صاحب کو معلوم ہوا کہ مفتی نسیم احمد صاحب فریدی مسجد میں ہیں تو آپ وہاں تشریف لے گئے، استاد مکرم کو دیکھتے ہی مولانا فوراً کھڑے ہو گئے لیکن استاد کے ادب کی وجہ سے آپ جلسے میں تقریر نہیں کی فقط جلسہ کی طرف سے اصرار ہوتا رہا مگر آپ بھی فرماتے رہے کہ مجھ سے تقریر نہ ہو سکے گی۔ اس سلسلہ میں انکے ذوق کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو ہم لوگوں کو استاد مکرم بڑے ذوق و شوق سے سنایا کرتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ قضیہ بچہ ایوں میں بسلسلہ آزادی ہند جمعیت اطفال کا جلسہ منعقد ہوا جس میں امر وہہ سے یہ العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امر وہی کے پوتے زبیر احمد و وقار احمد بھی جلسہ میں شرکت کیلئے گئے حضرت مولانا طاہر علی چوہو مولانا فرید کے اساتذہ میں سے تھے) کو معلوم ہوا تو دونوں بچوں کو اپنے گھر لے گئے اور اہل خانہ سے فرمایا کہ یہ میرے استاد کے پوتے ہیں اور بڑی مسرت کا اظہار فرمایا، اور دونوں محرم زادوں کے ساتھ بڑی شفقت و احترام کا معاملہ فرمایا اور رخصت کرتے وقت دونوں بچوں کو پانچ پانچ روپیہ نذرانہ پیش کیا حضرت مفتی صاحب اس واقعہ کو بیان فرما کر فرمایا کرتے تھے میاں یہ بے بزرگوں کا طریقہ۔ !!

تذریبی مشغولیت

ابھی آپ کا قیام دارالعلوم دیوبند ہی تھا کہ بریلی سے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت بركاتہم کے اہل واریخ الادب الفقہ حضرت مولانا اعجاز علی امر وہی کے مشورہ کے مطابق آپ مدرسہ اشفاقہ بریلی کی خدمت کیلئے بریلی پہنچ گئے جہاں آپ کا تقریریں روپیہ ماہوار پر ہوا۔ پہلے سال جلالین شریف مشکوٰۃ شریف، البوداؤد شریف اور دیگر کتابیں سپرد ہوئیں دوسرے سال صدر مدین اور شیخ الحدیث کا عہدہ تفویض ہوا۔ اب آپ بخاری شریف، مسلم شریف ترمذی شریف کا درس دینے لگے ختم بخاری شریف کیلئے شیخ الادب الفقہ مولانا سعید الرحمن لے اس مدرسہ کا نام پہلے طالبیہ تھا۔

رندھی اور حاجی محمد نسیم عابد ہویا کو دعوتِ حق کی اس عرصہ میں تمام تر مراحل مولانا نعمانی کے مشورے سے طے ہوتے رہے، رسالہ الفرقان سے بھی تعلق اسی زمانہ میں ہوا۔ الفرقان کے مجدد الف ثانی نمبر اور شاہ ولی اللہ نمبر میں بھی آپ شریک رہے۔ تقریباً چار سال بریلی قیام رہا۔ بعض خانگی مجبوریوں کی وجہ سے ۱۹۷۲ء میں بریلی سے امر وہہ منتقل ہو گئے۔ یہاں مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امر وہہ کو آپ کی ضرورت محسوس ہوئی، صرف پندرہ روپیہ ماہوار پر تقرر ہوا۔ اب آپ اپنی مادر علمی میں بہترین مشغول نہ رہیں ہو گئے۔ ابتدائی نا انتہائی جو کتب بھی آپ کے سپرد ہوتی رہیں۔ اپنے ذوقِ علمی کے مطابق حق نہ دیں ادا فرماتے رہے ۱۹۷۶ء سے آپ صدر مدرس رہے لیکن ۱۹۷۶ء میں بوجہ عذر دینیائی اس عہدے سے سبکدوش ہو گئے، لیکن اعزازی طور پر سلسلہ درس تاحیات جاری رہا نیز عہدہ افتاء بھی آپ کے سپرد رہا، دریا میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبہ دینیات کی پروفیسری کی پیشکش بھی کی گئی، لیکن آپ نے اپنی مادر علمی کی خدمت کو ترجیح دی۔

خصوصیت درس

آپ چھوٹی سے چھوٹی کتاب بھی مطالعہ کر کے پڑھانے کے عادی تھے، الوداؤ و شریف پڑھانے کے لئے بذلِ انجھود اکثر زیر مطالعہ رہتی تھی۔ آج کل عموماً بڑی کتابیں پڑھاتے وقت چھوٹی کتابیں پڑھانا کسر شان سمجھا جاتا ہے لیکن آپ فارسی کی پہلی "میزانِ شعوب"، تیسرے المیندی، صفحۃ المصادحتی کہ تعلیم الاسلام وغیرہ بھی بڑی خوشدلی سے بلا تکلف پڑھاتے تھے آپ کا طرزِ تعلیم ایسا تھا کہ کتاب کا مفہوم طلبہ کے ذہن میں راسخ ہو جاتا تھا۔

بیعت و سلوک

آپ ہر وقت جذبِ الہی میں سرشار رہتے تھے، شروع ہی سے اکابر و مشائخ کی صحبتوں سے مستفید ہونے لپے، پھر جب اصلاح و پیغمبری کے لئے مرشدِ کامل کی ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی سے بیعت ہو گئے، جب حضرت کا قصدِ پھر الہ و رود مسعود ہوا اور نواب ساجد حسین ولد نواب عاشق حسین کی درخواست پر ان کے مزارعہ سخی آنسو والا نزد اعظم پور باسہ بھی تشریف لے گئے، اس سفر میں حضرت مولانا طہور علی پھر الہوی

۱۱۴
حافظ زاہد حسن امروہیؒ ۱۳۷۲ھ کو ایک ہلے ٹانگے میں بٹھایا گیا تھا، حضرت شیخ الاسلامؒ
مع خدام گھوڑا ٹانگے میں شریف فرما ہوئے۔ استاد مکرم (حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ)
بچہ الیوں سے پیدل قافلے کے ساتھ بعد ظہر روانہ ہوئے راستہ خام نہایت دشوار گزار تھا
عصر و غروب کی نماز راستہ میں ہوئی سردی کا موسم تھا ہٹوں میں برسی کی تھیں بالآخر تقریباً
رات کے ۹-۱۰ بجے مزرعہ کے ڈیرے میں پہنچے حضرت مولانا طہو علیؒ و حافظ زاہد حسن امروہیؒ
کا ٹانگہ دلدل میں پھنس گیا تھا۔ اوریہ دونوں بزرگ وہیں بیٹھے رہے تھے۔ پیدل قافلہ پہلے
پہنچ گیا، بالآخر مشعلیں لے کر آدمی روانہ کئے گئے جو ان دونوں حضرات کو دوسرے ٹانگے
میں بٹھا کر لے گئے حضرت شیخ الاسلامؒ ان دونوں حضرات کے انتظار میں ۱۱-۱۲ بجے
کے درمیان نماز عشاء باجماعت ادا کی گئی بعد نماز رات کی چاندنی میں مجلس بیعت منعقد
ہوئی تھی جس میں حضرت مولانا فریدیؒ کے علاوہ حضرت مولانا مفتی عبدالرحمن بچہ الیوںؒ
حافظہ دشا احمد بچہ الیوںی، قاری محمد فاروق مراد آبادی، بستری محمد حسین بچہ الیوںی،
پہلوان الشرحش بچہ الیوںی، خلیفہ عبدالشر بچہ الیوںی، ملا عظیم الشر بچہ الیوںی داخل سلسلہ ہوئے
بعد کھانا تناول کیا گیا۔

اجازت و خلافت

سب سے پہلے حضرت مولانا فتح محمد میوانیؒ خلیفہ حضرت مولانا عبدالقادر راٹھوریؒ نے
آپ کو اجازت بیعت دی پھر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا ہاجر مدنیہؒ نے اجازت
دی بعدہ حافظ مقبول حسینؒ مٹا گنگوہیؒ ثم دہلویؒ خلیفہ حضرت مولانا محمد ایاز کاندھلویؒ
نے خرقہ خلافت بھیجا۔

ان تمام حضرات کی اجازت کے باوجود بوجہ کفرسی آپ نے مدت العمر کسی ایک فرد کو بھی
بیعت نہیں فرمایا اگر کوئی بہت اصرار کرتا تو دوسرے مشائخ کی طرف رجوع کرنے کا
مشورہ دیدیتے تھے بلکہ بعض اوقات غدلے جا کر بھی بیعت کرا دیتے تھے۔

علمی تحقیق و جستجو اور انہماک

آپ علمی مسائل کی معلومات میں بالکل عار محسوس نہیں فرماتے تھے۔ ایک بار ہانپور

میں حضرت مولانا محمد یونس شیخ الحدیث مظاہر علوم سے دفتر مظاہر علوم کی مسجد میں کہا کہ آپ
کچھ معلومات کرنی ہیں انھوں نے کہا ابھی معلوم کر لیجئے فرمایا کہ آپ کے کمرے پر حاضر ہوں گا،
چنانچہ صبح کو ناشتہ کے بعد احقر کو ساتھ لے کر ان کے کمرے پر تشریف لے گئے اور مظاہر العلوم
کی ایک حدیث کو جس میں آپ کو کچھ اشکال تھا، نکلو اگر مٹھوایا جب پوری طرح تسلی و تحقیق
ہو گئی تو مولانا محمد یونس صاحب کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ آپ کی وجہ سے یہ حدیث حل ہو گئی
علمی تحقیق میں بالکل محو ہو جاتے تھے۔ اکثر و بیشتر سفر علمی تحقیق ہی کے سلسلہ میں ہوتے تھے،
پہلا وعدہ متعدد مرتبہ جانا ہوا ان علمی اشعار میں نماز کے اوقات میں نماز اور باقی ہر وقت
مطالعہ کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہیں ہوتا تھا۔ تہجد کے وقت بھی تحقیق و مطالعہ میں مصروف
رہتے تھے اور کتابیں پڑھو کر سنتے تھے۔ کاندھلہ کا سفر بھی اکثر ہوتا تھا اور وہ بھی علمی
تحقیق کیلئے مولانا نور الحسن راشد صاحب کے کتب خانہ میں اپنے ذوق کی چیزیں خوب تلاش
کرتے تھے۔ آپ کی تحقیقی کاوش کا اندازہ لگانے کے لئے ایک اقتعہ کافی ہے، شاہ عبدالغادر
صاحب محدث دہلوی کے ترجمہ قرآن سے آیت و صو کے ترجمہ میں پاؤں دھونے کا لفظ
کسی اشاعر نے حذف کر دیا ہے مولانا کو اسکی جستجو شروع ہو گئی، نہ جانے ترجمہ کے کتنے
نسخے مولانا نے دیکھے پاؤں دھونے کا لفظ کسی نسخہ میں نہیں مل رہا تھا، کافی تگ و دو اور بہت
عرق ریزی کے بعد ترجمہ کا ایک قلمی نسخہ ۱۲۳۲ھ کا مل گیا جس کو بیگم امۃ العلیب صاحبہ کی
فرمائش پر لکھا گیا تھا۔ اس میں آیت و صو کا جو ترجمہ کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے، بس ہمارے
مولانا خوشی سے باغ باغ ہو گئے اور بار بار اس جبرانی کا اظہار فرمایا کہ کتنی بڑی سازش
کی گئی ہے؟

مولانا زید ابو الحسن فاروقی دہلوی نے حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی
کی کتاب تقویۃ الایمان کے بارے میں عجیب و غریب خیالات کا اظہار اپنی ایک کتاب میں کیا
اسے پڑھ کر مولانا تویپ گئے، اسکے جواب کی فکر ہر وقت دماغگیر ہو گئی فرماتے تھے کہ اس کا جواب
دینا ضرور ہے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دے، اسکی وجہ سے بہت
زیادہ مضطرب رہے ہیں، اس سلسلہ میں شدید ضعف و معذوری کے باوجود بلا ہر روز
(صلح بیٹن پور) کا سفر بھی فرمایا وہاں کے کتب خانہ میں بہت تلاش کے بعد ایک قلمی کتاب

لی جس میں مناظرہ جامع مسجد دہلی کی صحیح روئیداد موجود ہے پس مولانا خوشی سے محرم
اٹھے، چہرہ مبارک پر انبساط کے آثار روشن ہو گئے اس کتاب کو لے کر امر وہہ تشریف
لائے اور فرمایا کہ الحمد للہ مناظرہ دہلی کی صحیح روئیداد مل گئی۔ اب مولانا زید کی کتاب
پرتصرہ کرنا ہے۔ اسی سلسلہ میں مولانا علی گڑھ بھی تشریف لے گئے، اور سلم یونیورسٹی کی
آزاد لائبریری میں بعض ضروری چیزوں کا مطالعہ کیا۔

اسی طرح شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن محدث دیوبندی پر ایک مقالہ لکھنا تھا،
تو احقر کو ساتھ لے کر دہلی تشریف لے گئے جامعہ ملیہ کی لائبریری میں اجنادینہ بکچور اور
ہندم کے فائلوں کو پڑھوا کر سنا، بار بار تاکید فرماتے رہے کہ جوتا بھی مل جائے اسکو چھوڑنا
نہیں نوٹ کرنے کے جاؤ بڑی عرف ریزی اور تحقیق کے بعد مقالہ تیار ہوا۔

اسی طرح حضرت مولانا کوسید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امر وہی اور رد
قادیانیت پر ایک مقالہ لکھنا تھا تو بہت سی کتابوں کے علاوہ رام پور کی رضا لائبریری
جا کر دیدہ سکندری کے فائل کا بھی مطالعہ کیا یہ جاننے کے لئے کہ سن ۱۹۰۹ء میں جو مناظرہ
علماء حق کا قادیانیوں سے قلعہ رامپور میں نواب حامد علی خاں کی موجودگی میں ہوا تھا اس میں
کون کون اور کہاں کہاں سے علماء شریک ہوئے تھے اور دیدہ سکندری کے مدرسہ کے اسکے
باپے میں کیا رائے تھی؟ اس مناظرہ میں حضرت محدث امر وہی بنفس نفیس شریک ہوئے تھے،
بلکہ نواب حامد علی خاں نے آپ کو خاص طور سے مدعو کیا تھا، قلعہ کے اہم نواب صاحب
کی موجودگی میں حضرت محدث امر وہی نے ایک موکرہ الآراء تقریر فرمائی تھی، اہل حق کو جکے
بعد فتح حاصل ہوئی تھی، اور قادیانیوں کو شکست فاش۔ غرض کہ حضرت محدث امر وہی

لے یہ مقالہ مقام محمود میں شائع ہوا، اس مقالہ کے آخذ منہجہ ذیل ہیں (۱) نقش حیات
(۲) مولانا تھری کی ذاتی ڈائری (۳) تحریک ریشی وصال (۴) امیر لکھنؤ (۵) خلیفہ صدار
جلسہ افتتاح جامعہ ملیہ (۶) جامعہ ملیہ کے پچیس سال (۷) مختصر سوانح عمری شیخ الہند (۸) شیخ الہند
حیات اور کارنامہ (۹) مکتوبات شیخ الہند (۱۰) سفرنامہ امیر لکھنؤ (۱۱) تذکرہ شیخ الہند
(۱۲) اجنادینہ بکچور و ہندم وغیرہ۔

ملکہ یہ مناظرہ ۱۵ جون ۱۹۰۹ء سے شروع ہوا اور ۲۰ جون ۱۹۰۹ء کو اہل حق کی کامیابی کے ساتھ
ختم ہوا اس مناظرہ میں مولانا حامد رضا خاں بریلوی بھی اکابر دیوبند کے ساتھ شریک تھے۔

پر مقالہ بھی آنا تحقیق کے بعد لکھا یہ مقالہ تحفظ ختم نبوت کے اجلاس میں دیوبند میں پڑھا گیا اور سالہ "دارالعلوم" میں مقالات کے مجموعہ میں شائع ہو چکا ہے۔

اسی طرح شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی پر مقالہ لکھنا تھا، تو اسکی تیاری میں کتابوں کا انبار لگا دیا۔ کتابیں پڑھوا کر سنتے جاتے اور نوٹ کرتے جاتے پھر حضرت شیخ الاسلام کی غیر مطبوعہ تحریروں کو سامنے رکھ کر مقالہ تیار فرمایا، یہ سب اس وقت کی باتیں عرض کر رہا ہوں جبکہ خود لکھتے پڑھتے سے بوجہ فقدان بصارت ظاہری بالکل معذور ہو چکے تھے بلکہ سفر بھی دوسروں کو ساتھ لے کر فرماتے تھے۔ لکھنؤ کا جب بھی سفر ہوا

ضروری مشاغل سے فرصت پاتے ہی ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں جا پہنچتے، تاں کتب خانہ مولانا سید محمد رفیع صاحب سے آپ کے اچھے مراسم تھے، مولانا اپنے پاس ہی کرسی پر بٹھاتے تھوڑی گفتگو ہونی اسکے بعد ان سے فرماتے "مولانا آپ کے یہاں فلاں فلاں کتابیں ہیں؟" مولانا رجسٹر میں تلاش کر کے جواب دیتے جی ہاں ہیں، پس کتابیں نکالی جاتیں مولانا باڑے ذوق و شوق سے وہیں کتابیں سننا شروع کر دیتے آخری سفر لکھنؤ ۱۹۸۷ء میں ہوا تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے کچھ مکتوب الہیہم کے حالات ندوہ کے کتب خانہ کی کتابوں میں سے تلاش کر کے نایخ کشمیر نایخ پنجاب اور دیگر تواریخ سے نوٹ کرتے رہے۔ مطلوب کے حاصل ہونے پر بہت خوش ہونے کو جو شوق یہاں لایا ہے وہ پورا ہو رہا ہے۔ ایک مرتبہ مولانا مدرسہ

نبی العلوم گلاؤٹھی کے سالانہ جلسہ میں شریعت لے گئے جلسہ سے فراغت کے بعد مدرسہ کے کتب خانہ میں پہنچ گئے۔ وہاں قلمی اور مطبوعہ کتابوں کو نکلو کر سنتے رہے۔ کتابوں کے ذخیرہ میں قصبہ گلاؤٹھی کی تاریخ نکل آئی، مہتمم مدرسہ سے فرمایا کہ یہ لیجئے یہ آپ کے قصبہ کی تاریخ ہے،

لے اس مقالہ کے مآخذ حسب ذیل ہیں (۱) مکتوبات سید العلماء حضرت محدث احمد دہلویؒ (۲) رسالہ القاسم دیوبند (۳) رسالہ دارالعلوم دیوبند (۴) دبیرۃ سکندری (۵) دافع البلاء (۶) سنہ ضروری مباحثہ رامپوری (۷) صحیفہ محبوبیہ وغیرہ۔

۲۔ یہ مقالہ سیدنا شیخ الاسلام متفقہ دہلی ۱۸/۱۹ مارچ ۱۹۸۸ء کو پڑھا گیا جسکے مآخذ مندرجہ ذیل ہیں (۱) نقش حیات (۲) مکتوبات شیخ الاسلام (۳) تذکرہ مشائخ دیوبند۔ (۴) حضرت شیخ الاسلام کے حیات و احوال (۵) شیخ الاسلام کا غیر مطبوعہ مکتوب (۶) اسیران مانٹا وغیرہ۔ ۳۔ مولانا سید نسیم الدین صاحب۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد ابو شکور سالمی کی کتاب تہبید مل گئی۔ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اس کتاب کے بارے میں فرمایا کہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا عقیدہ وہی ہے جو تہبید میں ہے۔ پھر فرمایا کہ بابا صاحبؒ نے حضرت نظام الدین اولیاؒ کو اس کتاب کا بھی درس دیا ہے۔ اس کتاب کی جستجو مدت سے تھی اس کو لے کر اندر وہہ آئے اور پڑھو کر سنا آخر زمانہ میں ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی سے فرمایا ”میاں نثار احمدؒ نے تہبید دیکھی ہے؟ ان کا جواب نفی میں سن کر فرمایا کہ اس کتاب کو ضرور دیکھنا بابا صاحبؒ کا وہی عقیدہ ہے جو تہبید میں ابو شکور سالمی نے لکھا ہے۔“

رسالہ الفرقان جب آتا تو خوش ہو جاتے فہرست مضامین سننے کے بعد فرماتے کہ مولانا نعمانی دامت برکاتہم کا درس قرآن اور معارف الحدیث یا مولانا کی کوئی نئی تصنیف آگئی؟ سناؤ پھر شکر فرماتے کیا عمدہ تفسیر اور حدیث کی تشریح کی ہے پھر مولانا نعمانی کو دعا دیتے دہتے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی عمر میں برکت دے۔ (آمین)

اسی طرح جب مولانا علی میاں کی کتاب آتی تو بہت خوش ہوتے مولانا کی کتابوں کو بڑے ذوق و شوق سے سنتے اور طرز نگارش پر داد دیتے اور فرماتے کہ سبحان اللہ کیا عمدہ کتاب لکھی ہے، آنے جانے والے اہل علم حضرات کو بھی ان دونوں بزرگوں کی تصنیفات کی طرف توجہ دلاتے۔

جب استفتاء آتا تو اس کے جواب کی فکر ہوتی فتاویٰ دارالعلوم، فتاویٰ سعیدی، قلمی، فتاویٰ سہولیہ، کفایت المفتی اور دوسرے فتاویٰ سنتے، پوری طرح اطمینان ہو جانا، تب اس کا جواب لکھواتے جس سے مستفتی مطمئن ہو جائے مولانا کی تحریروں میں کہیں جھول نہیں ہوتا تھا اگر پھر بھی ضرورت محسوس ہوتی تو دارالعلوم دیوبند، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی طرف رجوع فرماتے افسوس کہ آپ کے فتاویٰ مرتب نہ ہو سکے ہم خدام دیکھتے تھے کہ ہمارے حضرت مولانا فریدی کو اپنے اکابر و مشائخ کی کتابوں اور ان کے مکتوبات و ملفوظات اور ان کی سیرت و سوانح سے کتنا شغف رہتا تھا، اور وہ ان چیزوں کو کتنی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور ہر وقت انکی اشاعت کی کتنی فکر

۱۔ یہ کتاب علم حقایق میں ہے۔ ۲۔ مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوری۔

۳۔ مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوری۔

انھیں رہتی تھی، چنانچہ کبھی حضرت نالوتویؒ کی کسی غیر مطبوعہ تحریر کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا تو فراید قاسمیہ نامی حضرت نالوتویؒ کے غیر مطبوعہ مضامین کا مجموعہ جو ۹۸۰ ایک طبع نہیں ہوا تھا پھلا وہ سے لاکر اسکو طبع کرایا اور اس پر ۱۳ صفحہ کا مقدمہ لکھا ایک ایک لفظ کی تحقیق کر کے یہ کتاب طبع ہوئی دو جگہ شبہ تھا دہلی جا کر اسکو احقر سے قلم زد کرایا جب وہ قلم زد ہو گیا تب اطمینان ہوا۔

اسی طرح حضرت حاجی امداد الشرمہا جو مکیؒ حضرت گنگوہیؒ حضرت شیخ الہندؒ کی غیر مطبوعہ تحریروں کو طبع کرانے کی بھی فکر رہتی حضرت شاہ ولی الشرحؒ دہلویؒ کے نادر مکتوبات کے طبع ہونے کی فکر رہی اس سلسلہ میں بڑی جدوجہد کی، مکتوبات کی ایک ایک لفظ کی تحقیق فرمائی جہاں ذرا شبہ ہوتا فرماتے، مصباح اللغات اور غیاث اللغات میں دیکھو، اس لفظ کی صحیح کی جاتی بالآخر تین سو تیرہ مکتوبات عربی فارسی دو جلدوں میں مرتب کئے، اور دونوں ہی جلدوں کے اردو ترجمے کئے، ابھی یہ مکتوبات طبع نہیں ہو سکے۔ حضرت محدث امرہیؒ کے مکتوبات جو مولانا سید عبدالغنی پھلاودیؒ کے نام ہیں ان کو طبع کرانے کی فکر رہی۔ یہ مکتوبات ایک سو اکیاون ہیں جو کہ فارسی اور اردو میں ہیں احقر سے انکو متعدد مرتبہ سنا اسکے بعد کتابت ہوئی اور مرض الموت میں جبکہ آواز بالکل نجف ہو چکی تھی احقر سے انکا مقدمہ اٹا کر ایا جو صرف ۱۲-۱۳ صفحہ کا ہو سکا ایک ایک لفظ کی تحقیق کر کے اٹا کر ایا فرماتے رہے کہ میری زندگی میں یہ دونوں مکتوبات طبع ہو جاتے تو اچھا تھا پھر فرماتے کہ انسان کی ہر تمنا پوری نہیں ہوتی۔

مکتوبات اکابر دیوبند جس میں حضرت حاجی امداد الشرمہا جو مکیؒ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلویؒ مہاجر مدینہ حضرت مولانا محمد قاسم نالوتویؒ حضرت گنگوہیؒ حضرت مولانا محمد یعقوب نالوتویؒ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین عثمانی دیوبندیؒ حضرت شیخ الہندؒ حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانی دیوبندیؒ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور دیگر مجتہد حضرات کے مکتوبات ہیں جو اجلاس صد سالہ سے پہلے طبع نہیں ہوئے تھے، انھیں اس کی

لئے ان مضامین کو مولانا حافظ حاجی سید محمد عبدالغنی پھلاودیؒ نے مرتب فرمایا اور فراید قاسمیہ نام رکھا لکھ یہ مکتوبات دفتر نوری عثمانی دیوبند مرحوم نواسۃ قطب عالم حضرت مولانا شاہ رفیع الدین عثمانی دیوبندؒ مال ہنرمند دلا العلوم دیوبند سے ملے۔ اور حضرت شیخ الادب الفاضل مولانا اعجاز علی امرہیؒ نے اسکا مقدمہ

شدید فکر تھی کہ اجلاس سے پہلے یہ طے ہو جائیں۔ الشکر کا کہنا کہ جب اجلاس صدر سالہ میں تشریف لے گئے تو اس قدر ایک دن کتابوں کی دو کالوں کی سیر کر رہا تھا اچانک کشتیات اکابر دیوبند مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی امرتسر پہنچ گئے۔ فوراً ایک نسخہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا خوشی کی کوئی انتہاء نہ رہی ہمارے مدنی ہمان خانہ میں بیٹھ ہوئے تھے، فرط مسرت سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ کتاب آنکھوں سے لگائی اور فرماتے گئے میاں تم نے سفر کی قیمت وصول کر دی پھر فرمایا چند نسخے اولے آؤ۔

مطالعہ

آپ کے شوق مطالعہ کا حال کیا لکھا جائے قلم عاجز ہے اگرچہ کم از کم اس ناچیز نے اس دور میں مطالعہ و تحقیق کا ایسا ذوق رکھنے والا نہ دیکھا نہ سنا۔ مطالعہ آپ کی مصطفیٰ قداست کی کثرت مطالعہ کی وجہ سے آپ کی گردن خمیدہ ہو گئی تھی اور اسی بنا پر بصارت ظاہری جاتی رہی تھی اسکی ایک ظاہری وجہ یہ بھی تھی کہ آپ اکثر دن بیٹھ کر دونوں ہاتھوں میں کتاب لے کر مطالعہ فرمایا کرتے تھے اور غالباً یہ معمول ادب کی وجہ سے بنایا تھا۔

عام اصلاح و خدمت دین کی فکر اور اسکے لئے جدوجہد

ان اعلیٰ علمی و تحقیقی خدمات کے ساتھ آپ اقامت دین، احیاء سنت، ترویج شریعت، تصحیح عقائد، اصلاح اعمال و اخلاق، اور امت کی عمومی خدمت کی طرف بھی پوری توجہ اور اس کے لئے بڑی جدوجہد فرماتے تھے۔ آپ کی تقریر نہایت سادہ سلیس، جامع و مدلل اور بے حد موثر ہوتی تھی اپنا مافی الضمیر بڑی خوبی اور سلاست و فصاحت ادا فرماتے تھے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بات کہنے میں بناوٹ، لگاوٹ، دکھاوٹ نہیں ہونی چاہئے آپ کا دھڑا کام ہم ہوتا تھا جس سے ادنیٰ و اعلیٰ، امی و عالم سبھی مستفیض ہوتے تھے گویا اس شعر کا مصداق ہے

پند گیر ہیں ہم جسکو سمجھ میں آئے وہی ہماری غرض ہو سکی پند خاطر ہی ہے غلبی کلام کی بھی تبلیغی اجتماعات میں آپ جماعت کے اصول کے مطابق چھ تبصر بیان فرمایا کرتے تھے

اور فرماتے تھے کہ جماعت والوں کو چھ نمبروں ہی کے اندر دھننا چاہئے، اور بچہ نمبر اس
دقتیں انداز میں بیان فرماتے تھے کہ روح کو فرحت حاصل ہوتی تھی، ادایان میں نازگی
آجاتی تھی۔

اتباع سنت

ہرگز نمیر دآنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

آپ کی پوری زندگی اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں گزری ہر معاملہ میں سنت کا
خیال رہتا تھا، کھانا پیتا، اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا، سونا جاگنا۔ بات چیت۔ بول
براز عرض ہر معاملہ میں سنت کا اہتمام رہتا تھا آخر وقت تک بول و براز کے وقت پانی
سے پہلے مٹی کا استعمال ضرور فرماتے تھے، کبھی بھی ننگے سر رفع حاجت کو نہیں بیٹھے۔ ایک
مرتبہ علالت کے زمانہ میں احقر نے ننگے سر رفع حاجت کو بیٹھا دیا فوراً فرمایا ٹوپی لاؤ،
چلے میں نگاہ نیچی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اوپر سے نیچے کو چل رہے ہیں۔ آج کل مغزوں
میں کرسی میز کارواج عام ہو گیا ہے اگر آپ کو کسی ایسی دعوت میں شریک ہونا پڑا تو
اپنا رومال نیچے بچھایا اور کھانے بیٹھ گئے۔

اخلاق

آپ اخلاق حسنہ سے منصف تھے ہر ایک کا بڑا اعزاز و اکرام فرماتے اور خندہ پیشانی
سے پیش آتے تھے جس سے ہر آنے والا یہ گمان کرتا تھا کہ حضرت کو مجھ ہی سے سب سے زیادہ
محبت ہے۔ احقر کو آپ سے اکیس سال تک قریبی تعلق رہا۔ آپ اپنے اخلاق کریمانہ سے
ہمیشہ نوازتے رہے، احقر جب اپنے والد کے انتقال کی خبر پر گھر جانے لگا تو رات کے تقریباً
۱۰ بجے سخت سردی کے موسم میں امروہہ امینش تک پہنچنے کے لئے پیدل تشریف لے گئے
حالانکہ میں منع کرتا رہا لیکن آپ نے فرمایا کہ مجھے تو تمہارے گھر تک جانا تھا، والدہ ماجدہ
کی تسلی کے لئے ایک تعزیتی گرامی نامہ خود اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا۔
اللہ نے مجھے حضرت کو بہت قریب دیکھنے کا موقع عنایت فرمایا بعض صفات پر

آپ کا ثانی بظاہر کوئی نظر نہیں آتا۔ سفر میں دیکھا حضر میں دیکھا خلوت میں دیکھا جلوت میں دیکھا مولانا نام و نمود اور شہرت سے کوسوں دور تھے۔ آپ کی ذات بتودہ صفات گوناگوں خوبوں کی جامع تھی جس کا احصاء مجھ جیسے نااہل سے مشکل ہی نہیں محال ہے۔ اگر آپ کے اخلاق کو جمع کیا جائے تو ایک دفتر درکار ہوگا۔ میں تو صرف آٹا کھونگا کہ آپ اپنے اخلاق عالیہ میں سلف صالحین کا نمونہ تھے اس ضمن میں چند نمونے خاص طور پر نذر ناظرین کرتا ہوں۔

اعتدال و توازن

اگرچہ آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خصوصی وجہاں نثار شاگرد و مستر شہ تھے لیکن اسکے باوجود آپ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے تصوف میں بڑے مداح تھے حضرت تھانویؒ کو تصوف کا امام مانتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ حضرت تھانویؒ نے تصوف کو اردو میں لکھ کر بہت بڑا احسان کیا ہے اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ شیخ المشائخ حضرت حاجی امجد الدین مہاجر کی قدس سرہ کے تصوف کے حضرت تھانویؒ تشارح ہیں حکیم الامت کا جو خطاب ملا ہے وہ بالکل بجا ہے۔ استاد کم نے حضرت تھانویؒ کے ملفوظات وارشادات پر بہت کام کیا جو ”الفرقان“ میں قسط وار شائع ہو چکا ہے جس سے امت کو بہت فائدہ ہوا۔ ایک اقتدار بھی سپرد قلم کرتا چلوں جس سے حضرت تھانویؒ کی ذات گرامی کے ساتھ مولانا کے روحانی تغلق کا اندازہ لگا میں آسانی ہوگی۔ ایک مرتبہ مولانا کی سمجھ میں غنوی مولانا روم کا یہ شعر نہیں آ رہا تھا۔

سہ کور کورانہ مرو در کر بلا تانیفتی چون حسین اندر بلا

انہی دنوں حضرت تھانویؒ کو خواب میں دیکھا کہ آپ اس شعر کو پڑھ رہے ہیں اور اسکی تشریح بھی فرما رہے ہیں (التکشف عن مهمات التصوف) کوہلی سے منگا کر دیکھا تو ہوا ہوا ہی تشریح تھی جو خواب میں حضرت تھانویؒ نے کی تھی۔ جس زمانہ میں مولانا دارالعلوم دیوبند میں تعلیم تھے عالم طلبہ و دھڑوں میں مشہور تھے، ایک جینی دوسرا شریفی آپ نے ان دونوں میں سے کسی میں حصہ نہیں دیا۔ پھر اجلاس صد سالہ کے بعد جو ناخوشگوار احوال و کوائف دارالعلوم دیوبند کو پیش آئے اس دوران جب کوئی شخص آپ کی

رائے معلوم کرنا چاہتا تھا تو آپ جذبات سے بے قابو ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ میں صرف خودی تک ساتھ ہوں تاکہ خودی کی حیثیت قائم رہے۔ ورنہ تم حضرت قاری محمد طیب صاحب مظلہ کے متعلق پوچھنا چاہتے ہو۔ وہ قاسم العلوم والمعارف کے پوتے ہیں جنہوں نے دارالعلوم کو احاطہ موسری سے نکال کر ایشیا اور یورپ تک پہنچا دیا۔ ان کی وہ حیثیت ہے کہ انکی پچاس سالہ خدمات پر ایک اجلاس منعقد ہونا چاہیے میری تمنا ہے کہ قاری طیب صاحب دارالعلوم کے اندر داخل ہو جائیں میں اور کسی کو نہیں جانتا۔ صلح کرانے کیلئے ایک وفد کے ساتھ آپ نے دیوبند کا سفر بھی کیا تھا۔ آپ دوسروں کے اخلاق کے بھی قدردان تھے۔ بزمانہ طالب علمی قیام دارالعلوم دیوبند کے دوران خواجہ حسن نظامی دہلوی مرحوم سے ایک مناظرہ سماع بالمذاہب میری ہوا جو ”رسالہ منادی“ میں شائع ہونا رہا آخر نظامی صاحب نے ہتھیار ڈال دیئے نظامی صاحب مرحوم سے تسلی بخش جواب نہ بن بڑا۔ تو انکے ایک مرید نے خط لکھا کہ خواجہ صاحب میں آپ کا مرید ہوں آپ کی بات سرائے نکھوں پر گرا آئیے امر وہہ والے کا جواب نہ ہو سکا خواجہ صاحب مرحوم نے اس خط کو بھی — ”منادی“ میں شائع کر دیا۔ اس پر آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ نظامی صاحب مرحوم کے اونچے اخلاق کی بات ہے ورنہ کوئی بھی اپنے خلائ خط کو شائع نہیں کرتا۔ اگر کوئی اور پیر ہونا تو اسکو اپنی مریدی سے نکال دیتا۔“

خودداری

آپ کی طبیعت نہایت خوددار واقع ہوئی تھی جس کے ہزاروں میں سے صرف دو نمونے ناظرین کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ جب آپ تفصیل علم کیلئے دارالعلوم دیوبند جانے لگے تو ایک صاحب نے طعنے دیا کہ میاں وہاں زکوٰۃ خیرات کی روٹیاں کھاؤ گے آپ کی خودداری طبیعت پر اسکا بہت اثر ہوا اور طے کیا کہ مجھے دارالعلوم دیوبند ضرور جانا ہے اور دارالعلوم کا کھانا نہیں کھانا ہے چنانچہ دارالعلوم دیوبند پہنچے شیخ الادب الفقہ کے پاس امتحان اخلا ہو اکھانے کا نمبر آیا مگر آپ نے دارالعلوم کا کھانا منظور نہ کیا ایک ہوٹل والے سے تین روپیہ ماہوار پر دونوں وقت کا کھانا طے ہوا جس میں یہ طے ہوا کہ روٹی اور سالن ہوگا

لیکن سالن صرف نمک مرچ کا سادہ ہوگا، گھی اور مصالحہ کچھ نہیں ہوگا، آپ کے چچا شبیر احمد صاحب فاروقی (والد ماجد افتخار احمد فاروقی) ساکن لاہور جن کا قیام اسی زمانہ سے لاہور میں تھا انکو معلوم ہوا تو ہر ماہ پانچ روپیہ بھیجنے لگے جس میں سے آپ تین روپیہ ہوٹل والے کو دیتے تھے اور باقی دو روپیہ میں بقیہ تمام ضروریات پوری کرتے تھے تیسرے سال حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنی درس بخاری کی تقریر نقل کرنے کے لئے آپ کو مقرر کیا جس کی اجرت چودہ آنے فی جز (۸۸ پیسے) مقرر کی تھی آپ رات کو نو درے کے سامنے لائٹن کی روشنی میں بولسری کے درخت کے نیچے نقل کرتے تھے، جب آپ کو یہ آمدنی ہونے لگی تو اپنے چچا شبیر احمد صاحب فاروقی کو لکھ بھیجا کہ اب آپ اپنا عطیہ نہ بھیجا کریں کیونکہ میں اب خود کفیل ہو گیا ہوں۔

۲۔ قیام دارالعلوم کے زمانے میں ایک گرتہ ایک پاشخامہ اور ایک لنگی تھی جمعہ کے دن لنگی پہن لینے اور دونوں پہنے دھو لیتے تھے۔ پانچواں گھٹنے پر سے پھٹ جاتا تھا، اسکو سی لیتے تھے بار بار کے پھٹنے اور سلنے سے گھٹنے پر نہ ہونگیا تھا۔ ایک دن دفتری لواحق صاحب مرحوم ایک جوڑا لائے اور کہا اسکو قبول کر لیجئے آپ نے فرمایا مجھے ضرورت نہیں ہے اور جوڑا واپس کر دیا بعد کو معلوم ہوا کہ یہ صفا حضرت شاہ رفیع الدین عثمانی کے نوادے ہیں تو فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس تبرک کو واپس کرنا تھا یہ دونوں واقعے متعدد مرتبہ احقر سے بیان فرمائے۔

شفقت، تحمل، بردباری

۵۔ بچہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہوا اثر کوہ ساروں میں نشان نقش پالتا نہیں آپ فطرۃً مستقل مزاج، متحمل و بردبار واقع ہوئے تھے، اس سلسلے میں بے شمار واقعات ہیں اپنی ذات سے متعلق کتنا ہی ناخوشگوار واقعہ کیوں نہ پیش آگیا ہو لیکن کبھی آپ کو کسی پر غصہ آتے نہیں دیکھا گیا بلکہ عفو و درگزر کا معاملہ فرماتے تھے نیز اپنے چھوٹوں پر بڑے شفقت تھے حتیٰ کہ چھوٹے آپ کو اپنے والدین سے زیادہ مہربان پاتے چہرہ مبارک پر ہر وقت بشارت رہتی تھی سخت سے سخت مصائب کا بھی بڑی خندہ پیشانی سے مقابلہ فرماتے

لے مولانا جید صاحب فقہوری نے ڈاکھیل سے اس تقریر کی پہلی جلد درس بخاری کے نام سے شائع کرادی ہے موصوف حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے شاگرد ہیں۔

گزارنا بالقضاء کا معاملہ رہتا تھا۔۔۔۔۔ تحمل کا ایک واقعہ سنتے چلے میرے عزیز دوست مولانا حکیم عطاء الرحمن صاحب ساکن موضع گلڑیہ معافی تحصیل بٹھا کر دوارہ جو کہ حضرت کے قدیم شاگردوں میں سے ہیں انکی درخواست پر انکی شادی میں تشریف لے گئے ان کا بیان ہے مئی کا مہینہ تھا سخت گرمی تھی بادِ سموم کے جھونکے تیز تھے بارہا کوس کے فاصلے پر بارات جانی ہتی راستہ خام و شوار گزار تھا حضرت بارہ بجے دوپہر کو تھ میں دو طالب علموں کے ہمراہ روانہ ہوئے راستے کی پریشانیوں کو برداشت کرتے ہوئے رتھ بان کی کم عقلی کی وجہ سے رات کو گیا بارہ بجے منزل مقصود پر پہنچے سب لوگ انتظار میں پریشان تھے انکے والد صاحب کچھ گرم مزاج تھے رتھ بان کو ڈانٹنا شروع کیا لیکن آپ نے ہنس کر فرمایا کہ اس نے تو ہمیں راستہ بھر بہت خوش رکھا ہے یہ کہہ کر آپ نے رتھ بان کو انعام دیا۔ حضرت کے اس طرز عمل پر سب ہی لوگ بہت متاثر ہوئے یہ آپ کے تحمل کا ادنیٰ نمونہ ہے۔

سادگی

آپ انتہائی سادگی پسند متواضع، منکسر المزاج اور ہر قسم کے تکلف سے بے نیاز تھے، خوراک لباس میں بھی حدودِ درجہ سادگی تھی، لباس ایسا استعمال فرماتے تھے کہ نو وارد کو پہلی ملاقات میں یقین ہی نہ آتا تھا کہ یہ وہی مولانا نسیم احمد فریدی ہیں جنکی علمی شہرت کا غلغلہ ہندو بیرون ہند میں ہوتا ہے خوراک کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ ناشتے میں ہمیشہ باسی روٹی استعمال فرماتے تھے، سادگی کے متعلق تو قلم حیران ہے کہ نصیر کیسے کھینچوں، جن لوگوں نے انھیں دیکھا تھا انکو تو سمجھا ہیکی ضرورت نہیں اور جنھوں نے نہیں دیکھا، کم از کم میرے لئے ان کو سمجھانا اور یقین دلانا بہت دشوار ہے بس یہ سمجھ لیجئے کہ غائبانہ تعارف رکھنے والے جب ملاقات کو آتے اور تعارف ہوتا تو کچھ دیر ششدر و حیران رہتے اور انھیں خشک رہتا کہ وہ کسی اور سے تو ہم کلام نہیں کیا پھر جب سلسلہ گفتگو شروع ہوتا تب مطمئن ہوتے۔

تقویٰ

دُعا و تقویٰ اور احتیاط کے باب میں آپ کی حالت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مسجد کے جس کمرے میں آپ کی کتابیں رہتی تھیں اگرچہ وہ کمرہ ایک صاحب خیر نے آپ ہی کے

استعمال کیلئے بنوایا تھا مگر آخر وقت تک اس کا کرایہ ادا فرماتے رہے، مسجد کی روشنی میں کام کیا تو اس کا بل ادا کیا سردی کے موسم میں گرم پانی سے دھو کر لے تھے تو اپنی طرف سے مسجد میں ایندھن کا انتظام کراتے تھے جبکہ عقیدت مند آپ کی طرف سے لکڑیاں پہنچا بھی دیتے تھے جب تک کسی مدرسہ میں بغرض امتحان یا شرکت جلیہ جانا ہوتا تو اپنے کرایہ سے جانے اگر کسی وقت مدرسہ کا کھانا کھایا تو چندہ کے عنوان سے مدرسہ میں رقم جمع کرادی بارہا ایسا ہوا کہ مدرسہ شمس العلوم شاہدہ دہلی میں آتے جاتے ایک شب قیام ہوتا صبح کو فرماتے کہ میاں مدرسہ کے حساب میں اتنا روپیہ جمع کر دو تقریبی دغونوں میں انتہائی تحقیق کے بعد شرکت فرماتے اگر ذرا بھی مال مشتبہ یا خلاف شرع امور کا علم ہوتا تو اعراض فرماتے۔

سخاوت

۵۔ عدیل ہمت ساقیست فطرت عرفی کہ حاتم دیگران و گدائے خویشین است
پیشوا استاد مکرم پرپوری طرح صادق آتا تھا آپ کی سخاوت کا کیا کہنا سخی کے متعلق آنا ہے کہ ایک سخی وہ ہے جو خود دوسروں کی ضرورت پوری کرے دوسرا وہ ہے جو چل پھر کر دوسروں سے پوری کر دے آپ میں دونوں صفیتیں جمع تھیں۔ بہت سپواؤں، ضرورت مندوں اور حاجتمندوں کی ضرورت یا آپسے وابستہ تھیں اپنے قریبی خدام سے انکے گھروں پر پہنچاتے تھے۔ اگر باہر سے کوئی پریشانی لکھتا تو اس کی خدمت کی فکر کرتے مینی آرڈر روانہ کرنے پر بھی یہی احتیاجا مور تھا، طلبہ علم دین کی ضرورت خواہ طالب علم امروہہ، دیوبند، سہارنپور، ندوۃ العلماء، لکھنؤ میں ہو یا اور کسی مدرسہ میں۔ ہر ممکن مدد فرماتے۔ احقر کی تمام تر ضروریات کے تو آپ ہی کفیل تھے ہمیشہ ایسا ہوتا رہا کہ جب بھی احقر مکان گیا تو آمد و رفت کا کرایہ غنایت فرماتے کبھی صرف جانے کا ہوتا جب گھر پہنچتا تو ۱-۱۵ دن کے بعد مینی آرڈر پہنچتا اور میں سمجھ جاتا کہ طلبی ہے فوراً واپسی کا پروگرام بنالیتا۔ حیات مستعار کی آخری شب جیب میں صرف سترہ روپیہ تھے وہ بھی ہم خدام پر صرف فرمادیلے۔

عشق رسول و رقت قلب

مولانا کے دل کو اللہ تعالیٰ نے جو سوز و گداز دیا تھا، اور سینے میں عشق رسول کی جواگ

بھر رک رہی تھی، مولانا اکثر اسے چھپانے میں کامیاب رہتے تھے، لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ ضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب پھوٹ پڑتا، اور آپ کی چھین نکلنے لگتیں ایسا ہی ایک واقعہ پیش خدمت ہے! ایک دن ایک صاحب نے تعمیر حیات کا پرچہ لا کر دیا اس میں ایک مضمون مولانا مناظر احسن گیلانی کا تھا جس کا عنوان تھا — کس منہ سے کہتے ہو کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا — فرمایا کہ سناؤ جب مولانا اپنے رنگ پر آتے ہیں اور ان کا قلم جوش میں آتا ہے تو عجب رنگ دکھاتا ہے اور بات میں بات نکلتی ہے — لکھتے ہیں مدینہ میں جو پائے تخت قائم ہوا وہاں تخت کی جگہ منبر بچھایا گیا وہی مسجد ہے وہی جھونپڑے ہیں وہی چمڑے کا اکہرا گدڑ ہے۔ نہ حاجب ہے نہ دربان ہے۔ امیر بھی آتے ہیں غریب بھی آتے ہیں دونوں کے ساتھ ایک معاملہ ہے عجب دربار ہے۔ سلاطین کہتے ہیں شاہی دربار تھا، فوج تھی، عہد تھا، پولیس تھی، جلا دتھے۔ محتسب تھے، گورنر تھے، کلکٹر تھے، منصف تھے، ضبط تھا، قانون تھا — مولوی کہتے ہیں مدرسہ تھا کہ درس تھا، قضا تھا، تصنیف تھی، تالیف تھی، محراب تھی، منبر تھا۔ صوفی کہتے ہیں خانقاہ تھی۔ کہ دعا تھی، بھاڑ تھی، پھونک تھی، ورد تھا، وظیفہ تھا، ذکر تھا، شغل تھا، تحت (چلہ) تھا، گریہ تھی، بکاء تھا، وجد تھا، حال تھا، کشف تھا، کرامت تھی، فقر تھا، فاقہ تھا، زہد تھا، قناعت تھی — بس یہاں تک سنا تھا کہ مولانا کی آنکھیں بہہ پڑیں، رونے لگے، ہچکیاں بندھ گئیں، سبحان اللہ سبحان اللہ کی صدا میں بلند ہونے لگیں! ایک حال سا مولانا پر طاری ہو گیا..... اور بہت دیر بعد مولانا کی طبیعت معمول پر آئی.....

مقبولیت و جامعیت

انہی اخلاق کریمانہ کا نتیجہ تھا کہ آپ کی مسجد میں ہر وقت آنے جانے والے لوگوں کا نانا بندا رہتا تھا ہم لوگ ذرا دیکھنے کہ استاد کرم کی مسجد پر کم کوڑی بیڑی ہے آپ مفتی بھی تھے اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بھی۔ صبح فجر کے بعد سے رات تک لوگوں کی آمد کا سلسلہ رہتا تھا جس میں شہر کے بھی ہوتے بیرون شہر کے بھی۔ ہر ایک اپنے اپنے مسائل پیش کرتا۔ ہر شخص کو تسلی بخش جواب ملتا، دینی ہو یا دنیوی، سیاسی ہو یا معاشی، آپسی معاملات

ہوں یا کسی مسجد مدرسہ کا تفسیر ہو یہاں تک کہ مریض ہو پریشان حال ہو، سب کو مطمئن فرماتے، سب کی پریشانیوں کو دور کرنے کی کوشش فرماتے، عجب دیار تھا، ہم لوگ دیکھتے کہ ہر ایک خوش اور مطمئن ہو کر جا رہا ہے۔ ہاں اگر حکم الہی یا فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی آپ کو مرعوب کرنے یا استعمال کرنے کی کوشش کرتا تو رنگ فاروقی خوش میں آجاتی، آپ کے پاس نہ فوج تھی نہ پولیس، مگر آپ اس دیار کے بے تاج بادشاہ تھے۔ آپ کا حکم ماننے کو بلا قید نہ ہوتی ملت، عقیدہ و مسلک ہر ایک تیار رکھ دیتا۔ بلکہ آپ کے اوپر اپنی جان قنار کرنے کا خواہشمند رہتا۔ رئیس احمد رئیس امرغوی نے آپ کی منقبت میں سدا میں لکھی ہے اسکے آخری بند کا آخری شعر ہے ۵

ناز تھا انسانیت کو جس پہ وہ انسان تھا

تاج کی خواہش نہ تھی بے تاج کا سلطان تھا

آپ کی علمی و دینی مجلس روحانی تربیت کا وہ مرکز تھی جہاں علم معرفت کے طالبین اور وادی سلوک کے سالکین کی رہبری ہوتی تھی جب آپ کے فضل و کمال کی شہرت عام ہوئی اور وہ ہیکھنڈ سے نکل کر دہلی میرٹھ، ہندو بیرون ہند میں پہنچی تو آپ کے آستانہ فیض پر بے شمار لوگ دی عقیدت کے ساتھ حاضری دینا اپنی سعادت سمجھتے اور طائیت قلب کی دولت کے بہرہ ور ہو کر واپس جاتے اس طرح اصلاحی و دینی خدمات کے ساتھ ساتھ حاجات مخلوق کو پورا کر چکی جدوجہد میں بھی آپ آخری تک مصروف و کوشاں رہے۔

سفر حج

سفر حج سے متعلق چند واقعات جو آپ کے رفیق سفر اسطر حاجی علاؤ الدین جھاکا کی زبان سے خود سنئے ان کا بیان ہے ————— "مارچ ۱۹۷۸ء میں حضرت کے ہمراہ حج کی سعادت نصیب ہوئی سفر میں ان کی خدمت کیا کرتا، خود میری خبر گیری و راحت رسائی میں مشغول رہتا، ریل و جہاز میں ہر وقت اپنے قریب ہی بٹھاتے جب ہمارا قافلہ ممبئی اسٹیشن پر پہنچا تو ایک معلم صاحب ریل کے ڈبلے کے قریب آئے معلم صاحب حضرت سے بغل گیر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت آپ کا قافلہ ہمارے یہاں ہے گا آپ نے فرمایا کہ ہم معلم عبید الرحمن کو ملے کر چلے ہیں پھر بھی انھوں نے اصرار کیا کہ آپ کا قافلہ تو ان کے یہاں چلا جائے اور آپ مع ہم لڑی میری رہائی

شریف نے چلیں آپے اسکو بھی منع فرمایا وہ یہاں تک ٹھہر ہوئے کہ آپ کے اور آپ کے ہمراہی
 کے پورے سفر حج کے تاواپسی تمام اخراجات میرے ذمہ میرا یہ بھی آپ کے قبول نہ کیا۔ اب شیش
 سے مسافر خانہ پہنچے اپنا قیام عام حاجیوں کے ساتھ رکھا حالانکہ متعلین مسافر خانہ نے
 آپ کے قیام کا الگ بندوبست کرنا چاہا مگر اسے منظور نہ فرمایا۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب
 اعظمی سے ملنے شریف لے گئے تو انھوں نے بھی الگ سے قیام کا بندوبست کرنا چاہا لیکن
 مولانا نے معذرت کر دی یہاں پر دن رات آپ کے ملنے والوں کا اتنا بندھا رہتا تھا اور
 ہر شخص زیادہ سے زیادہ آپ کی راحت رسانی کا متمنی ہوتا لیکن آپ فرماتے کہ میں اپنے جانے
 والوں کی ٹھوکریں لگتی ہیں تو برا مزا آتا ہے۔ آپ مسافر خانہ میں تبلیغی کام بھی برابر انجام
 دیتے رہے کبھی جماعتوں کی روانگی کی دعا کرتے کبھی بیان فرماتے تو کبھی کام کرنے والوں کو
 قیمتی مشوروں سے نوازتے عجیب کیفیت رہی۔ پاسپورٹ کے ضروری قواعد سے فارغ
 ہو کر اب فافلہ بندرگاہ روانہ ہوا۔ جہاز میں سوار ہوئے جہاز میں بھی ملنے والوں کی بڑا ہوا
 بھر رہی تھی عام حاجی سے لے کر علماء تک ملاقات کیلئے آتے یہاں بھی تبلیغی کام میں آپ کی
 مشغولیت برابر جاری رہی۔ ۸ دن جہاز کا سفر رہا آٹھویں دن جدہ کی بندرگاہ
 پر جہاز ٹنگر انداز ہوا جمعہ کی نماز مسافر خانہ کی مسجد میں ادا کی دوسرے دن مکہ معظمہ پہنچے
 بیت الشرف شریف میں حاضری ہوئی، طواف سے فارغ ہو کر مدرسہ صولقیہ پہنچے شیخ سلیم
 آپسے ملکر بہت سرور ہوئے خوب زمزم پلایا اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ ماسٹر صاحب
 یہ الشرف کے ولی ہیں آپ کا ڈبل حج ہو گا۔ یہاں سے آپ زمزمی صاحب سے ملاقات کیلئے گئے
 جیسے ہی دروازے کے اندر قدم رکھا زمزمی صاحب ایک کمر صحن میں آپسے چمٹ گئے بہت زیادہ
 تعریف کی تو آپ فرمایا میں کس قابل ہوں زمزمی صاحب نے فرمایا میں سب جانتا ہوں گڈری
 میں مل ہے۔ مدینہ منورہ میں ایک امریکن سے ملاقات ہوئی انھوں نے درخواست کی کہ
 آپ میرے ساتھ امریکہ چلیں آپ نے انکار فرمادیا انھوں نے کہا کہ اگر آپ منظور نہیں فرمائیں گے
 تو شاہ سعود سے سفارش کراؤں گا فرمایا کہ میرے ساتھ مجھوری ہے میرے دو بھائی مجھ سے
 صفت ہیں انکی خبر گیری میرے ذمہ ہے۔ اسکے بعد وہ مایوس ہو گئے۔ حرمین شریفین کے
 ناجوہوں کے متعلق فرمایا کہ ان سے سودا لے تو حجت نہ کرے انکا ہمارے اوپر حق ہے کہ بغیر
 مال لئے ہی انکی خدمت کریں۔ مدینہ منورہ میں ایک دن بارش ہوئی تو کیفیت

۱۳۳
بدل گنج جب گنبد خضر پر بارش کی بوندیں پڑ رہی تھیں تو آپ گنبد خضر کے نیچے پہنچے
اسکی بوندیں اپنے سر پر لیں اور میرے سر پر بھی ڈالیں۔

اسفار

کثرت مشاغل و متعدد بنیائی کے باوجود آپ کے بے شمار اسفار متحد مقامات کے ہوئے
جو اکثر و بیشتر علمی تحقیق و جستجو تبلیغ و اشاعت، اکابر سے ملاقات دینی مجالس میں شرکت کی
غرض سے ہوتے تھے مسجد مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھنے کیلئے آپ کو مدعو کیا جاتا تھا بلا فرق قریب و
بعید ہر جگہ طبیب خاطر تشریف لیجاتے تھے صرف ایک سفر (سفر سرہند) کے مختصر احوال اس سفر
میں آپ کے رفیق مولانا حافظ قاری محمد ایاس میرٹھی کی زبانی ناظرین کی خدمت میں
پیش کئے جا رہے ہیں۔

سفر سرہند

۲۱ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ صبح کو بندریہ بس امر دہہ سے میرٹھ پہنچے اور مدرسہ نورانیہ
ضیاء الفرقان واقع محلہ پروا الہی بخش میں قاری محبوب الہی صاحب کے یہاں قیام کیا۔ صبح کو بندریہ
ریل گاڑی سرہند کیلئے روانگی ہوئی افطار کا سامان سہانہ پودریلوے اسٹیشن سے خرید لیا پھر
نازل ریل گاڑی میں ادا کی عصر کی مانند درگاہ مجدد الف ثانیؒ کی مسجد میں پڑھی منظم درگاہ نے
ایک چھوٹا سا حجرہ قیام کیلئے منتخب کیا جس میں روشنی اور فرش کا بھی انتظام نہ تھا، افطار
مسجد میں عام دسترخوان پر ہوا۔ نماز مغرب کے بعد کھانا بھی اسی حجرہ میں کھایا۔ نماز عشا کے لئے
مسجد میں پہنچ گئے تراویح میں کوئی سامع نہیں تھا احقر نے ہی لقمہ دیا نماز سے فراغت کے بعد
اجتماعی دعا ہوئی اسکے بعد مودن صاحب (جو سجادہ نشین صاحب کے ماموں تھے) انکی حضرت کے اس
انداز میں گفتگو ہوئی۔ ”آپ کہاں سے آئے ہیں؟“ ”امردہہ سے“
”آپ کا نام کیا ہے؟“ ”نسیم احمد“ ”ایک نسیم احمد تو فریدی ہیں آپ
انہیں جانتے ہیں؟“ ”آپ انہیں کیسے جانتے ہیں؟“ ”انہوں نے
لے فاضل مضمون نگار مولانا محبت صاحب نے کئی اسفار کے حالات لکھے تھے لیکن گنجائش کی
کئی وجہ سے صرف ایک سفر کے حالات کا اس نمبر کیلئے انتخاب کرنا پڑا۔ (مدیر)

حضرت مجددؑ اور حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات کا ترجمہ کیا ہے یہ بہت بڑا کام کیا ہے۔ ”میں نے ہی ترجمہ کیا ہے“..... !!

اس گفتگو کے بعد مودن صاحب نے بہت احترام کا معاملہ کیا خادم کو حکم دیا کہ حضرت کا بستر بہان خانہ میں پہنچاؤ۔ جہاں خانہ میں اونچے اونچے پلنگ اور دروازے تھے لیکن حضرت نے باوجود احراز نظمیں کے فرش زمین پر ہی آرام کیا یہ احترام تھا اس مقام کا۔ ہاں ایک دن کے قیام کے بعد سہارنپور واپسی ہوئی۔ سہارنپور رات کو پہنچے حضرت شیخ الحدیث کے آرام کا وقت تھا اس لئے مسجد میں قیام کیا صبح کو بیلہری پر حضرت شیخ الحدیث کی اطلاع ہوئی تو خادم کو حکم ہوا کہ مسجد میں مولانا سید احمد رضا فریدی ہیں انکو بلا لاؤ حضرت کی وضع نہایت سادہ تھی اور خادم ہی تانہ تھا، وہ مسجد میں گھوم پھر کر واپس چلا گیا اور کہہ دیا کہ وہاں کوئی مولانا نہیں ہیں حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا کہ جا مسجد میں موجود ہیں اور آپ کا علیہ بتایا خادم آیا اور آپ کو ساتھ لے گیا وہاں ہمراہی کے متعلق سوال ہوا تو حضرت نے فرمادیا کہ قاری محمد الیاس ہیں حضرت شیخ نے خادم کو حکم دیا کہ جا مسجد میں قاری محمد الیاس ہیں انکو بلا لاؤ وہی معاملہ احقر کے ساتھ پیش آیا خادم کا خیال تھا کہ قاری محمد الیاس کوئی سمر شخص ہونگے دوبارہ حضرت شیخ نے حکم دیا کہ مسجد میں بلند آواز سے کہہ دے کہ قاری محمد الیاس کو بلا یا جا رہے ہیں اس آواز پر میں خادم کے ساتھ حاضر ہوا حضرت شیخ الحدیث نے دست شفقت احقر کے سر پر پھیرا اور دعا دی اسکے بعد ایک ایک شب دیوبند اور پھلت میں قیام کیا اور امر وہہ کو واپسی ہو گئی

ان کے علاوہ آپ کے متعدد اسفار مندرجہ ذیل مقامات کے ہوئے۔

اجمیر شریف، الہ آباد، بجنور، بلند شہر، بریلی، بمبئی، بھارت، بھلاؤدہ، تھانہ بھون
ٹھاکر دارہ، جاشمہ، جلال آباد، جون پور، جھنجھانہ، چاند پور، حسن پور، حیدر آباد، خورہ
دہلی، دیوبند، رام پور، رائے بریلی، ردولی، رڈکی، سرمنڈ، شعل، سہارن پور، سیتا پور، شریف نگر
کانپور، کاکری، کاندھلہ، کلیر، گھنولی، گلاؤٹھی، گلبرہ، معانی، گنگوہ، لاہر پور، لکھنؤ، لاد آباد
منظر نگر، منصور پور، میرٹھ، میراں پور، نانوتہ، نجیب آباد، ہاپور وغیرہ۔

شاعری میں آپ کا مقام

آپ جہاں ایک طرف مفسر محدث، فقیہ، مفتی، مبلغ، مقول، منقول، عالم تھے

تو دوسری طرف ادیب و انشا پر دراز فصاحت و بلاغت کے ماہر اور قادر الکلام شاعر بھی تھے، امر وہہ کے مشہور مزاجیہ شاعر مولانا سلطان احمد صاحب شہباز امر وہوی مرحوم آپ کے اپنے کلام پر مشورہ لیتے تھے جبکہ دونوں حضرات میں اپنے اپنے امتدادوں کی قابلیت کے باوجود چھ ماہ تک تحریری مناظرہ نہ چکا تھا۔ (افسوس کہ یہ تحریریں محفوظ نہ رہیں) لیکن جب دونوں حضرات ملے تو ایسے ملنے کہ جیسے کبھی کوئی باہمی نہ ہوئی ہو، شہباز صاحب مرحوم کے استاد مولانا حبیب الرحمن صاحب افق کاظمی اور آپ کے استاد مشتعی عزیز احمد صاحب المتوفی ۱۳۹۷ھ تھے، امر وہہ ہی کے دوسرے مشہور نعت گو شاعر ماسٹر حافظ عبدالرؤف صاحب روضۃ کو جب اپنے دیوان کی اصلاح کی ضرورت پیش آئی تو پاکستان مولانا افق صاحب کاظمی کو خط لکھا کہ آپ میرے دیوان کی اصلاح فرمادیں افق صاحب نے جواباً لکھا کہ میں دور دیار میں ہوں یہاں سے اصلاح ممکن نہیں آپ امر وہہ ہی میں اصلاح کرالیں تو اچھا ہے اور آپ کے کلام کی اصلاح مولانا نسیم احمد صاحب فریاد کر سکتے ہیں اور کوئی نہیں آپ انھیں سے اصلاح کرائیں چنانچہ رؤف صاحب نے اپنے کلام کی اصلاح آپ کے کرائی حضرت نے ان کے کلام کو بالاستیعاب پوری توجہ سے سنا اور نہایت غور و خوض کے ساتھ اصلاح فرمائی جب آپ پوری طرح مطمئن ہو گئے تو لکھنؤ عہدہ کو تحریر رحمت پر تقریباً بھی لکھی۔ یوں تو آپ فن شاعری کی تمام اصناف پر قدرت رکھتے تھے لیکن آپ کے خاص مزاج و میلان نعت و مناقب کی طرف تھا جب آپ نعت و مناقب کہتے تو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حب صحابہ میں متغرق ہو جاتے۔ رئیس احمد رئیس امر وہوی نے آپ کی نعت گوئی کے بارے میں بالکل صحیح کہہا ہے ۷

نعت گوئی میں وہ اپنے وقت کا حاتم تھا شان والوں کے مقابل وہ بڑا ذی شان تھا

استیجابت دعا اور صفائے باطن

ہم خدام کو بار بار حضرت مولانا کی دعاؤں کی مقبولیت اور فراست و ایمانی کا تجربہ ہوتا تھا۔ اور بعض اوقات تو آپ کچھ دعا کے طالبوں کو ایسا اطمینان دلا دیتے تھے جیسے

لہ ہائے استاد مکرم مولانا نسیم احمد فریدی کے استاد مشتعی عزیز احمد صاحب عزیز امر وہوی کے استاد مفسر ضریحی تھے۔ ان کے استاد امیر شاہی لکھنوی تھے جو انیس لکھنوی کے شاگرد تھے اور اس لکھنوی شیخ غلام احمد بدائی مفتی امر وہوی کے شاگرد تھے۔ علامہ آپ کا انتقال ۱۶ دسمبر ۱۹۸۶ء کو ہوا۔

آپ کو بالکل اطمینان ہو کہ ایسا ہی ہوگا۔

ماسٹر حاجی علاء الدین صاحب امر دہوی اور حاجی جمیل احمد صاحب ساکن بانس کوڑی ان دونوں حضرات کے رطکے سخت بیمار ہوئے، یہاں تک کہ ناامیدی ہو گئی۔ یہ دونوں حضرات مختلف اوقات میں دعاء صحت کی درخواست لے کر حاضر ہوئے، آپ نے دونوں ہی سے فرمایا: وعدہ کرو، ان کو علم دین پڑھاؤ گے! دونوں نے وعدہ کیا، بس فرمایا، جاؤ! — ان میں سے ایک عالم ہو چکے ہیں۔ اور ایک جامع مسجد امر دہر میں زیر تعلیم ہیں۔

اسی سلسلہ میں ایک واقعہ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ ۱۹۸۷ء میں جب آپ کو صدر جمہوریہ ہند کے ہاتھوں ایوارڈ ملا، تو ایوارڈ ملنے کے دوسرے دن ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب نے اپنے بھائی (میس احمد فاروقی صاحب) کو (یہ دونوں مولانا کے بھتیجے ہیں) امر دہر پہنچا دیا کہ چچا میاں آج امر دہر پہنچ رہے ہیں۔ اور پھر آپ سے عرض کیا کہ آج ہی امر دہر تشریف لے جائیں! فرمایا بغور کروں گا لیکن پھر ڈاکٹر صاحب کے مکان واقع بٹلہ ہاؤس سے روانہ ہونے کے بعد راستہ میں فرمایا کہ آج امر دہر جانا نہیں ہے، آج تو مدرسہ شمس العلوم شاہدہ میں ٹھہرے گا۔ کل امر دہر چلیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اگلے روز جب امر دہر پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ کے استقبال کیلئے دونوں مدرسوں (جامع مسجد و چٹلہ) کے اساتذہ و طلبہ اور اہل شہر کثیر تعداد میں اسٹیشن پہنچے تھے، اور ارادہ یہ تھا کہ جلوس کی شکل میں مولانا کو لے جائیں گے مگر.....

اس سلسلہ میں ایک اور یہ واقعہ یہ سنانے کا دل چاہتا ہے کہ اگست ۱۹۸۷ء میں (جاپانک مجھ سے فرمایا کہ گھر چلے جاؤ، میں نے عرض کیا حضرت آپ علیل ہیں اس حال میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ فرمایا تم چلے جاؤ میں پھر کبھی ماننا رہا۔ ۲۰-۵ دن کے بعد حکم فرمایا تم چلے جاؤ۔ بس اب کوئی چارہ نہ تھا۔ پروگرام بنایا، اور ۱۹ اگست کو روانگی کے وقت جب رخصتی ملاقات کیلئے حاضر ہوا تو فرمایا: گھر آنا نہیں سب خیریت سے رہیں گے سفر کے دوران حضرت کا یہ جملہ بار بار ذہن میں گردش کرتا رہا لیکن مطلب سمجھ میں نہ آسکا۔ ۲۱ اگست ۱۹۸۷ء کو وطن پہنچا ۲۱ اگست کی صبح کو بہار کے کچھ اضلاع میں قیامت خیز زلزلہ آیا اس وقت آپ کا ارشاد دیا: گھر آنا نہیں سب خیریت سے رہیں گے۔ — چنانچہ میں بالکل پرسکون رہا جبکہ گھر کے باقی افراد بہت پریشان تھے، میں سمجھتا تھا کہ گھر آؤ نہیں انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا؟ گویا آپ کی دودھ میں نگا ہیں دیکھ رہی تھیں کہ اگر یہ اب

نہیں گیا تو پھر ۲-۳ دن کے بعد پریشان ہو کر جائیگا۔ اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جنکو لکھنے کیلئے کافی وقت دیکار ہے۔ اور جو مقامی معاملات اور دوام ذکر و طاعت کی نعمت آپ کو حاصل تھی اس کے ہوتے ہوئے ان احوال کا ہونا ذرہ برابر تعجب خیز نہیں۔

علامت و رحلت

سات دن زیر زمیں لوگ چلے جاتے ہیں نہیں معلوم نہ خاک تماشہ کیا ہے شعبان ۱۲۰ھ سے آپ کی علامت شروع ہوئی بخار رہنے لگا حکیم شعیب اختر بن حکیم صیانتہ اللہ صاحب امر وہوی کا علاج شروع ہوا۔ موصوف آپ کے مزاج شناس علاج خاص تھے لیکن بیشیت ایندی اس بار مرض بڑھنا گیا جوں جوں دوا کی علامت کی حالت میرا صیام رمضان المبارک اور تراویح کا خاص اہتمام رہا، پھلت دلو بند اور سہارنپور کا سفر بھی ہوا، صنعت بڑھنا رہا اسکے باوجود معمولات میں کوئی فرق نہ آیا، آپ کو اپنی رحلت کا یقین ہو گیا تھا۔ اشارۃ خدام سے فرما بھی دیتے تھے لیکن اشارے ایسے تھے کہ بعد رحلت سمجھ میں آئے۔ ہوش و حواس آخر دم تک قائم رہے آخری ایام میں بھی معتقدین کی آمد کا سلسلہ برابر جاری رہا باوجود معالج کی ہدایت کے اس پر کنٹرول نہ ہو سکا خود حضرت بار بار یہی ارشاد فرماتے تھے: ”یہاں لوگ عقیدت سے آتے ہیں، آنے دو یہ کیا کہیں گے۔“ ماہ صفر میں ڈاکٹری علاج شروع ہوا لیکن کوئی افادہ نہ ہوا۔ گریے و جگر ماؤف سینہ پر بلغم کا اجتماع ہو گیا تھا ماہ صفر کے آخر میں بار بار عیشی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی افادہ پر آپ اکثر دریافت فرماتے کیا ربیع الاول شروع ہو گیا؟ جواب نفی میں ملتا، آپ خاموش ہو جاتے، بہر حال جب آپ کے استفسار پر عرض کیا گیا ربیع الاول شروع ہو گیا تو چہرہ پر کچھ اطمینان و انبساط کے آثار نظر آئے ۵ ربیع الاول منقذہ ہوا۔ اکتوبر ۱۲۰ھ بروز منگل صبح کے وقت استغرافی کیفیت کے بعد خدام سے فرمایا: حضرت گنگوٹی تشریف لائے تھے، بلائے ہیں کچھ دیر بعد پیشاب کی حاجت ہوئی بٹھایا گیا اتنے میں باہر سے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی آپ نے فرمایا کہہ دو ہم آتے ہیں اور پھر جلدی طہارت سے خارج ہو کر لیٹ گئے اور آخر کار وہ گھڑی جس کیلئے بے چین تھے وہ آپہنچی اور انھوں نے اس شوقی تقا کے ساتھ اس دار فانی کو الوداع کہا جو خاصان خدا کی خاص علامت اور

حشاق ایزدی کی پرانی رسم ہے۔ جو حادثہ مصعبہ وقفہ غریبہ۔

آپ کے انتقال پر ملال کی خبر مرویہ، مضافات مرویہ، مراد آباد، دیوبند، میرٹھ
 دہلی وغیرہ دور مقامات تک ایسی تیزی سے پھیلی کہ وہم و گمان بھی نہ تھا۔ علاقہ پراس
 سانہ و عظیمہ کی کیفیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ بلا قید مسلک ہی نہیں بلکہ بلا قید مذہب
 ملت شہر کے تمام بازار تکلیف بند ہو گئے یہاں تک کہ تمام سرکاری وغیرہ سرکاری اداے اسکول
 و کالج، دفاتر حتیٰ کہ متصفی تحصیل کی بھی تعطیل کر دی گئی۔ اس روز عجیب ہوکا عالم تھا
 شہر میں سناٹا چھایا ہوا تھا ہر گھر، ناکس، داس و غم تھا، گویا اسکی محبوب ترین تناع کم ہو گئی
 ہو، اس روز مرویہ میں ہر مرد و زن خورد و کلاں، عکلیں و سوگوار تھا۔ ہر ایک خود کو بے بہار
 و قیم سمجھ رہا تھا بعد مغرب نسل دیا گیا عشاء کی نماز کے بعد جامع مسجد مرویہ میں حضرت مولانا
 سید اسعدی مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی نماز جنازہ میں تقریباً تیس چالیس ہزار کا مجمع
 تھا یہ تاریخ مرویہ کا بے مثال مجمع تھا کہ اس سے قبل کسی کے جنازے میں اتنا مجمع نہیں دیکھا
 گیا جنازہ کو واپس محلہ جھنڈا شہید ہی لیا جاتا تھا جو جامع مسجد سے چند منٹ کی مسافت پر ہے
 لیکن مجمع کی کثرت کی وجہ سے جوکاندھا لگانے کیلئے ایک دوسرے پر ٹوٹا پڑتا تھا جنازہ جلوس
 کی شکل میں ذکر کرتا ہوا مرویہ کے مختلف محلوں اور راستوں سے گزرتا ہوا تقریباً دو گھنٹہ
 میں محلہ جھنڈا شہید پہنچا قبر محلہ جھنڈا شہید کی مسجد کے دروازے کے متصل حجرے میں
 تیار کی گئی بیت کے ساتھ جلوس کی کثرت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ گزرگاہ کے تمام
 چوراہوں پر جوڑوں اور چلوں کے ڈھیر صبح کو دیکھے گئے کثرت ازدحام کی وجہ سے جس بقا پر
 سے نکل گیا تو نکل گیا۔ مجمع اب بھی پروانہ وار دفن کیلئے ٹوٹا پڑتا تھا مسجد کا دروازہ
 اندر سے بند کر دیا گیا۔ مگر لوگ یوانہ وار دیواریں پھانڈ کر اندر کھینچ بھر گئے بالآخر ڈاکٹر
 خٹار احمد صفافاروقی نے موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے مجمع کو منت سماجت و رخصت
 کیا۔ اس پر مجمع کچھ کم تو ہوا مگر دفن کی دشواری کم نہ ہوئی مجبوراً ڈاکٹر خٹار احمد صفافاروقی نے
 باواز بلند اعلان کیا کہ ہماری طرف سے قبر میں اتارنے کی کسی کو اجازت نہیں مولائے مولانا
 محبت الحق صاحب نفیس احمد صاحب، احسن امیر صفافاروقی مولانا عطاء الرحمن صفافاروقی، اس پر مجمع
 مجبور ہو گیا، اس موقع پر احسن امیر صفافاروقی کی قربانی بھی قابل ذکر ہے کہ انھوں نے اپنی اس معاذ
 کو بقیہ ترین ساتھیوں کے سپرد کر دیا اور آپ اپنے ایشار کا اعلان کر کے مجمع کے سدا رہ ہو گئے،

احقر نے اپنے دونوں ساتھیوں کی مدد سے رات کو دشا بکریا لیش منٹ پر اس خواہ
علم و حکمت و گنجینہ معرفت کو سپرور حجت کر دیا۔ رحمتہ اللہ رحمتہ واسعہ۔ بقول
حکیم امون خاں موئن دہلویؒ

دست بیدار داخل سے بے سرو پا ہو گئے
فقرو میں فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل

آخر میں یہ احقر تمام قارئین کرام سے درخواست کرتا ہے کہ وہ ہم سب خدام و
نلامذہ کے لئے عموماً اور اس خاکسار کے لئے خصوصاً دعاؤں کا اہتمام فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ
ہمیں مرتے دم تک اپنے شفیق و محسن استاد و مربی کے نقش قدم پر چلنے رہنے کی توفیق
عطا فرمائے۔ اور ہر طرح کے فتنہ اور انحراف سے ہماری حفاظت فرمائے۔



ایک پچسپ و سبق آموز واقعہ

دہلی یونیورسٹی کے ڈاکٹر معین الدین فریدی ایک بار حضرت شاہ ابن بدیع رحمہ اللہ سے عرس میں شرکت کیلئے امر وہہ تشریف لے گئے، غالباً بات مشغلہ کی ہے انھیں مولانا فریدی سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ عرس کے بعد خانقاہ میں انھوں نے منقبتی شاعرے کی صدارت فرمائی اور اپنی وہ نقبت پڑھی جو مولانا فریدی کے چند اشعار پر تھیں یہی اسی دوران میں مولانا اسماعیل سمبلی (ممبر پارلیمنٹ) چند اجا کے ہمراہ تشریف لائے۔ لوگوں نے تپاک سے "آئیے مولانا" کہہ کر فریادی کی اور مولانا اسماعیل ایک طرف بیٹھ گئے۔ وہ کالی شیرانی اور سفید ٹوپی میں لباس تھے، جیسے لگا ہوا ترشی ہوئی سڈول سی داڑھی اور لبیم بہ لب خدو خال۔ معین جھٹانے نہ کبھی انھیں دیکھا تھا نہ مولانا نسیم احمد فریدی کو۔ اسلئے غلط فہمی ہو گئی۔ شاعرہ ختم ہونے پر جب خانقاہ سے باہر نکلے تو معین جھٹانے مولانا سمبلی سے خود اپنا تعارف کرایا۔ مولانا نے خوش اخلاقی سے "اچھا اچھا" کہہ کر مصافحہ کیا۔ معین جھٹانے فرمایا کہ "میں صبح حاضر ہوا تھا مگر..." مولانا بولے "اچھا آپ تھے" آپ گویا معین جھٹا کو تصدیق ہو گئی کہنے لگے "مولانا تمہا کیجئے آپ کے چند شعریں بغیر اجازت نہیں کر لے ہیں..." اس پر مولانا اسماعیل تو سوا لہ زبان بیکر معین جھٹا کا منہ دیکھنے لگے مگر قریب کھڑے ہوئے حکیم کلب علی صاحب غلط فہمی بھاپ گئے اور قہقہہ لگا کر بولے "یہ مولانا اسماعیل سمبلی ہیں" معین جھٹا یہی خفیہ ہوئے بعد میں کہنے لگے کہ "بھئی جب لانا خانقاہ میں داخل ہوئے اور لوگوں نے آئے مولانا کہہ کر استقبال کیا تو میں نے تصور میں انکے خدو خال سے داڑھی ہٹا کر دیکھا، ناک نچنے میں کچھ تشارف افروختی صاحب کی شباهت آئی، میں نے سوچا یہی ہو سکتے ہیں، تشارف صاحب کے چچا۔" اگلے دن معین جھٹا راتم اکھروت کے ہمراہ مولانا فریدی ملنے گئے، جھٹا نے ان کے نیچے ہی مولانا سارے کپڑوں میں ایک معمولی سی دوپہی اوڑھے درویشانہ انداز میں کھڑے تھے۔ میں تعارف کرایا معین جھٹا کچھ حیران ہو گئے کہ ایسے ہونے میں مولانا نسیم احمد فریدی۔ مولانا کی خالی عظمت اور تجربہ علی کا بھی انھیں اندازہ تھا اور پھر تشارف افروختی اور حلیق احمد نظامی کے حوالے سے انکے ذہن کے پردوں پر مولانا فریدی کا ایک تسلیق، صاف نظریہ، رشکوہ خاک تیار ہوا تھا جو شینے کی طرح چمکا چمکا ہو چکا تھا لیکن مولانا کی عظمت انکی نظریں اور زیادہ بڑھ گئی۔ گویا وہ عالم بھاجو ایلو میں مختصر عرصہ قافح ہو کر اؤنٹ کی ٹیکل پکڑے ہوئے آئے دیکھ کر عیانی بادشاہ کاہر تھا (انھذا از مضمون جناب فریدی صلی علیہ وسلم تھا امر وہہ)



مولانا نسیم احمد فریدی انکی

مولانا نسیم احمد صفا فریدی مرحوم کے نام اور کام سے واقفیت ماہنامہ الفرقان ہی کے ذریعے ہوئی۔ زمانہ طالب علمی ہی سے چند دوسرے علمی رسالوں کے ساتھ ماہنامہ الفرقان کا پابندی سے مطالعہ کرنے کی کوشش کرتا۔ الفرقان کے ہر شمارہ میں مولانا مرحوم کا کوئی مضمون ضرور شریک اشاعت ہوتا الفرقان میں مولانا مرحوم اس پابندی کے ساتھ لکھتے کہ قارئین کے ذہنوں میں الفرقان اور مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم لازم ملزوم کی حیثیت رکھتے تھے ان میں سے ایک کے تصور سے فوراً دوسرے کا تصور ابھرتا مولانا کا شمسۂ اور شائستہ قلم علماء و مشائخ کی تذکرہ نویسی اور ان کے ملفوظات و مکتوبات کے ترجمہ و تلخیص کے لئے وقف تھا، اسلوب تحریر بڑا سادہ و سنجیدہ لیکن ادبی حلاوت و گھلاوٹ لئے ہوئے تحریر بہت بک اور رواں، دل کے تاروں کو چھیڑنے والی۔ ادبیم سحر کے ٹھنڈے جھونکوں کی طرح رگ و پے میں اتر جانے والی۔

نئی نسل کو بزرگان پیشین، علماء دین اور اکابر طریقت کے علوم و معارف فیوض افادات سے روشناس کرانے میں مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا بڑا حصہ ہے، انھوں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم سرسہندی کے مکاتیب کا ترجمہ و تلخیص جس کامیابی کے ساتھ کی ہے اردو تراجم میں اس کی مثال بہت کم ملے گی، تجلیات ربانی اور مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرسہندیؒ کا اول سے آخر تک مطالعہ کر لیجئے کہیں بھی ”ترجمہ پن“ کا احساس نہیں ہوتا بلکہ ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ مکاتیب اصلاً اردو زبان ہی میں لکھے گئے تھے ترجمہ میں اصل فارسی مکتوبات کا زور اور اثر آفرینی قائم ہے۔

چند تاثرات

مولانا مرحوم سے غائبانہ واقفیت اور عقیدت دور طالب علمی سے ہی لیکن

ان سے ملاقات کا مشرف اس وقت حاصل ہوا جب تدریس کے سلسلے میں چند سال میرا قیام مدرسہ امدادیہ مراد آباد میں رہا۔ یہ بات ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۵ء تک کہ ہے، اس عین سال کے عرصہ میں بار بار مولانا مرحوم کی خدمت میں امر وہمہ حاضری ہوئی، مولانا مرحوم بھی بار بار مراد آباد تشریف لائے اور مولانا کو بہت قریبے دیکھنے کا موقع ملا۔ مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے مایہ ناز شاگرد تھے انھوں نے عمر عزیز کا بڑا حصہ علوم اسلامیہ کے مدرس کی حیثیت سے گزارا، فقہ و فناؤی سے انھیں خاص مناسبت تھی۔ اکابر دیوبند کے علوم کے شایع و امین تھے حضرت مجدد الف ثانی سے لے کر اکابر دیوبند تک ہندوستان کے علماء و مشائخ کی جو سنہری زنجیر ہے مولانا مرحوم اس کے خصوصی مورخ تھے، مجددی اور ولی اللہی سلسلے کے علماء و مشائخ کے حالات و مایقات، ملفوظات و مکتوبات پر ان کی نظر بڑی وسیع و عمیق تھی، آخری دور میں اس موضوع کے بارے میں ان کی حیثیت سند کی ہو گئی تھی۔

مولانا نسیم احمد فریدی کی زندگی کا قریبے مطالعہ کرنے والے شہادت دیں گے کہ بے شک مولانا مرحوم اسی طبقہ کے ایک فرد تھے جس کی تذکرہ نگاری میں انھوں نے زندگی کا ایک بڑا حصہ صرف کیا، وہ بزرگوں کے ارشادات و فرمودات سے پہلے اپنی زندگی منوارنے اس کے بعد دوسروں کیلئے وقف عام کرنے، الفرقان کے بانی مولانا محمد منظور نعمانی و امت برکات نے ان کے بارے میں بجا طور پر لکھا ہے ”وہ ایک درویش صفت، فقیرانہ زندگی گزارنے والے، اکثر زمین اور چٹائی پر سونے والے اس طرح کے صاحب درس و افتاء اور صاحب قلم و صاحب تصانیف عالم دین ہیں جیسے کبھی پہلے ہوا کرتے تھے جن کا تذکرہ ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں“۔

تواضع اور بے نفسی

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم بے انتہا تواضع اور بے نفس انسان تھے فضل و کمال سے آراستہ ہونیکے باوجود ہر شخص سے بڑے تپاک، محبت اور سادگی سے ملتے تھے، انکی زندگی میں تکلفات کا خانہ بالکل نہیں تھا، علماء اور اہل دین کے بڑے قدر دان تھے۔ میں اپنے آپ کو انکے شاگردوں کی صف میں بھی جگہ پا چکے قابل نہیں سمجھتا لیکن امر وہمہ میں جب کبھی انکی خدمت میں حاضری کی سادت نصیب ہوئی تو انھوں نے حد درجہ

اعزاز و اکرام کا معاملہ فرمایا وہ یہ کوشش کرتے کہ ہر خوش ذائقہ اور لذیذ غذا مہمان کو کھلائیں اور اپنے مصروف ترین اوقات میں سے خاصہ وقت ہم جیسوں کی دلداری کیلئے فایز کرتے۔ انکی مجلس بڑی پاکیزہ معلومتاً افزا اور پر لطف ہوتی تھی جب بھی ان سے ملاقات ہوئی انھوں نے علماء و مشائخ، علوم و دینیہ ہی کی بات چیت کی، علمی اور دینی موضوعات ہی کے گرد انکی گفتگو دائر رہتی کسی معاصر کا شکوہ و شکایت کرتے نہ لایعنی باتیں کرتے، زندگی، مشائخ کی صحبت اور مشائخ پیشین کے حالات اور زانیفات کے مطالعے سے ان کا آئینہ دل مصفی و مجلی ہو چکا تھا۔ انکی زندگی ”وما اتان من المتکلفین“ (میں تکلف کرنے والوں میں نہیں ہوں) کا سچا نمونہ تھی، وہ مشائخ کی رسوم و طواہر سے بالکل آزاد تھے، ان کے گفتگو کے دوران کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ انھوں نے اپنی سطح مخاطبہ کچھ بھی بلند سمجھی ہو، بڑی بے ساختگی اور بے تکلفی انکی گفتگو میں تھی، ان کا طلب علم کا ذوق آخر تک جوان رہا، انھوں نے تحقیق و تلاش کی کسی منزل پر قیام نہیں کیا بلکہ عمر کے آخری لمحے تک تلاش و جستجو کا سفر جاری رکھا اور علم کے دفتیوں میں گھس کر آباد رہی اہل علم کے سامنے پیش کرنے لپے اور اردو زبان کو علوم و معارف سے مالا مال کرتے رہے۔

انکی بے نفسی کا ایک اقعہ صفحہ دماغ پر اس طرح نقش ہے کہ کبھی فراموش نہیں ہو سکتا۔ مراد آباد میں قیام کے زمانے میں میں ایک بار ڈور وڈ کیلئے امر وہہ انکی خدمت میں حاضر ہوا مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کے ایک اور معاصر جواب بھی بقید حیات ہیں، وہ بھی تشریف لے گئے تھے جمعہ کے روز امر وہہ کی جامع مسجد میں یہ واقعہ پیش آیا کہ مولانا فریدی مرحوم تبلیغی اجتماع اور جمعہ کے بعد تبلیغی جماعتوں کو روانہ کرنے میں بے حد مصروف تھے، انکے معاصر بزرگ کو یہ احساس ہوا کہ مولانا مرحوم مجھے نظر انداز کر رہے ہیں اور بات چیت کے لئے وقت نہیں فایز کر رہے ہیں اچانک جامع مسجد میں مولانا مرحوم کے ہزاروں معتقدین کے مجمع میں مولانا مرحوم پر اس طرح برے کہ سارا مجمع ششدر رہ گیا اور ہر ایک کو بے پناہ غصہ آیا لیکن خود مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم پر اس نازیبا طرز عمل کا کوئی رد عمل نہیں ہوا انکی زبان سے کوئی بھی سخت لفظ نہیں نکلا بلکہ وہ ٹھنڈے لہجے میں معذرت کرتے رہے اور اپنی وقتی مشغولیت کا عند پیش کرتے رہے اس واقعہ نے مجھے غیر معمولی طور پر متاثر کیا اور میں نے محسوس کیا کہ مولانا مرحوم اس مرحلے سے گزر چکے ہیں جب انسان اپنی ذات کیلئے

علمی فنائیت

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا اک بڑا وصف انکی علمی فنائیت تھی، علم و تحقیق ان کا ذوق و مزاج بن چکا تھا۔ علمی اشتغال رکھنے والے، تصنیف و تحقیق کرنے والے بہت مل جاتے تھے لیکن ایسے لوگ جو علم میں فنا ہوں، علم ان کا ذوق ہی نہیں بلکہ ذائقہ بھی بن چکا ہو جنہیں علم کے بغیر اک لمحہ چین نہ آتا ہو ایسے لوگ نیکیوں پر گئے جاسکتے ہیں اگر بیسویں صدی کی فانی اعلم افراد کی مختصر ترین فہرست بنائی جائے تو اس میں مولانا مرحوم کا نام ضرور شامل ہوگا آخری عمر میں بنیائی سے بالکل معذور ہو چکے تھے مگر انکی علمی اور تحقیقی سفر زندگی کے آخری لمحے تک تیز گامی کے ساتھ جاری تھا۔

مولانا فریدی کا تصنیفی سفر

میری معلومات کی حد تک مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا تصنیفی سفر ماہنامہ "الفرقان" سے شروع ہوا، الفرقان ہی کے ذریعہ انکی بیشتر تحریریں اہل علم کے سامنے آئیں ۱۹۳۸ء تا ۱۳۵۷ھ میں ماہنامہ الفرقان بریلی کا مجدد الف ثانی نمبر شائع ہوا اس وقت مولانا فریدی مرحوم مدرسہ اشفاقہ بریلی کے صدر مدرس تھے، اس نمبر کی ترتیب و تیاری میں مولانا مرحوم نے پورا تعاون کیا اور مجدد الف ثانی کے خلفاء پر ایک بیسوط مقالہ بھی لکھا جو اس نمبر میں شریک شاعت ہے، اس مقالے کی تیاری کیلئے مولانا مرحوم نے مجدد الف ثانی کے مکتوبات سوانح اور تذکروں کا بڑے اہتمام سے مطالعہ کیا، اس تیاری اور مطالعہ نے انکے قلم کو ایک خاص رخ دیا اور تذکرہ نگاری کے ذوق و جذبے کو ہمیز لگائی۔ الفرقان مجدد الف ثانی نمبر جو اثرات چھوٹے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے خود مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم رقمطراز ہیں "مجدد الف ثانی نمبر جب ترتیب پا رہا تھا اس وقت میں بھی ایک ادنیٰ رزق کی حیثیت سے انکی صحیح وغیرہ کی خدمت کر رہا تھا حضرت مولانا عبد الشکور فاروقی محدثی لکھنؤی کا محرکہ الآراء مقالہ خطبہ شوقیہ اور مولانا گیلانی کا وجد انگیز مقالہ اور دیگر شاہیر کے اہم مضامین اس بے بہا نمبر میں نکلے تھے، اس نمبر نے ہندوستان کے اندر مذہبی

حلقوں میں ایک دھوم مچادی تھی۔ احقر کے قلب پر بھی اسکے گہرے نقوش قائم ہوئے،
بزرگانِ دین کے سولہ اور حالات مرتب کرنے کا شوق پہلے ہی سے تھا اب اس ذوق میں
اور اضافہ ہو گیا۔ (تجلیات ربانی ج ۱ ص ۳۹)

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کی تقریباً تمام تصنیفات پہلے ماہنامہ الفرقان میں
قسط وار شائع ہوئیں پھر انھیں قسطوں کو کتابوں کی شکل میں کتب خانہ الفرقان نے شائع
کر دیا۔ آئندہ صفحات میں آپ مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کی تصانیف کا مختصر تعارف
وتذکرہ ملاحظہ کریں۔ جس سے ان تصانیف کی اہمیت و افادیت کا اندازہ ہوگا۔

تجلیات ربانی

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا سب سے اہم علمی کارنامہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ
علیہ کی مکتوبات کی تلخیص اور ترجمہ ہے جو کتب خانہ الفرقان سے تجلیات ربانی کے نام
سے دو جلدوں میں شائع ہوا، مکتوبات مجدد الف ثانی کی اہمیت اور افادیت محتاج
بیان نہیں، مجدد صاحب کے مکتوبات نے اصلاح و تجدید کا جو کام انجام دیا ہے
اس کی نظیر پیش کرنا مشکل ہے، ان مکتوبات میں تصوف و احسان، تعمیر باطن، تمیز حق و
باطل، جہاد فی سبیل اللہ اور اقامت دین، احیائے سنت کا وہ سامان موجود ہے
جس نے گذشتہ تین چار صدیوں میں امت محمدیہ کی رہنمائی کا کام انجام دیا، مجدد صاحب کے
یہ مکتوبات علوم و معارف کا خزینہ اور دعوت و اصلاح کا ایک بہترین سرمایہ ہیں،
یہ مکتوبات زبان و بیان کے اعتبار سے بھی بلاغت کے بلند ترین معیار پر پورے اترتے
ہیں، انکی اثر آفرینی میں اگر ایک طرف حضرت مجدد صاحب کی روحانیت، قوت باطن، جذبہ
نواب کا بڑا حصہ ہے تو دوسری طرف حسن بیان اور سحر انگیز طریق ادالے ان مکتوبات
کی تاثیر میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے، اور یہ مکتوبات "از دل فیض و بردل ریزہ" کا کمال
صدق بن گئے ہیں ان مکتوبات کا ترجمہ و تلخیص کوئی آسان کام نہیں تھا اس کے
جنس تراجم پہلے بھی شائع ہوئے لیکن ان کی افادیت اور اثر آفرینی بہت محدود رہی۔
مجدد صاحب کے مکتوبات کا کامیاب ترجمہ وہی شخص کر سکتا تھا جس میں جذبہ و قوت
بے غور پر پائے جاتے (۱) وہ خود صاحب باطن اور تبلیغ و اصلاح کے جذبے سے

معمود بلکہ مخمور ہو، مکتوبات کے مضامین اس کا صرف قائل نہ ہوں بلکہ حال بن چکے ہوں (۲) وہ شخص فارسی اور اردو دونوں زبانوں کا بلند پایہ ادیب ہو اس لئے کہ مکتوبات کا تاثر میں اسکے پرچوش طرزِ تعبیر اور ادبیانہ حسن و جمال کا بڑا دخل ہے۔ روکھا بھیکا ترجمہ ان بلند پایہ مکتوبات کی افادیت کو یا سرے سے ختم کر دیتا یا بہت ہی محدود کرتا۔ مولانا نسیم احمد مرحوم میں یہ دونوں اوصاف کامل طور پر موجود تھے، ان کا باطن اُن حقائق و معارف سے معمور تھا جنہیں مکتوبات میں بار بار پوری قوت سے بیان کیا گیا ہے۔ اصطلاح امت اور تبلیغ دین کا جذبہ انکے اندر پوری طرح موجزن تھا، احیائے سنت اور رقبہ دعات انکی زندگی کا نصب العین تھا، غرضیکہ مکتوبات مجدد الف ثانیؒ کے مضامین سے انہیں نہ صرف اتفاق تھا بلکہ ان پر اعتقاد و ایمان تھا، انکے زندگی کا واحد مقصد اور مشن وہی کام تھا، جس کیلئے مجدد صفا کے مکتوبات وجود میں آئے، یہاں تک ادب و بلاغت کا تعلق ہے تو مولانا فریدی مرحوم اس میدان کے بھی شہسوار تھے، فارسی زبان و ادب پر انہیں استادانہ دستگاہ حاصل تھی، موصوف فارسی زبان کے رمز شاس تھے، اردو انکی مادری زبان تھی، اردو ادبیات پر انکی نظر بہت وسیع و عمیق تھی، انکی کتابیں ترجمے، مضامین اردو زبان پر ان کے عبور کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ مکتوبات امام ربانی کا مکمل ترجمہ عام مسلمانوں کیلئے زیادہ مفید نہ ہوتا، مکتوبات کا ایک بڑا حصہ ایسے مضامین پر مشتمل ہے جسے سلوک و طریقت کے بلند مقامات طے کرنے والے اور فنِ نصوت کی اصطلاحات جاننے والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ مولانا فریدی مرحوم نے اس طرح کے مکاتیب مضامین کو حذف کر دیا اور تجلیات ربانی میں انہیں مکاتیب کو شامل فرمایا جن کا مطالعہ تمام مسلمانوں کے دلوں میں اتباع شریعت کا جذبہ بیدار کر سکے۔ الشراور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سینوں میں پیدا کر سکے۔

مکتوبات امام ربانی کا ترجمہ تلخیص تجلیات ربانی کے نام سے کتب خانہ الفرقان نے دو جلدوں میں شائع کیا۔ دونوں جلدیں بڑے سائز پر شان کی گئیں، جلد اول کے صفحات ۲۵۲ اور جلد دوم کے صفحات ۱۹۲ ہیں، جلد اول کے شروع میں مولانا فریدی مرحوم کے قلم سے چالیس صفحات پر پھیلا ہوا مقدمہ ہے جو خود اپنی جگہ خواہے کی چیز ہے، مقدمہ میں مصنف نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مختصر حالات و سوانح تحریر کرنے کے بعد

مکتوبات امام ربانی کی اہمیت و اقاویت پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد حضرت مجدد صاحبؒ کے قدیم و جدید ناقدین کا جائزہ لیا ہے۔
 ”تجلیات ربانی“ سے ہندوگان خدا کو بہت فائدہ پہنچا، اس کتاب نے اردو جاننے والی نسل کا رشتہ حضرت مجددؒ صاحب سے جوڑ دیا اور نئی نسل کو ایمان و معرفت کے ایک شفا چشمے تک پہنچا دیا۔

مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے غزوۃ الوقتی حضرت خواجہ محمد معصومؒ حضرت مجدد صاحبؒ کے جانشین ہوئے، انھوں نے بھی ایمان و عشق کی دولت سے دامن بھر کر اللہ کا پیغام لاکھوں لسانوں تک پہنچایا اور بے شمار ہندوگان خدا کو راہ حق پر لگایا، اسلامیان ہند کے ہر طبقے کو نفس گرم کی تاثیر سے نوازا گیا۔ اصلاح و تجدید کا آواز بلند کیا۔ خواجہ محمد معصومؒ سرہندی کے اصلاحی و تربیتی، علمی و احسانی مکتب بھی تین جلدوں میں ہیں جو مکتوبات معصومیہ کے نام سے معروف ہیں۔

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کو بڑی شدت سے اس بات کا احساس تھا کہ ہندوستان میں فارسی کی تعلیم و تعلم کا رواج ختم ہو جانے کی وجہ سے ہماری نئی نسل اپنے ماضی سے کشتی جا رہی ہے، مثلاً ہند کے مکتوبات و ملفوظات و اقادات جنھوں نے صدیوں تک تعمیر سیرت، تزکیہ باطن کا کارنامہ انجام دیا ہے نئی نسل کی دسترس سے باہر نہ ہونے جارہے ہیں۔ اس احساس نے انھیں لکادہ کیا کہ ہندوگوں کے ان خزانوں کو اردو زبان میں منتقل کریں تاکہ آنے والی نسلیں ان بے بہا خزانوں سے محروم نہ ہو جائیں۔

”مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ“ کے پیش لفظ میں سبب تالیف و ترجمہ بیان کرتے ہوئے مولانا فریدی مرحوم رقمطراز ہیں۔

”مکتوبات معصومیہ کی دوسری جلد کا مطالعہ میں نے سب سے پہلے کیا۔ اس کو دیکھ کر میرے دل میں یہ داعیہ قوت کے ساتھ پیدا ہوا کہ ان علمی و روحانی جواہرات کا ترجمہ ہونا چاہئے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی طے کیا کہ وہ مضامین جو سلوک و معرفت کے اونچے مقامات سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کے سمجھنے کیلئے ان حضرات کے مقامات اور اعلیٰ خاص اصطلاحات کا واقفیت

مزہ دی ہے انکو حذف کر کے تلخیص کے طور پر یہ کام انجام دیا جائے۔“ ص ۷۷
مولانا فریدی مرحوم کے قلم سے مکتوبات معصومہ کا ترجمہ و تلخیص ماہنامہ الفرقان
میں قسطوار شائع ہوتا رہا۔ ادبیات نظر اور اصحاب نے اسے بہت پسند کیا، پھر کتب خانہ
الفرقان نے اسے کتابی شکل میں شائع کیا۔ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ نے پوری نے
اس ترجمہ و تلخیص کو بہت پسند فرمایا اور تقریباً دس بارہ مرتبہ اس ترجمہ کو سنا۔

ترجمہ کی مقبولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس مقبولیت کا جو راز مولانا فریدی مرحوم
نے آغاز کتاب میں لکھا ہے، وہ بھی انکی بے نفسی، تلہبیت اور فضاہیت کا مظہر ہے، لکھتے ہیں
”ظاہر ہے کہ مضامین میرے نہیں تھے، اس عارف کامل کے تھے، جس نے حضرت محمد الف نانیؑ
کے بعد ملت اسلامیہ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں سنبھالی تھی، اور جس نے اپنی پوری زندگی الشراور
رسول کے عشق میں گزاری تھی۔ اس کے کلام کی تاثیر نے اگر ترجمہ میں بھی اپنا رنگ دکھایا تو
یہ صاحب کلام کا کمال ہے میرا نہیں۔ البتہ میرے حصہ میں یہ سعادت مقدر تھی کہ
ایک خاص انداز میں ان گرامی مکتوبات کو اپنی زبان میں پیش کروں۔ میں ہر چند
نااہل ترجمان ہوں، لیکن اس پرنازاں ہوں کہ ترجمہ کے اوقات میں صاحب مکتوبات
سے یک گوشہ ربط قائم کر کے کچھ نہ کچھ اخذ فیوض و برکات کرتا رہا۔ اگرچہ تہہ دست اور کوتاہ
عمل ہوں لیکن ایک شیخ کامل کی روحانیت کے دسترخوان سے اس زلزلہ ربانی پر شکر خدا
ادا کرتا ہوں۔“

ترجمہ و تلخیص کے علاوہ مولانا فریدی مرحوم نے ایک اہم کام یہ کیا کہ کتاب کے آغاز
میں صاحب مکتوبات خواجہ محمد معصوم صاحب کی مختصر سوانح حیات شامل کر دی دوسرا
علمی اور تحقیقی کام یہ کیا کہ ساتھ سے زائد مکتوبات الہیم کے مختصر یا مفصل حالات مذکورہ ذرا
کی مستند کتابوں سے مرتب کر کے فٹ نوٹ کے طور پر شامل کتاب کر دیے۔

ترجمہ بہت سلیس، رواں اور پرتاثر ہے پوری کتاب میں کہیں ”ترجمہ بن“ کا ہلکا احسا
بھی نہیں ہوتا۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ مکتوبات اصلاً اردو ہی میں تحریر کیے گئے اگر مضمون
کی طوالت کا خوف نہ ہوتا تو جتنے نوٹ یہاں پیش کیے جاتے۔

کتب خانہ الفرقان مکتوبات مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرسہدی کے نام سے اس
ترجمہ و تلخیص کو ادس کتابی ساڑ میں شائع کیا۔ صفحات کی تعداد ۳۰۰ ہے۔

تذکرہ خواجہ باقی باللہ مع صاحبزادگان و خلفاء

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پیروم شد حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی شخصیت شائع اسلام کے زریں سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے، مجدد الف ثانیؒ تو خواجہ باقی باللہؒ کیلئے وجہ افتخار ہیں ہی، انکے علاوہ بھی متعدد بلندقامت، نابینا ساز شخصیات حضرت خواجہ کے دامن سے وابستہ رہیں اور حضرت خواجہ کی کیمیا اثر صحبتوں نے ان کو تزکیہ و احسان کے بلند مراتب پر فائز کیا۔

الفرقان مجدد الف ثانی نمبر کیلئے مجدد صاحب کے خلفاء کے موضوع پر مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم نے مبسوط مقالہ لکھا۔ اس مقالہ کیلئے مطالعہ اور تیاری کے دوران مولانا مرحوم کے دل میں شدت سے یہ داعیہ ابھر کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پیروم شد خواجہ باقی باللہؒ کی شخصیت اور ان کے بلند پایہ کارناموں کے سلسلے میں منتظلاً ایک کتاب لکھی جائے، تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ، مولانا مرحوم کی اسی خواہش کا پیکر وجودی ہے۔ یہ کتاب متوسط سائز کے ۱۲۸ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، فہرست مضامین کے بعد پانچ صفحات میں الفرقانِ بانی مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کے قلم سے کتاب کا تعارف ہے، صفحہ ۹ سے حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے، یہ تذکرہ صفحہ ۳۶ پر ختم ہو جاتا ہے، اسکے بعد ”بحر ولایت کے دو آبدار موتی“ خواجہ کلاں و خواجہ خرد کے عنوان سے حضرت خواجہ کے دو جلیل القدر صاحبزادگان خواجہ عبداللہؒ و خواجہ عبید اللہؒ کا ذکر خیر ہے، ان دونوں صاحبزادوں کا تذکرہ صفحہ ۶۶ تک پھیلا ہوا ہے۔ اسکے بعد مولانا فریدی مرحوم نے ”بزم خواجہ خرد کی ایک جھلک“ کے عنوان سے خواجہ خرد کے ایک نادر نسخہ ملفوظات کا ترجمہ و انتخاب پیش کیا ہے۔ مولانا مرحوم نے ملفوظات خواجہ خرد کا یہ قلمی رسالہ کتب خانہ اصفیہ حیدر آباد میں ڈھونڈ ڈھونڈ نکالا، اسی کا ترجمہ و انتخاب اردو زبان میں مرتب فرمایا۔ ”بزم خواجہ خرد کی ایک جھلک“ صفحہ ۸۳ پر ختم ہو جاتی ہے، صفحہ ۸۵ سے حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے تین نامور خلفاء (۱) تاج العارفین، شیخ تاج الدین سبغیؒ (۲) خواجہ حسام الدینؒ (۳) خواجہ اللہ ولد ہوئی کا تذکرہ شروع ہوتا ہے اور کتاب انہیں حضرات کے ذکر خیر پر ختم ہو جاتی ہے۔

یہ کتاب مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کی تذکرہ نگاری اور انشاء پردازی کا بہترین نمونہ ہے۔ مولانا مرحوم کے ذوقِ سوانح نگاری اور طرزِ تحقیق و تصنیف کی ایک جھلک اس کتاب سے محسوس ہوتی ہے۔ مولانا مرحوم کی اکثر تصانیف کی طرح اس کتاب کی اشاعت کی سعادت بھی کتب خانہ الفرقان کے حصہ میں آئی۔

تذکرہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ

ہندوستان کی تاریخِ اصلاح و بہاد میں شاہ اسماعیل شہیدؒ درخشاں ستارے کی طرح ضیاءِ پاش ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے انکی زبان و قلم سے اصلاحِ امت، اچانے سنت، ردِ بدعت کا بہت بڑا کام لیا جس طرح دشمنانِ اسلام کے خلاف انکی تلوار کی کاٹ بہت سخت تھی، اسی طرح شرک و بدعت کے خلاف انکی زبان و قلم کے وار پڑے کاری نکلے، انکی کتابِ تقویۃ الایمان نے شرک و بدعت کے ایوانوں کو ہلا کر رکھ دیا، اسی لئے مشرکانہ ذوق رکھنے والے نام نہاد علماء سوء نے انکے خلاف مستقل محاذ کھول دیا اور علماء اہل حق نے ہمیشہ شاہ اسماعیل شہیدؒ کو اپنا پیشوا تسلیم کیا۔

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا زیرِ تذکرہ رسالہ اجتداء جناب مولانا محمد منظور رحمانی دامت برکاتہ کی کتاب "شاہ اسماعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات" کے ایک باب کے طور پر شائع ہوا تھا، بعد میں اسے کتب خانہ الفرقان نے مستقل رسالہ کی صورت میں شائع کر دیا۔ مختصر ہونے کے باوجود یہ رسالہ شاہ صاحبؒ کے سوانحی پہلو پر بہت حاوی ہے۔ یہ رسالہ چھوٹے سائز کے ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

وصایا حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا یہ امتیاز تھا کہ وہ علماء و مشائخ کے افادات و ملفوظات ایسی جگہوں سے حاصل کر لیتے جہاں ان چیزوں کے ملنے کی یہ ظاہر حال امید بھی نہیں ہوتی۔ بزرگوں کے حالات، ملفوظات و مکتوبات کی تلاش میں انھوں نے بڑی جہاں نوردی کی۔ اسی تلاش جو جستجو نے انھیں بار بار ضلع مظفرنگر کے قدیم ترین قصبہ پھلت پہنچایا۔ کتب خانہ فیض الاسلام پھلت میں انھیں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے وصایا کا ایک مجموعہ

مخلوط کی شکل میں ملا۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی شخصیت اہل علم کیلئے محتاج تعارف نہیں۔ آپ تصوف کے مشہور سلسلہ سہروردیہ کے بانی اور عوارف المعارفؒ بلکہ پاپیہ کتاب کے مصنف ہیں، ان کی زبان قلم سے نکلے ہوئے و صایا میں اثر آفرینی کی جو شان ہوگی وہ محتاج بیان نہیں۔ مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم نے ان گراں قدر و صایا کا ترجمہ و انتخاب اردو زبان میں مرتب کر کے ماہنامہ الفرقان میں بالاقساط شائع کرایا۔ بعد میں و صایا کا یہ ترجمہ و انتخاب کتابی صورت میں کتب خانہ الفرقان نے افادہ عام کیلئے شائع کر دیا۔ یہ کتاب پچھوٹے کتابی سائز کے ۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

فرائد قاسمیہ

فرائد قاسمیہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے غیر مطبوعہ مضامین کا ایک نادر مجموعہ ہے جو مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کی جدوجہد سے ان کے مقدمہ و تعارف کے ساتھ ادارہ ادبیات دہلی۔ گلی قاسم جان دہلی سے شائع ہوا۔

اس مجموعہ کے مرتب حضرت مولانا حافظ سید عبدالغنی صاحب پھلاودی ہیں پھلاودی تحصیل موانہ ضلع میرٹھ کی ایک قدیم آبادی ہے۔ مولانا سید عبدالغنی صاحب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے استفادہ کرنے والے اور حضرت مولانا سید احمد حسن امروٹی کے نژاد و خصوصی تھے۔ انھوں نے بڑی محنت اور تلاش و جستجو سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی نایاب غیر مطبوعہ تحریروں کو جمع کیا اور اس مجموعہ کا نام فرائد قاسمیہ رکھا۔

فرائد قاسمیہ کا واحد نسخہ خوش خط لکھا ہوا مولانا سید عبدالغنی صاحب پھلاودی کے ذاتی کتب خانہ کی زینت تھا جسے مولانا حافظ سید عبدالغنی صاحب کے پوتے مولانا حکیم سید عبدالغنی صاحب جو زجان بنائے ہوئے تھے۔ مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم نے علوم قاسمیہ کے اس خزینے کو جہل کیہ کے اس کا عکسی ایڈیشن شائع کرانے کا اہتمام کرایا۔ فرائد قاسمیہ کی اکثر تحریروں پر مختلف تلامذہ اور متقیدین کے نام مکاتیب کی صورت میں ہیں جن میں مختلف علمی سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ مولانا فریدی مرحوم نے آغاز کتاب میں سولہ صفحات کا مقدمہ و تعارف شائع کیا جو مقدمہ نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔ اس مقدمہ میں انھوں نے حافظ سید عبدالغنی صاحب کا تعارف کرایا۔ فرائد قاسمیہ کی

اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالی اور مکتوبات الہیم کے مختصر حالات دست کئے۔
 فرائد قاسمیہ کو منظر عام پر لانے کے سلسلے میں مولانا فریدی مرحوم نے جو تک و دو کی
 اسکی قدر و قیمت ایک طبع زاد تصنیف سے کم نہیں۔ اگر مولانا مرحوم کو اس کتاب کی اہمیت
 کی توفیق نہ ملتی تو خدا جانے علوم کا یہ خزینہ اہل علم کے سامنے آ بھی پاتا یا نہیں؟ اور اس
 واحد نسخہ کی حفاظت ہو بھی پائی یا نہیں۔ ”فرائد قاسمیہ“ علماء کرام کے لئے گرانمایہ
 تحفہ ہے اور حضرت نانوتویؒ کے علوم و معارف کا اچھوتا نمونہ۔ مقدمہ و تعارف کے علاوہ
 اصل کتاب کے صفحات ۲۴۲ ہیں۔

مکتوبات شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم نے اپنی زندگی میں جو بہت سے علمی اور تصنیفی کام کئے
 ان میں سے ایک اہم ترین کام مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی دریافت اور ان مکتوبات
 کا ترجمہ ہے، مولانا مرحوم نے بڑے ذوق و شوق سے ان مکتوبات کا ترجمہ کیا اور فٹ نوٹ
 میں مکتوبات الہیم کے حالات لکھے وفات سے کئی سال قبل انھوں نے یہ کام مکمل کر لیا تھا۔ اور انکی
 جلد از جلد اشاعت کیلئے بے چین تھے لیکن انکے مقدر میں نہ تھا کہ ان مکتوبات کو مطبوعہ شکل
 میں دیکھ کر شاد کام ہو سکیں، بسا اوقات مصنفین کو ناشرین کی طرف سے جس رویہ کا شکار ہونا
 پڑتا ہے مولانا فریدی مرحوم بھی مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بارے میں اسی کا شکار
 ہوئے، ادارہ ہمدرد ملی نے ان گراں قدر مکتوبات کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا لیکن اب تک
 یہ زبردست علمی اور تاریخی ذخیرہ زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکا۔

خود مولانا فریدی کی نظر میں ان مکتوبات کی کیا قدر و قیمت تھی اس کا اندازہ
 مولانا مرحوم کے ان دو مکتوبات سے ہو سکتا ہے جو انھوں نے اس نابکار کے نام ۱۹۸۳ء میں تحریر
 فرمائے، یہ دونوں خطوط علمی اتادات سے لبریز ہیں اور خاصے طویل لیکن ہم اختصار کے
 خیال سے ان دونوں خطوط کے صرف وہ حصے درج کرتے ہیں جو مکتوبات شاہ ولی اللہ
 دہلویؒ کے بارے میں ہیں۔

پہلے مکتوب میں لکھتے ہیں ”آپ کے ذہن میں نہ معلوم یہ بات کس طرح آئی کہ میں نے
 نادری مکتوبات شاہ ولی اللہؒ کا مجموعہ چھپوا دیا ہے۔ اور وہ ادارہ ہمدرد نے چھاپا ہے“

الہدیہ ہے کہ نسخہ چاند پور کے چند خطوط کے علاوہ جو سیاسی مکتوبات کے نام سے خلیفہ احمد
سلسلہ کے شائع کر دیے ہیں بقیہ تمام خطوط کا ترجمہ میں نے ادارہ ہمدرد کے ایما پر کیا۔ اس میں
لک بھگ۔۔۔ خطوط ہیں۔ اسی مجموعہ میں سے نقل کر کے میں نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث
دہلوی کا وہ مکتوب گرامی جو مولانا محمد واضح حسنی کے نام تھا مولانا محمد ثانی حسنی مرحوم
کو بھیجا تھا پھر مولانا علی میاں کے امروہہ تشریف لانے پر جبکہ وہ سلسلہ پیغام رسائی
دورہ فرمایا ہے تھے اور امروہہ بھی تشریف لائے تھے اس مکتوب گرامی کا ایک اقتباس
نقل کر کے پیش کیا تھا، مولانا علی میاں نے اس کی فرمائش بھی کی تھی۔ اسی مجموعہ میں سے
ایک مکتوب کا حوالہ دے کر میں نے مولانا محمد ثانی سے کچھ دریافت کیا تھا۔ اس کا جواب دیتے
ہوئے انھوں نے لکھا کہ اس مکتوب گرامی سے ایک بڑی تاریخی غلطی کی تصحیح ہو گئی اور
یہ بھی لکھا تھا کہ نہ ہتہ انحواطہ کے مسودہ میں جب دیکھا گیا تو وہ تذکرہ جو مسودہ میں موجود
تھا مطبوعہ نہ ہتہ انحواطہ میں شائع نہیں ہو سکا تھا۔ شاہ صاحب ہی کے مکتوب گرامی کی برکت
سے اس بات کا بھی نتیجہ چلا کہ ایک بزرگ کا تذکرہ شائع ہونے سے رہ گیا ہے مولانا علی میاں
نے اس کو نوٹ کر لیا ہو گا۔ تاکہ اگلے ایڈیشن میں وہ تذکرہ بھی شائع ہو جائے۔

میری معذوری کی وجہ سے اس نادر مجموعہ مکتوبات کی اشاعت میں براہِ تاخیر
آ رہی ہے اس میں چند شخصیات کے تراجم اور ایک مقدمہ درج کرنا ہے۔ یہ کام ایک ماہ
میں ہو سکتا ہے۔ اس مجموعہ کے علاوہ دوسرا مجموعہ شاہ ولی اللہ کے نادر مکتوبات کا
ہے جس کو ادارہ ہمدرد نے عکس کر کے میرے پاس بھیجا، اس میں بھی تقریباً سو
مکتوبات ہیں اور کل کے کل نادر ہیں۔ اس مجموعہ کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ تراجم اور مقدمہ
کا کام باقی ہے۔ پہلے اول الذکر مجموعہ شائع ہو جائے پھر اسکے بعد دوسرا مجموعہ شائع
ہو جائے گا۔ مجھے اس سلسلے میں مولانا علی میاں زید مجدہم کے اثرات سے کام لینا ہے وہ
دعا بھی فرمائیں اور حکیم عبدالحمید کو لکھیں کہ نسخہ چاند پور میں جس کو تغلق آباد بھیجا
لیا ہے جلد شائع کر انیں۔ اور یہ بھی لکھ دیں کہ جو ٹھوڑا کام اس میں باقی ہے وہ پھر جلد
ہو جائے گا حکیم صاحب اسکے چھپوانے کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ حکیم صاحب جو اب یقینی یہ ہو چکے
کہ امروہہ والے کی طرف سے تاخیر ہو رہی ہے، ایک حد تک یہ بات بھی ان کی تصحیح ہوگی
مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب کے سامنے اس کام کی اہمیت پیش نہیں کی گئی۔

یہ دونوں مجموعے شائع ہو جائیں تو ان مکتوبات کے آئینہ میں شاہ صاحب کی ایک متقل مکتوب
عمری مرتب ہو سکتی ہے۔ خدا کرے مولانا علی میاں کی کتاب مرتب ہونے سے پہلے یہ دونوں مجموعے
شائع ہو جائیں حکیم صاحب اگر اہتمام کریں گے تو یہ ظاہر کچھ مشکل نہیں کہ ۵-۶۰ء میں
یہ شائع ہو جائیں۔

مولانا فریدی اپنے دوسرے مفصل مکتوب تحریر کردہ ۶ نومبر ۱۹۸۳ء میں مکتوبات
شاہ ولی اللہ کے بارے میں بڑے اضطراب کے ساتھ لکھتے ہیں "مولانا علی میاں زبدی رحمہ نے
حکیم عبد الحمید صاحب کو شاید مکتوب گرامی بھیجا ہو گا۔ انکی طرف سے جو جواب آیا ہو اس سے مطلع کریں
— مولانا کی توجہ سے اگر مکتوبات شاہ ولی اللہ کے یہ دونوں مجموعے مدوہ پریس میں چھپ
جائیں تو بہت اچھا ہو۔ ان دونوں مجموعوں میں سے ایک تعلق آباد مع ترجمہ بھیج دیا گیا ہے،
یہ نسخہ چاند پور ہے جسکے صرف چند خطوط سیاسی مکتوبات میں چھپے ہیں۔ اصل مکتوبات کا نسخہ
چاند پور سے دارالعلوم دیوبند پہنچ گیا ہے اور بوسیدہ حالت میں ہے۔ میں نے قریباً نصف
سے اس وقت جب میری بصارت کام کر رہی تھی اس کو نقل کیا اور حکیم عبد الحمید صاحب
کی ایما و امداد سے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا۔

دوسرا نسخہ عثمانیہ لائبریری حیدرآباد سے حکیم صاحب نے عکس کر کے حاصل کیا
اور مجھے بھیجا اس میں بھی خوب غور و فکر کے ساتھ تصحیح کر کے بہت وقت صرف کیا گیا ہے
اور حکیم صاحب نے اس کا ترجمہ کرانے میں بھی مالی مدد کی ہے، یہ نسخہ مع ترجمہ ابھی امر دہ سے نہیں گیا ہے
مولانا دونوں نسخوں کو مدوہ کے پریس میں چھپوا دیں اور حکیم صاحب کو اس پر راضی کر لیں تو
بہت اچھا ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولانا علی میاں کی بات حکیم صاحب مان لیں گے تعلق آباد
میں ان مکاتیب کا اور ان کے ترجموں کا اہتمام کے ساتھ چھپنا معلوم نہیں کب تک ہو سکے۔
میں لکھنؤ محاضر ہونا چاہتا ہوں اور اس حاضری کی طاعت کے مسئلہ پر بھی توجہ دلانا
علی میاں کی ملاقات کے علاوہ ان دونوں نادرسوں کی طاعت کے مسئلہ پر بھی توجہ دلانا
ہے۔ مکتوب الہیم کے تراجم کا کام ابھی باقی ہے جو ۱۵-۲۰ دن میں یا زیادہ سے زیادہ ایک ماہ
میں ہو سکتا ہے۔ مقدمہ بھی دونوں نسخوں کا مولانا علی میاں لکھیں تو روح شاہ ولی اللہ بہت
خوش ہوگی۔ مولانا یابیح دعوت و عزیمت کی طاعت سے پہلے ان دونوں نادرسوں کو
صرف ملاحظہ فرمائیں اور مدوہ میں ان دونوں نسخوں کو چھپوائیں۔ میں ان کا پہلے ہی سے

ممنون ہوں یہ کام ہو گیا تو بہت ہی زیادہ ممنون ہوں گا؟

مولانا فریدی مرحوم کو مکتوبات شاہ ولی اللہ کی اشاعت کا انتظار کرنے کرتے رہے اور کئی بار پیارے ہو گئے۔ خدا جانے کیوں یہ مکتوبات اب تک زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکے حالانکہ ادارہ ہمدرد کے پاس الحمد للہ وسائل کی کمی نہیں۔ مکتوبات شاہ ولی اللہ کے فیوض نادر مجموعے ادارہ ہمدرد کے پاس ملت اسلامیہ کی پیش بہا امانت ہیں خدا کرے جناب حکیم عبد الحمید صاحب اور ان کے رفقاء جلد از جلد ان کی اشاعت پر توجہ دیں۔

مکتوبات سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث امروہی

میری معلومات کی حد تک مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا سب سے آخری تصنیفی کام مکتوبات سید العلماء کی ترتیب و تدوین ہے۔ مولانا سید احمد حسن محدث امروہی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز ترین شاگرد ہیں۔ حضرت نانوتویؒ کے بہت سے علمی مکاتیب انھیں کے نام لکھے گئے۔ مولانا احمد حسن محدث امروہی کے مکتوبات کا بڑا ذخیرہ مولانا فریدی مرحوم کو بھلا وہ تحصیل موانہ ضلع میرٹھ میں حاصل ہوا۔ چنانچہ مولانا فریدیؒ فرامرد قاسمیہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں ”حضرت مولانا امروہیؒ کے مکتوبات بنام حضرت حافظ صاحب بھلا وہی بڑی تعداد میں ہیں جن میں سوائے نامہ پوسٹ کارڈ ہیں اور کچھ کم بچا ہے۔ یہ خطوط حضرت مولانا نانوتویؒ کے زبانی و کتبہ کے آخری حصہ سے لے کر حضرت مولانا امروہیؒ کی وفات تک کے ہیں۔ یہ مجموعہ بھی ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے جس میں ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) سے لے کر حضرت امروہیؒ کی وفات کے قریبی زمانے تک کے خطوط میں امروہیہ، مراد آباد، دیوبند، گنگوہ وغیرہ کے بزرگوں کا ذکر ہے اور اس زمانہ کے اہم واقعات کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ خطوط بھی اگر شائع ہو جائیں تو معلومات کی بہت سی راہیں کھلیں۔“ (مقدمہ فرامرد قاسمیہ ص ۳)

مقدمہ میں ایک دوسری جگہ معاونین و محبین کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں ”میاں مولوی محبت الحق قاسمی در بھنگوی سلمہ نے بھی اس کتاب کے حصول کے سلسلے میں میرے ہمراہ میرٹھ اور پھر بھلا وہ پہنچ کر اس کتاب کو اور اس کے ساتھ تنویر النبراس اور مکتوبات حضرت محدث امروہیؒ کو حفاظت کے ساتھ امروہیہ لانے، ان کے مضامین سے آگاہ کرنے میں اور

پھر اس کتاب کی ترتیب میں میری بہت مدد کی۔ ۱۵۶

غائبانہ علماء حضرت مولانا احمد حسن محدث امر وہی کے یہی وہ مکاتیب ہیں۔ جنہیں مولانا فریدی نے زندگی کے آخری حصہ میں مرتب فرمایا۔ مرسل الیہم کے حالات فط لوٹ میں لکھے۔ میرے نام اپنے ایک مکتوب تحریر کردہ ۸ دسمبر ۱۸۹۷ء میں رقمطراز ہیں۔ ان دنوں مکتوبات سید العلماء مولانا سید احمد حسن امر وہی کی کتابت ہو رہی ہے، اس کی وجہ سے شغولیت ہے۔ ۱۷ صفر ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۶ جولائی ۱۸۹۷ء کے ایک مکتوب میں حضرت امر وہی نے تحریر فرمایا ہے۔ "نسبت فتوحات سلطانی خلد الشریک تار مبارکباد براہ راست من نجف فرستادہ" معلوم یہ کرنا ہے کہ ۱۸۹۷ء میں ٹرکی کو فتح ہوئی اسکی مختصر روئید لکھا ہے آپ کی معلومات اس سلسلے میں زیادہ ہیں اس لئے آپ کو تکلیف دہائی تاریخ اور جتنی سے مدد کر آئے دش سطر میں اس سلسلے میں تحریر فرمادیں، اس سے زائد درکار نہیں۔ اس زمانے کے خلیفہ المسلمین کا نام بھی تحریر کریں۔"

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم زندگی میں مکتوبات سید العلماء کے کام سے فایز ہو چکے تھے۔ انکی خواہش تھی کہ اس کتاب کا مقدمہ حضرت مولانا علی میاں دامت برکاتہم تحریر فرمائیں۔ حضرت مولانا کو مولانا فریدی مرحوم کی اس خواہش کا علم ان کی وفات کے بعد ہوا، چنانچہ حضرت مولانا علی میاں دامت برکاتہم نے مکتوبات سید العلماء کا مقدمہ تحریر فرمایا۔ خدا کرے مولانا فریدی مرحوم کی یہ آخری علمی یادگار جلد از جلد شائع ہو کر منظر عام پر آجائے۔

مکتوبات اکابر دیوبند

یہ کتاب جماعت دیوبند کے بلند پایہ اکابر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب، حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی، ہاجہ مدنی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی، حضرت مولانا شاہ رفیع الدین، حضرت شیخ الہند مولانا محمد داؤد الحسن دیوبندی رحمہم اللہ وغیرہم کے بیش قیمت مکتوبات کا مجموعہ ہے جسے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اول حضرت شاہ رفیع الدین صاحب دیوبند کے سعادت مند نواسے دفتری نورالحق صاحب مرحوم نے

لیجا کیا۔ اس کتاب پر مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا نام مرتب کی حیثیت سے لکھا ہوا ہے اور
دفتری نو راجت صاحب مرحوم کا حاشیہ کی حیثیت سے۔ آغاز کتاب میں مولانا نسیم احمد فریدی
مرحوم کے قلم سے تیرہ صفحات کا مقدمہ شامل ہے، جس میں انھوں نے ان مکاتیب کی
اہمیت اور قدر و قیمت پر روشنی ڈالی ہے۔ دفتری نو راجت صاحب مرحوم کے یہاں کا بدو شائع
کے دوسرے جو افادات ہیں ان کا تعارف ہے، مولانا فریدی مرحوم کے مقدمہ سے
ان مکاتیب کی علمی و تاریخی اہمیت اجاگر ہو گئی ہے۔ چند مکتوبات فارسی زبان میں ہیں
ان کا اردو ترجمہ بھی شامل کتاب ہے معلوم نہیں کہ یہ ترجمہ مولانا فریدی مرحوم کے قلم
سے ہے یا نو راجت صاحب مرحوم کے قلم سے۔ معراج بکڈ پوڈیو بند نے ان
مکتوبات کو شائع کیا، متوسط کتابی سائز کے ۱۳۶ صفحات پر یہ کتاب مشتمل ہے۔
ان گرامی قدر مکتوبات میں سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا ایک
مکتوب جو ایک معرکہ الآراء مسئلہ سے متعلق ہے اور ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرمایا گیا
ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

استفتاء۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں
کہ ذات باری عز اسمہ موصوف بہ صفت کذب ہے یا نہیں اور خدا تعالیٰ جھوٹ
بولتا ہے کہ نہیں، اور جو شخص خدا تعالیٰ کو یہ سمجھے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے وہ کیسا ہے۔
بینوا تو جدوا۔

الجواب۔ ذات پاک حق تعالیٰ جل جلالہ کی پاک اور منزہ ہے اس سے کہ
متصف بہ صفت کذب کی جائے۔ معاذ اللہ اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ بھی کذب
کا نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ ومن اصدق من اللہ قیلاً (فرمایا اللہ تعالیٰ
نے بات میں کوئی اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا نہیں) جو شخص اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ
عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے وہ قطعاً کافر ملعون ہے اور قرآن
و حدیث و اجماع امت کا مخالف ہے، ہرگز مومن نہیں۔ تعالیٰ اللہ عما یقول
الظالمون علی اکبیراً (اللہ تعالیٰ ظالموں کی بات سے بہت ہی اونچا ہے)
البتہ یہ عقیدہ سب اہل ایمان کا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مثلاً فرعون و ہامان والی لہب کو
قرآن مجید میں بھی ہونے کا ارشاد فرمایا ہے۔ وہ حکم قطعی ہے اس کے خلاف ہرگز ہرگز

نکرے گا مگر بایں ہمہ وہ تعالیٰ قادر ہے، اس بات پر کہ ان کو جنت دے دے، اس حکم
نکر کی وجہ سے عاجز نہیں ہو گیا اگرچہ کبھی ایسا نہ کہے گا: قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَوْ شِئْنَا
لَأَتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًى وَهَذَا بَلَدُنَا حَقُّ الْقَوْلِ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (فرمایا اللہ تعالیٰ نے، اور اگر چاہتے ہم تو ہر شخص کو ہدایت دیتے
لیکن یہ بات سچی ہو چکی کہ جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھر دیں گے) اس بات سے
واضح ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو سب کو مومن بنا دیتا، مگر جو فرمایا اس کے خلاف
نکرے گا۔ اور یہ سب یعنی کسی کو کافر بنا دینا، کسی کو مومن بنا دینا اپنے اختیار سے ہے
اضطرار سے نہیں۔ وہ فاعل مختار فعال مایید ہے یہی عقیدہ تمام علماء امت کا
ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

رشید احمد
۱۳۰۱ھ

امام المفسرین، رئیس المتکلمین فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں تحت تفسیر
(إِنْ تَعَذَّرَ بِهِمْ فَأَتَهُمْ مَعِيَ ذَٰلِكَ الْآيَةُ) فرماتے ہیں: "يجوز على مذهبنا من الله
تعالى ان يدخل الكفار الجنة وان يدخل الزهاد والعباد النار لان
الملك ملكه ولا اعتراض لاحد عليه یعنی اہل سنت کے مذہب کے موافق جائز
ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کفار کو جنت میں داخل کر دے اور تمام زاہدوں و عابدوں کو
جہنم میں داخل کر دے، کیونکہ تمام جہاں اس کا ملک ہے وہ سب کا مالک ہے اس پر
کوئی کسی قسم کا اعتراض نہیں کر سکتا" قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ
وَهُمْ يُسْأَلُونَ "اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اور سب سے باز پرس
کی جاوے گی۔

(مکتوبات اکابر دیوبند ص ۵۸-۵۹-۶۰)

ہندوستان کا سب سے پہلا سفر نامہ حجاز۔

مولانا الحاج شاہ رفیع الدین صفا فاروقی مراد آبادی تعلیم دہشتہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا سفر نامہ حرمین ۱۲۳۷ تا ۱۲۴۰ھ کا ہے۔ اس سفر نامہ میں جبکہ ریل اور موٹر وغیرہ سواریوں کا وجود نہیں تھا۔ مکان سے روانہ ہو کر براہ خشکی سورت پہنچنا وہاں سے بذریعہ بادبانی کشتی تاجدہ بعدہ حرمین شریفین اور طائف کا ریگستانی وہاں ڈیڑھ سفر نیز واپسی کے مفصل حالات بڑے دلچسپ انداز میں درج ہیں پڑھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود سفر کر رہا ہے۔

تذکرہ خلفاء حضرت شاہ عبدالرزاق جھنجھانویؒ۔

یہ رسالہ حضرت شاہ عبدالرزاق جھنجھانویؒ کے خلفاء کا مختصر مگر جامع تذکرہ ہے مدرسہ نور محمدیہ جھنجھانہ سے شائع ہو چکا ہے۔
مجمع البیان۔ سیرت و اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم صرف آٹھ صفحہ۔

غیر مطبوعہ کتب

قافلہ اہل دل۔

یہ کتاب مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ و جانشین حضرت عبداللہ المعروف بہ شاہ غلام علی نقشبندی مجددیؒ کے حالات ملفوظات مکتوبات اور خلفاء کے حالات کی آئینہ دار ہے۔

حضرت شاہ ابوسعید حسنیؒ۔

اس کتاب میں حضرت شاہ ابوسعید قطبیؒ کے مختلف حالات اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے خاندان سے ان کے تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے، ساتھ ہی ان کے ایک گمنام خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر خالص پوریؒ کا بھی تذکرہ شامل ہے۔
شاہ عبدالرحیم والوالرضاؒ۔

یہ کتاب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم فاروقیؒ

مولانا فریدی مرحوم کی تیسری کتابیں الفرقان مکتبہ پبلشرز لاہور سے شائع ہو چکی ہے۔

دہلویؒ اور عم کرم حضرت شاہ ابوالرضا فاروقی دہلویؒ کے حالات، ملفوظات اور مکتوبات کا مجموعہ ہے۔

سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

یہ کتاب حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے حالات ملفوظات اور مکتوبات پر مشتمل ہے انشاء اللہ عنقریب شائع ہونے والی ہے۔
کاروان اہل فضل و کمال۔

یہ تذکرہ حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی مہاجر کیؒ اور آپ کے شاگردوں کے حالات میں ہے جو "الفرقان" میں قسط وار شائع ہو چکا ہے اب کتابی شکل میں شائع ہونے والا ہے۔

نواب مصطفیٰ خاں شیفہ کا سفرنامہ ج۔

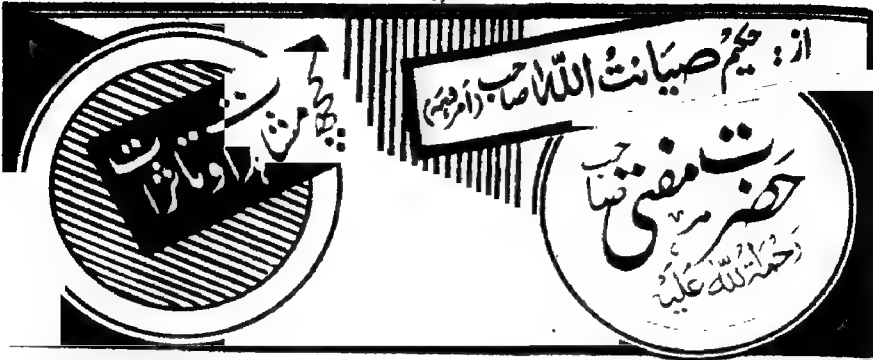
اس سفرنامہ کا آپ نے تلخیص و ترجمہ کیا ہے۔

زیارت حرمین۔

یہ خود مولانا فریدیؒ کا سفرنامہ ج۔ ہے جو اپنے اندر ایک خاص جاذبیت رکھتا ہے پڑھنے سے روح کو سکون ملتا ہے اس سفرنامہ کو ہر سال ماہ ذی الحجہ میں اپنے بعض خدکے بنا کرتے تھے و جد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ الفرقان میں پانچ قسطوں میں شائع ہو چکا ہے۔ خدا کرے یہ بھی کتابی شکل میں آجائے۔

ان مذکورہ بالا تصانیف کے علاوہ مولانا کے بے شمار مضامین اور حمد، نعت، منقبت اور غزل وغیرہ اصناف سخن پر..... شعری تخلیقات ہیں، جو مندرجہ ذیل رسالوں و اخباروں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوئے ہیں:-

- (۱) الفرقان لکھنؤ (۲) القاسم دیوبند (۳) الحکم میرٹھ (۴) البلاغ بمبئی
- (۵) البدیع کراچی (۶) الحق اکوڑہ خشک (۷) الجمعیت دہلی (۸) انسائیکلو پیڈیا کراچی
- (۹) الرحیم کراچی (۱۰) برہان دہلی (۱۱) تذکرہ دیوبند (۱۲) تاج لاہور (۱۳) رسالہ دارالعلوم دیوبند (۱۴) سلطان العلوم دیوبند (۱۵) سہارا ٹریسہ (۱۶) شاعر اکوڑہ
- (۱۷) قائم امر دہسہ (۱۸) منادی دہلی (۱۹) مہر نیمروز کراچی (۲۰) مشرقی آواز دہلی
- (۲۱) منجر عالم مراد آباد (۲۲) نیر اعظم مراد آباد۔



حضرت مفتی صاحب کے ابتدائی تعلیمی حالات تو ایسے تھے کہ وہ اسکے نتیجے میں یا تو بالکمال نشی جی ہوتے یا ماسٹر صاحب مفتی صاحب بالکل نہ ہوتے ۱۶-۱۷ سال کی عمر میں اردو انگلش مڈل کے بعد علوم مشرقیہ و دینیہ کی طرف مراجعت، مشیت الہی کی وہ جلوہ آفرینی ہے جس کے لئے خالق مطلق نے انھیں حیات بخشی تھی۔

”مدرسہ جلیہ“ سے معلمی کا سلسلہ شروع ہوا، مگر طالب علمانہ جذبہ کے ساتھ عربی اساسی کتب میں ایک کتاب ”ہدایۃ النحوی“ بھی ہے۔ اسکی تکمیل کے لئے حضرت مولانا الوداد الحق صدیق صاحب سے درخواست کی گئی جن کا ہر سانس، ہر لمحہ درس و تدریس کے لئے وقف تھا۔ حکم ملا کہ جب ظہر کی نماز کا وضو شروع ہو درس لے لیا جائے، حکم کی تعمیل اور کتاب کی تکمیل اس مختصر و بابرکت وقت میں ہوئی، میری نظر میں یہیں سے طلب علم کی نشاۃ ثانیہ و دینی و روحانی سفر شروع ہوا، بعد منزل نبود در سفر روحانی ”آخرش مقررہ منزل مل گئی“ اگرچہ یہ احقر الزمن راقم حضرت مفتی صاحب کا نہ ہم درس رہا ہے اور نہ تلمیذ لیکن، ایک نسبت ہے دور کی، کے تحت انکے اس معلمی و تعلیمی کے دور میں اُسے ہم مدرسہ ہم استاد ہونے کا شرف ضرور حاصل ہے۔ اور جب ایک خاصہ عرصے بعد نہ معلوم کس شخص ظن کے تحت بعض بزرگوں کے احکامات کے تحت مجھے مدرسہ جلیہ کی کچھ خادمانہ ذمہ داریاں قبول کرنا پڑیں تو یہ بھی میری خوش بختی رہی کہ حضرت مفتی صاحب سے نیاز مندانہ قرب بڑھا حتیٰ کہ مختلف حیثیتوں سے کچھ اضافات کے ساتھ انکے وصال تک قیام بھی رہا۔ اپنے اس طویل قریب کے میرے اپنے مشاہدات یہ ہیں کہ حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی صاحب ایک عالم باعمل، فاضل اجل، محب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، رمز اخلاص و تقویٰ،

حقیقت شناس صوفیائے کرام و اولیائے عظام، واقعہ اسرارِ شریعت و طریقت تھے، زندگی بھر فقرِ فخریٰ کا مکمل نمونہ بنے رہے، اور شاید اسی لئے مکینِ مسجد رہے، مگر فقر و ہمت کے واضح امتیاز کے ساتھ انکی اس شانِ فقر کو دیکھنے اور پرکھنے کیلئے سطحی بصارت نہیں کافی بصیرت درکار تھی، شاید کم ہی لوگ اس کا مشاہدہ کر سکے ہونگے، کیونکہ۔

اہل دانش عام ہیں، کیا اب ہیں اہل نظر۔

وہ تصوف میں کارگاہِ حیات سے گریز و میزاری اور جو عمل و جذبہ نائش ہے اسکے قائل و قریب نہ تھے۔

خاص طور پر امر و بہہ کے اولیائے کرام و بزرگانِ سلف، انکے مزارات، محل وقوع

اور انکی تفصیلات اس طرح آگاہ تھے کہ کوئی اگر لکھنے بیٹھے تو ایک نئی تاریخ امر و بہہ

”تذکرۃ الکرام“ بن جائے، بے حد افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ امر و بہہ میں ان

بزرگوں کی سیتنا لیس^{۱۴} اور نوگانوں^{۱۵} میں عیسائیاں^{۱۶} خانقاہیں موجود تھیں بیشتر کا اب

کوئی نام لیا بھی نہیں اور کتنی ہی مقبوضاتِ اغیار ہیں۔ وہ ان بزرگانِ کرام کے

شجرِ بائے نسبت، سلاسل و متعلقات کے مکمل طور پر جافظ تھے، انکے حافظہ سے کسی

سلسلے کی کوئی گڑی بھی غیر مربوط نہ رہ سکتی تھی۔ اس ذیل کا کوئی ذکر پھر جانا تو شوق

دفعہ کھل جاتا تھا۔ خود میرے سامنے کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دن میں عصر کی نماز کے بعد

کی خدمت میں حاضری کے لئے گھر سے چلا انفاقاً حضرت کی مستقر مسجد کے قریب ایک

رکشہ والے نے مجھ سے ایک مزار کا پتہ معلوم کیا، میں اسکی رہبری نہ کر سکا، اور رکشہ میں بیٹھ

اپنے ساتھ لئے مسجد میں آیا اور ان کی رہنمائی چاہی مزار و صاحب مزار کا نام معلوم

ہو کر فرمایا کہ بھوپال سے تشریف لائے تھے۔ اب جو صاحب مزار بزرگ کا ذکر شروع ہو

اُن کا شجرہ، انکے سلسلے، انکے مراتب سب اس طرح بیان فرمادیئے کہ جیسے تذکرہ اولیائے

کی کسی کتاب کے اوراق پلٹے گئے ہوں۔ ان صاحب کو ”جوئندہ یا بندہ“ کے تحت نہیں ایک نعمت

غیر مترقبہ کے بطور جو منزل مقصود محال ہوئی وہ شاید انکے مطلوبہ رنگ و خشت کے حصار میں

بقا ضائع حالات وہ حلقہ امر و بہہ کے تبلیغی و جماعتی ”امیر“ بھی بنائے گئے چنا

لہارت کا کام ایسا نظام ایسا کہ ملوکی و جمہوری دفاتر ترجیح، حلقے کے کن مصافات و مواضع

میں کتنے لوگ مصروف کار ہیں، ان وابستگان کے نام کیا ہیں، مواضعات کی آبادی کتنی

اور محل وقوع درجہ آمد و رفت کیا ہے، وہاں مساجد بھی ہیں کہ نہیں، اہل حق کتنے ہیں اور

اہل باطل کہتے، کارکردگی میں کیا دشواریاں ہیں، از اللہ مشکلات کس طرح ممکن ہے؟ نیز تمام امور مہرہ وقت مختصرہ صفحات کاغذ درکار ہیں اور نہ رسم، قانونی النسل ہونے کی اس سے زیادہ واضح و روشن دلیل اور کیا ہوگی؟ کوئی جماعتی بھائی، کوئی متعلق علیل ہے تو عیادت کی سنت ترک نہیں ہو سکتی، ایسے ہی اگر کوئی موت واقع ہوئی ہے تو نماز جنازہ میں شرکت ضروری، ہو سکا تو قبرستان تک مشابعت بھی ہو گئی اب واپسی تدریس و دعائے ثابت قدمی کے بعد ہی ہوگی۔

نعتیہ و نقبتی مشاعرہ نے عذر ہائے مقول کے ساتھ انکار کے باوجود اصرار ہائے بے جا کی صورت میں صدارت یا محض شرکت طے ہو جائیگی، دیہات میں دینی مکاتیب مساجد کانگ نیا حضرت ہما کے دست مبارک سے رکھوایا جائیگا خواہ مسفر بیوں اور ٹیپو بلکہ کچھ دھوپ پر پیدل ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے ضعف پیری و تعب سفر، طبیعت خراب، معالج کا مشورہ "الحذر!" مگر وعدہ وفائے ہو، یہ ممکن نہیں۔

ذاتی محالات، نزاعات و مقدمات کے سلسلے میں وقت ضائع کرنے والوں کی بھی کمی نہیں، انکو یگانہ گٹے جھاڑ پھونک کے متمنی بھی موجود ہیں۔ خانہ خرابے دفن الباب (دروازہ) کھٹکھٹانے اور اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ حرکات بے جا حضرت کیلئے وجہ تکبر بھی ہیں مگر بطائف انجیل انھیں بھی راستہ بتایا جائیگا۔ یہ مصروفیات بہیم کن حالت میں ہیں کہ خود اپنی تصنیفات و تالیفات کی تسوید جاری ہے بعض اہم مخطوطات کے تراجم ہو رہے ہیں، خطوط و جوابات بھی تحریر کر ائے جا رہے ہیں بعض اخبار اور رسائل کے مختصرات کی سماعت بھی ہو رہی ہے کسی کسی وقت مشہور کتب کا بالواسطہ مطالعہ جاری ہے اگر نظر کہیں "فیہ نظر" کے لئے ٹھہری ہے تو پورا پورا حق تحقیق ادا کیا جائیگا۔

ملک کے فرقہ وارانہ واقعات کے بے حد دل گرفتہ و ملول رہتے تھے، مگر عقیدہ راسخینہ کا کھنڈر تہا رہند و کج ہر طرح کے معاثر برداشت کر سکتا ہے مگر ظلم کو نہیں ظالم کو اپنے ظلم کا حجاز بھگتنا ہی ہوگا یہی بات انھوں نے ۱۹۴۷ء میں بھی فرمائی تھی جبکہ خود انکی سوسلی بھی انکی ہی کا حصہ رہی رہتی تھی پھر ۱۹۴۷ء میں ان کے جو نتائج سامنے آئے، ساری دنیا نے انھیں انگشت بندھایا کہیں کبھی کچھ اور واقعات بھی مکرر و ملول ہوتے تھے مگر خدا کی عینی قدرت کس طرح ان کے ازالہ فرمائی تھی وہ بجائے غمخایان افروز و سبق آموز ہے میرے ایک عزیز کا وہ سزا زبانی

چند گریو لانا کی مسجد کے بالکل مقابل پہ نقشہ کے مطابق مشعر غسلی نہ دیتے اٹھلا بالائی منزل پر بالکل مسجد کی چھائی میں گیا جھڑ کا فرش آرام بھی سامنے ہی تھا ان دنوں ہر وقت کاغذ غلط استعمال نامانوس آواز میں پرعفونت پانی کا سیلان نازوں کیلئے بھی تکلیف دہ اور حضرت مفتی صاحب کیلئے بھی وجہ تکلیف تھا بچہ سے بھی اپنی کراہت کا ذکر فرمایا میں نے تدارک چاہا مگر کوئی سبیل نہ نکلی۔ ایک شب خود صاحب خانہ یا کسی اور فرد کی اپنی غلطی سے اس کا ہمیشہ کیلئے تدارک ہو گیا ہوا یہ کہ پانی گرم کر تیکے گیزر کا سوچ کھلا رہ گیا آگیں بجتی رہی اور آخر شب میں خوفناک دھماکے اور ہسپتال آواز کے ساتھ وہ پھٹا اور اپنے ساتھ غسلی نہ دیا پانچا خانہ بھی لے اڑا ان کا لمبہ دودھ کے مکانون کی چھتوں اور قریب کی سڑکوں پر پھیل گیا اگر اول شب یا دن کا وقت ہوتا تو کوئی ہلاکتوں کے امکانات بھی تھے پورے مکان میں درازیں پر لٹائیں، کمروں کا سامان ٹوٹ پھوٹ گیا، صاحب خانہ جس کمرے میں سو رہے تھے اس میں بھی لوہے کی الٹاری ٹیڑھی ہو کر انکی مسہری پر گری، مسہری کو توڑ دیا۔ الٹاری کی کچی جمیدگی کے بہنا صاحب خانہ زندہ بچ گئے ورنہ اگر الٹاری سیدھی ان پر گرتی تو انجام معلوم۔

مسجد کے قریب ہی کے ایک ساکن، تمام نمازوں کے مصلیٰ حضرت مفتی صاحب کیلئے بھی نیاز مند ایک دن نہ معلوم کیوں انھیں محسوس ہوا کہ مسجد میں مردوں کو لیجانے والی مسہری نہیں ہے، کسی سے ذکر کئے بغیر اپنی جیب خاص سے مسہری تیار کر لائی، اور اسے مسجد کی زینت بنا دیا، یہ خوش خبری حضرت مفتی صاحب کو سنائی حضرت کو نہ معلوم کیوں یہ سنتے ہی غصہ آگیا اور وہ کہہ ڈالا جسکی ان صاحب کو توقع نہ تھی۔ آخر میں یہ بھی فرما دیا کہ کون مردہ اس پر چاٹیکاؤ اور پوچھا بھی یہی کہ یہ کسی مرد کے لیجانے کا سامان تو نہ بنی گروہاں ٹنگی جہاں وضو کے لئے پانی گرم ہوتا تھا اور اس جگہ یہ باعث رحمت بن گئی اور حضرت مفتی صاحب کا تکدر بھی برقرار رہا۔ ایک شب ہوا یہ کہ جن ٹکڑیوں سے پانی گرم ہوتا تھا ان میں آگ لگی اور نذر آتش مسہری بھی ہو گئی گیہوں کے ساتھ لکھن پنے کی مثل تو مشہور ہے اس آگ سے مسجد کا ساٹھان بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ ساٹھان تو جلد ہی ہی پہلے سے بہتر حالت میں تیار ہو گیا مگر سوختہ جاں مسہری کے کوٹلوں کو بھی جلانے قرار نہ مل سکی۔

آج حضرت مفتی صاحب ہمارے درمیان نہیں ہیں مگر ہم نے ان کی حیات ہی میں دامت برکاتہم و طالت فیوضہم کی دعائیں مانگی ہیں خدا کرے کہ انکی برکات و فیوض ہم سب کیلئے شمع راہ ثابت ہوں اور ہم محضر سے کہہ سکیں کہ ۷

وقت را نام تو میموی کند عمر را یاد تو افزوں کند

گدڑی میں لعل

بات تو بڑی ہے، یعنی اپنا منہ اس کے قابل نہیں، مگر بے نفسی اور حضرت مولانا فریدیؒ میری نظر میں ایسے گھلے لے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے الگ کر کے تصور میں لانا مشکل ہے، اس لئے ان کا تذکرہ شروع کرنے کا جو خیال کیا ہے تو بے اختیار قلم سے نکل رہا ہے کہ خدا جانے لوگ (بلکہ ہم لوگ) بے نفسی کی قدر کیوں نہیں جانتے؟ جب کہ اسکی قدر خدائے بزرگ کے یہاں تو جو ہے سو ہے اس دنیا میں بھی آدمی کے کمالات کو چار چاند اس سے لگ جاتے ہیں۔

مولانا نسیم احمد فریدیؒ، عالم تھے، ادیب اور محقق تھے، ذوق مطالعہ سے سرشار اور کتب بینی کے عاشق تھے۔ یہ سب اپنی جگہ قابل قدر اوصاف ہیں، مگر مولانا کی ذات میں یہ اوصاف کچھ زیادہ ہی تابناک اس لئے ہو گئے تھے کہ ان کے پہلو پر پہلو وہ مسکینی اور خود شکنی تھی، جو عربی مدارس کے بعض طالب علموں میں ملا کرتی ہے، ناموسی خانقاہ کے مخلص و بے نفس خادموں میں، مولانا کو ————— اللہ ان پر اعزاز و اکرام کی بارشیں فرمائے ————— عمر بھر اس مسکینی اور خود شکنی کی گدڑی میں پٹھا ہوا دیکھا۔ ان کے علم و ادب اور ذوق تحقیق و مطالعہ کے لعل جب اس کے اندر سے جھلکتے تو ان کی شان کچھ اور ہی نظر آتی تھی۔

مولانا کا جیسا وسیع ادبی اور تحقیقی مذاق تھا وہ بڑی آسانی سے ایسے موضوعات میں خامہ فرسائی کی طرف مائل ہو سکتا اور اپنا سکہ منوا سکتا تھا جن موضوعات کی چند سالہ خدمت گذاری آدمی کو سکہ بند ادیب و محقق کا درجہ دلا دیتی ہے وہ لائبریریوں کی خاک چھانتے تھے، مادہ تا یاب مخطوطات تلاش کرتے اور

۱۶۶
 ان کی نقلیں لیتے تھے۔ رامپور، علی گڑھ اور دیوبند کے سفر تو وہاں کی لائبریریوں
 کی خاطر الشد ہی جانے مرحوم نے کتنی بار گئے ہوں گے جس زمانے میں مولانا کے
 مضامین کا سلسلہ الفرقان میں تقریباً بلاناغہ چلتا تھا۔ اور میں ترتیب کا دم دار
 تھا تب برابر مولانا کے خطوط سے علم ہوتا رہتا تھا کہ اب دیوبند گئے تھے۔
 اب علی گڑھ گئے تھے۔ اب رامپور اور خیر آباد گئے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن
 مولانا کی بے نفسی اور خدا طلبی جو شاید ان کے خمیر میں شامل تھی اسے سوائے
 اس کے کچھ قبول نہ ہو کہ ان کی تمام ادبی اور تحقیقی صلاحیتیں ایسی ہستیوں کے
 تذکرے اور ارشادات و ملفوظات تازہ کرنے میں صرف ہوں جو اپنے زمانوں
 میں بے نفسی اور خدا طلبی کے امام ہوئے اور جن کے دم سے خدا طلبی اور خود شکنی
 کی وہ صراطِ مستقیم پھر سے روشن ہوئی جس پر ہوا و ہوس اور جہالت کے اندھیرے
 نے پردے جمائے تھے۔

— — — — —



مولانا ابوالحسن زید دہلوی کی کتاب

مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان پر بصیرت

از:

مولانا نسیم احمد فریدی

مع

پیش لفظ و تمثیل



از: مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم



پیش لفظ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد گرامی ہے۔

أشد الناس بلاءً الأنبياء سبق زیادہ قبلائے مصائب انبیاء
ثمر الامثل فالامثل علیہم السلام ہوتے ہیں اور انکے بعد جو

ان سے جتنا قریب ہوتا ہے اسے اسی قدر
تکلیفیں پہنچتی ہیں۔

یہ اسی قانون ابتلاء کا نتیجہ ہے کہ امت کے ان خاص محسنوں کو جھٹکے بغیر کون طریقہ محبت و شفقت اور انکے بے لوث و پر خلوص جذبہ کے ساتھ امت میں دعوت الی الخیر اور اصلاح کی جدوجہد کی۔ انکو اہل بیعت و مہوس کی طرف سے سخت مخالفتوں اور ایذا رسانیوں کا سامنا کرنا پڑا علامہ تاج الدین سبکی لکھتے ہیں۔

ما من امام الا وقد کوئی امام ایسا نہیں ہے کہ زبان رازولکے
طعن فیہ طاعنون و اسکے حق میں زبان درازی نہ کی ہو اور نہ تباہ
ہلاک فیہ ہا لکون۔ ہونے والے اسکے بائیں میں تباہ نہ ہوئے ہوں۔

خصوصاً اللہ کے جن منتخب بندوں نے لوگوں کی جہالتانہ رسوم و عادات اور آباء و اجداد سے ورثہ میں ملی ہوئی بدعات و خرافات کے خلاف جہاد کیا، ان پر تو ایسی افتر پردازیاں کی گئیں کہ اللہ ان! احمقین!

آٹھویں صدی کے مشہور مصلح علامہ شاطبی (متوفی ۷۹۰ھ) نے اپنی کتاب الاعتصام میں اپنی آپ بیتی یوں بیان کی ہے:-

”جب میں نے سنت کی ترویج و حمایت اور بدعت کی تردید و مخالفت میں اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا تو ابنائے زمانہ نے مجھ پر ایک قیامت برپا کر دی مجھ پر ملامتوں کی بارش اور عقاب کی بوجھل شروع ہو گئی۔ مجھے گمراہ احمد بن مذہب کہا جانے لگا۔ مجھے جاہل اور احمق بتایا گیا۔ اور یہاں اوقات میرے نیک مقصد کے

خلات ایسی ایسی افترا پر دازیاں لگائیں کہ جن سے دل لرزتا ہے میری مذہبی پوزیشن
خواب کر چکے لئے خطر جھوٹی شہادتیں دی گئیں جو یقیناً اللہ کے فرشتوں نے کبھی نہیں،
اور ضرور بالضرور قیامت میں انکے متعلق ان کذابوں سے باز پرس ہوگی.....
العظمة لله اکبھی مجھے صحابہ کا دشمن اور رافضی بنایا گیا۔ اور کبھی باغی اور خارجی
کہا گیا۔ اور چونکہ میں نے بعض بدعتی صوفیوں کی مگر رہی سے لوگوں کو گاہ کرتا تھا کہ
وہ انکے قریب میں نہ آئیں اس لئے میرے متعلق یہ بھی کہا گیا کہ یہ اولیاء اللہ کو نہیں
مانتا اور ان کا دشمن ہے۔ اور یہ بھی اڑایا گیا کہ یہ اہل سنت و جماعت کا مخالف
ہے۔ اور اللہ کو علم ہے کہ یہ سب کچھ جھوٹ تھا اور بے اصل..... یہ مذاہر
اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

الامر بالمعروف والنہی عن المنکر جب کوئی بندہ مومن امر بالمعروف اور
لرمیدع للمؤمن صدیقاً مرم نہی عن المنکر کا کام کرتا ہے تو کوئی اس کا دست
بالمعروف فیستحقون اعراضاً و یجدون علی ذلک اعواناً و
الفساق حتی والله لقد رعدی ہم کلابا یتنبہن اور بہت فساق
بالعظام و حایحمر اللہ لا ادع اور واپس آئیں انکے مددگار بھی ہو جاتے
ان أقوم فیہم بحقہ۔ ہیں اللہ کی قسم انھوں نے مجھ پر بڑی بڑی
(الاعتصام ص ۱۳) تہمتیں لگائی ہیں لیکن میرا اللہ سے عہد ہے کہ
میرا انکے درمیان حق کی دعوت دینا ہو گا۔

اگر ایک طرف یہ سنت الہی ہے کہ ”قریبیاں رایش بود جیرانی“ کے مصداق جن بند گانہ
خدا کو منشاء خداوندی اور طریق انبیاء علیہم السلام سے خصوصی قرب نصیب ہوتا ہے انھیں
تکلیفیں بھی بہت جھیلنی پڑتی ہیں۔ اور وہ اہل ہوس کی طرف سے تکیذ و ایذاء اور
ظلم و تم کا نشانہ بھی سب سے زیادہ بنتے ہیں۔ تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا قانون یہ بھی ہے کہ وہ
اپنے ان بندوں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑ دیتا۔ وہ اپنے کو پسینے غنی نظام سے انکی مدد بھی
کرتا ہے۔ اور ان کا دفاع بھی کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر لڑنا ہوا ہے۔
وكان خفا علينا نصر المؤمنين ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ ہے

ایک اور مقام پر فرمایا ہے :-

ان الله يداخكم عن الذين
الذين قالوا ان الله قد فرغ من خلقه
ان الله قد فرغ من خلقه

اس حدیث وندی قانون کے ظہور کا عام طریقہ یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کچھ بندوں کے دل میں اپنے ان مظلوم بندوں کی محبت اور ان کے دفاع کا ایسا طاقتور داعی عطا فرماتا ہے کہ وہ ان کی طرف سے سینہ سپر ہو کر میدان میں آجاتے ہیں۔ ان پر لگائے گئے الزامات کا جواب دیتے ہیں۔ اور لوگوں کو ان کے بارے میں سچ سے آگاہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنی اس جدوجہد سے اس اجور کے حصول کے سوا انکی کوئی غرض نہیں ہوتی جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے :-

ما من مسلم يرد عن عرض أخيه
الا كان حقا على الله ان يرد عنه
نار جهنم يوم القيامة ثم
تلا هذه الآية : وَكَانَ حَقًّا
علينا نصر المؤمنين —
مشکوٰۃ المصابیح ۲۲۳

حقاً علینا نصر المؤمنین ۔

اللہ تعالیٰ کے ان دونوں قانونوں کا جیسا ظہور ہمارے برصغیر میں تیرہویں صدی کے عظیم مصلح شہداء اسلام حضرت مولانا شاہ اسماعیل دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہوا ہے اسکی نظیر کہنوی دور کے مصلحین و مجددین میں ملنی مشکل ہے۔ ایک طرف تو صورتحال یہ ہے کہ اس خطہ کے حامیان شرک و بدعت کی اکثر ریڈارز اور ظالمانہ زبان دراز یوں کے نشانہ بھی رہے زیادہ وہی بنے ہیں۔ بلکہ میں اکثر کہتا ہوں کہ اگر اس طبقہ کی ان سب چھوٹی بڑی کتابوں کا صرف ایک ایک نسخہ بھی جمع کر دیا جائے جن میں انھیں کفر اور خدا و رسول اور اولیاء اللہ کا دشمن ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے تو ایک اچھا خاصا کتب خانہ تیار ہو جائے گا۔ اور دوسری طرف وہ ذخیرہ بھی کم نہیں ہے جو حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید اور ان رفقا

واخلاط پر معاندین اہل بدعت کی طرف سے نگاہے گئے الزامات کے جواب میں اور ان کے مسلک مشرب کی وضاحت کے سلسلہ میں توحید و سنت کے علمبردار اہل علم و قلم کی کاوشوں سے تیار ہوا ہے۔

ان سطور کا لکھانے والا یہ بے ہنر بندہ عاجز اپنے مالک کی اس توفیق پر اظہار تشکر کیلئے سجدہ ریز ہے کہ آج سے ۵۵ سال پہلے جب اس نے اہل بدعت کے مرکز بریلی سے رسالہ الفرقان جاری کیا تھا تو اس زمانہ میں مسلمانوں میں رواج پائی ہوئی مشرکانہ رسوم و بدعات کی بیخ کنی، توحید و سنت کی اشاعت و حفاظت اور علمائے حق کے خلاصہ اہل بدعت کی الزام تراشیوں اور افتراء پر دازیوں کی جواب دہی اور امت کے ان محسنین کی آبرو اور ان کے مسلک کا دفاع ہی اس کا خاص موضوع تھا۔ اور آج بھی یہ کمزور و ناتواں بندہ اپنے رب کریم کے اس فضل و احسان کا اظہار کرتے ہوئے مسرت محسوس کرتا ہے کہ یہ خدمت الفرقان کے صفحات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس عاجز سے اس طرح کی کج حجت تمام ہو گئی۔ اور سلیم الفطرت لوگوں کیلئے حق واضح ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے۔ اور حق اور اہل حق کی طرف سے دفاع پر جس اجر کی بشارت دی گئی تھی وہ اس عاجز کو مرحمت فرماوے۔

یہ محسوس کر کے کہ اس سلسلہ میں ضروری کام کیا جا چکا ہے اور سلسلہ اس موضوع پر لکھتے رہنے کی اب ضرورت نہیں ہے، الفرقان میں شائع شدہ کچھ منتخب مضامین کو چند چھوٹے پڑے کتابی مجموعوں میں شائع کر دیا گیا تھا۔ اور امید تھی کہ اس بارے میں از سر نو کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

لیکن ہوا یہ کہ اب سے چند سال پہلے دہلی سے ایک نئی کتاب شائع ہوئی مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان۔ اس کتاب میں حضرت شاہ اسماعیل شہید اور انکی مشہور کتاب تقویۃ الایمان کے بارے میں جو کچھ کہا گیا تھا اس کا انداز تو وہ نہیں تھا۔ جو تقویۃ الایمان اور ان کے عظیم مصنف کے بارے میں معاندین اہل بدعت کے ایک مخصوص گروہ کی تقریر اور تحریروں میں عام طور پر اختیار کیا جاتا ہے۔ البتہ اس کا مجموعی رخ وہی تھا اور اسکے شملات سے اس گروہ کی افتراء پر دازیوں کو مولانا ابوالحسن زبید دہلوی کی سند ادا تا ثید ضرور ہاتھ آگئی جو اس گروہ کے ایک فرد کی حیثیت سے نہیں بلکہ خانوادہ مجددی کے جانشین ہونے کی

حیثیت سے متعارف ہیں۔ اور اس وجہ سے۔ بعض امور میں اختلاف کے باوجود۔ مختلف حلقوں میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

کتاب کے شائع ہونے کے کچھ ہی عرصے بعد میرے محبوب دوست اور رفیق مولانا نسیم احمد فریدی نے (جنھیں اب رحمۃ اللہ علیہ لکھنا پڑ رہا ہے اور جنھیں ہندوستان کی اصلاح و تجدید کی تاریخ، اور اسکے مرکزی کرداروں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اخلاف و صاحبزادگان اور حضرت شاہ ولی اللہؒ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ وغیرہم سے نہ صرف یہ کہ ثانی عقیدت و محبت تھی بلکہ وہ متفقہ طور پر اس تاریخ کے سب سے مستند محقق اور اس کے ماہر مورخ تھے) مجھے لکھا کہ وہ مولانا ابوالحسن زبید دہلوی کی کتاب پر تبصرہ لکھ کر الفرقان میں اشاعت کیلئے بھیجیں گے۔
— پھر ۳۰ مارچ ۱۳۵۷ء کو مولانا نے وہ تبصرہ مجھے بھیج دیا۔ اسکے ساتھ مرسلہ اپنے کتب میں انھوں نے مجھے لکھا:۔

”آج مقالہ کی جسٹری کر کے لکھنو روانہ کر رہا ہوں.... میاں حسان سلمہ یا میاں سجاد سلمہ آپ کو پورا مضمون دو تین نشستوں میں سنا دیں گے۔ خود بھی جو جزوی تغیر و تبدل کرنا چاہیں گے وہ کر دیں گے اور آپ بھی جہاں کہیں مناسب سمجھیں اس جگہ ترمیم و اضافہ کر دیں۔“

مولانا کا مرسلہ مضمون پڑھ کر میں نے اس میں بعض مقامات پر کچھ ترمیم کی ضرورت محسوس کی۔ بے تکلف میں نے اپنی رائے مولانا کو لکھ دی اور یہ بھی کہ وہ ترمیم مولانا ہی کو دیں اس کے کچھ دنوں کے بعد مولانا لکھنو تشریف لائے۔ اور میری رائے کے مطابق وہ مضمون اپنے ساتھ امر وہم لینے گئے کافی مدت کے بعد مولانا نے مجھے لکھا کہ غور و غوض کے بعد انھیں میری تجویز کردہ بعض ترمیموں کے بارے میں انشراح نہیں ہو سکا لہذا اب وہ مضمون اسی طرح واپس بھیج رہے ہیں۔ میں نے فوری طور پر انھیں یہ لکھوا دیا کہ مجھے اپنی رائے پر اصرار نہیں ہے۔ آپ مضمون ڈاک سے نہ بھیجیں، فلان سلسلہ سے آپ لکھنو تشریف لانے والے ہیں۔ جب آپ آئیں تو اسے اپنے ہمراہ ہی لیتے آئیں۔ لیکن —
الشرک حیات کہ مولانا لکھنو تشریف نہیں لائے اعداء اراکین برہمنہ (۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ) کو مولانا کا وقت و عود آگیا۔

اسی کے بعد میں نے مولانا کے برادرزادے انیس احمد فاروقی صاحب اور مولانا کے
خام مولوی محب الحق صاحب کو لکھا کہ وہ مضمون بھیج دیا جائے تاکہ مولانا کی خواہش
کے مطابق وہ الفرقان میں شائع کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزا
عطا فرمائے انھوں نے وہ اسی طرح بند لفاظی میں بھیج دیا جس طرح میں نے مولانا مرحوم کے
حوالہ کیا تھا۔ اب وہ مضمون آئندہ صفحات میں نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔

مولانا کے جس مکتوب کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے، اس میں مولانا نے مجھ سے یہ فرمائش بھی
کی تھی کہ میں انکے اس مضمون پر تہمیدی نوٹ بھی لکھ دوں۔ مولانا کی فرمائش کی تعمیل و راجہ
دیرینہ مخلصانہ غفلت کے حق کی ادائیگی کی نیت سے جب میں نے کچھ لکھوائے کا ارادہ کیا تو
زیادہ سے زیادہ صرف اتنا ہی مضمون ذہن میں تھا جو سطور بالا میں عرض کیا گیا لیکن
جب لکھوانا شروع کیا تو نفس موضوع، حضرت شاہ اسماعیل دہلوی اور ان کی کتاب
تقویۃ الاسمان کے بابے میں بہت سی باتیں ذہن میں آتی گئیں، اور یہ عاجز انھیں ہلا
لکھوانا چلا گیا مضمون مکمل ہو گیا، اور اسے میں نے از اول تا آخر سنا تو ایک طرف تو مجھے
یہ احساس ہوا کہ اس موضوع پر بہت ضروری اور اہم باتیں اللہ تعالیٰ نے اس بندہ عا
سے اس شدید صنعت و معزوری کے عالم میں، محض اپنے فضل و کرم سے لکھوا دی ہیں
جو انشاء اللہ مسئلہ پر پختہ دل سے غور کرنے والوں کیلئے بہت ہی مفید ثابت ہو سکیں گی لیکن
دوسری طرف یہ بھی خیال آیا کہ مولانا فریدی تمہیں اس طویل مضمون کو جگہ دینا کہیں
بے عمل نہ ہو، لیکن بعد میں غور و فکر اور مشورہ کے بعد یہی مناسب سمجھا کہ اسے مولانا فریدی
مرحوم کے مضمون کے مکمل کے طور پر ان کے مضمون کے منسلکاً بعد شائع کر دیا جائے۔
مجھے اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے کہ اس مکملہ کو پڑھ کر سب سے زیادہ مسرور و ملکہ
مولانا فریدی ہونے، اور اب بھی انشاء اللہ اگر عالم برنخ میں اسکی خبر ہوگی تو وہ اس
بہت خوش ہوں گے۔ میں بھی اسے اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق اور مولانا مرحوم
درود و خلاص کی برکت سمجھتا ہوں کہ اس طرح مجھے انکے ایک صالح عمل میں شرکت اور
تعاون علی البر والنفقوی کا موقع بھی مل گیا۔ بس اب ناظرین کرام پہلے مولانا فریدی
مضمون ملاحظہ فرمائیں اسکے بعد اس عاجز کا لکھا ہوا مکملہ۔ واللہ یمہدی من یشاء والی صراط

مولانا ابوالحسن زید دہلوی کی تصنیف ”مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان“ پر تبصرہ

اور مناظرہ جامع مسجد دہلی ۱۳۲۲ھ کی صحیح روئیداد

از مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امرڈی

خاندان مجددی کے ایک ممتاز عالم یعنی حضرت شاہ ابوالخیر مجددیؒ کے فرزند ارجمند مولانا ابوالحسن زید فاروقی دہلوی نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ”مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان“۔ یہ سچی بات یہ ہے کہ یہ کتاب مجھے ان کے مرتبہ سے فروز لگی۔

یہ بات اب شاید ہی کسی سے مخفی ہو کہ برصغیر کے علماء و مصلحین میں سے جو حضرات یہاں کے اہل بدعت کی طرف سے سب دشمن اور تکفیر و تفسیل کا سب سے زیادہ نشانہ بنے ان میں ایک حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ بھی تھے۔ اسی بنا پر مولانا اسماعیل شہیدؒ کی شخصیت کے متعلق اب کوئی شخص کچھ منفی خیالات کا اظہار کرتا ہے تو ہم لوگوں کو ذرا بھی نیامین نہیں محسوس ہوتا اور نہ تعجب ہوتا ہے۔ لیکن ہم مولانا ابوالحسن زید کو ان لوگوں میں سے نہیں سمجھتے ہیں جنہیں ملت اسلامیہ ہندوستان کے اس عظیم مصلح اور اسکے مسلک و مشرب کے ایسی عداوت با رشتہ ہے جسکی وجہ سے اسے مسلسل تنقید و ملامت کا نشانہ بنائے رکھا گیا یا انکے فرائض و مقاصد زندگی میں شامل ہو گیا ہے۔

مولانا زید نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگرد زید مولانا عبد العلی فریدیؒ سے مدرسہ عبد الرہب دہلی میں تعلیم حاصل کی اور مولانا محمد شفیع دیوبندی داماد و شاگرد حضرت شیخ الہندؒ سے بھی پڑھا۔ مولانا زید نے اسی کتاب مقامات خیر میں بڑی تفصیل سے اور حقیقت کے اچھے الفاظ میں ان دونوں جنموں کا تذکرہ کیا ہے لیکن ان کے

والد شاہ ابوالخیرؒ کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے جو تعلق تھا اس کا بھی اظہار فرمایا ہے۔
 بلکہ ہم جہاں تک جانتے ہیں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے علاوہ باقی تمام اکابر
 دیوبند سے مولانا زید کو کوئی شکایت نہیں ہے، بلکہ مختلف مقامات پر انھوں نے خود
 اسکی صراحت کی ہے کہ وہ علماء دیوبند سے بہت قریب ہیں۔ لیکن اس حقیقت کا
 انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انکی اس کتاب سے ان سے سخت عناد رکھنے والے اہل بدعت کے
 ایک خاص گروہ کو بہت خوشی ہوئی ہوگی۔ اور یہ بات کہ ایک ایسے شخص سے جو نسبتاً
 دونوں طرح مجددی کی حیثیت سے معروف ہو معاذین اہل بدعت کو تقویت پہنچے یہ جیسے دہشت
 مجددی کے خوشہ چینیوں اور ضالوۃ مجددی کے کفش برداروں کیلئے بہت رنج و غم کا باعث
 ہے اور یہی رنج و غم ان سطوح کی تحریک کا محرک بنا ہے، ان ارباب الاصلاح ماستطوع
 وما توفیقہ الیہ اللہ۔

مولانا زید نے جب حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ پر کچھ لکھنے کا ارادہ کیا تو میں نے ان کو
 حضرت شہیدؒ کی پراپرٹیاں لکھا ہوا مقالہ بھیج دیا اور ان کے دادا کے چچا محدث دارالہجرۃ حضرت
 مولانا شاہ عبدالغنی مجددیؒ کی کتاب تہۃ مقامات مطہریؒ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ انھوں

لے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے انتقال کی خبر شاہ ابوالخیرؒ نے فرمایا۔

”یہ وہ زخم ہے جس کا مرہم نہیں..... مولانا رشید احمد کے صاحبزادہ (حکیم
 مسعود احمد صکا) آپ سے ملنے آئے آپ ان سے محبت لے..... اور فرمایا۔ مولوی صاحب
 (مولانا گنگوہیؒ) ہمارے دوست تھے اور ہم ان کے دوست۔“ (مقامات خیر ص ۵)

تذکرۃ الرشید جلد دوم ص ۱۹۱ پر مرقوم ہے۔

مولوی ممتاز علی اینٹھوی (جو حضرت گنگوہیؒ کے خاص اہل تعلق میں تھے) تحریر فرماتے ہیں کہ جب
 یہاں بلوچستان میں حضرت گنگوہیؒ (تذکرہ کے وصال کی خبر پہنچی تو اتفاق سے مولانا ابوالخیر صاحب بہنیم
 تھے، دو بار ان کا بیٹا میرے پاس آیا کہ مجھ سے آکر مل جاؤ۔ مجھے فرصت نہ ملی آخر جب میں حرم ہوا تو دیکھا کہ مولانا
 بے اختیار رو رہے ہیں مجھے دیکھتے ہی گریہ اور زیادہ ہوا یہاں تک کہ جنھیں نکلنے لگیں سارے مجمع پر اس کیفیت
 کا یہ اثر تھا کہ قریب تھا دہائیں ایتنے مائے لوگ بے ہوش ہو جائیں اس حالت میں مولانا ابوالخیرؒ نے فرمایا: اے
 مولانا ممتاز علی! ہندوستان بڑا شخص لکھ گیا، ہائے افسوس! مخلوق نے قدر نہ جانی کہ مولانا کیا چیز تھے؟

اپنی اس کتاب میں لکھا ہے کہ جب انکے دادا حضرت شاہ صفی القدر مجددی کا وصال لکھنؤ میں ہوا تو حضرت مہدی احمد رائے بریلویؒ اور حضرت شاہ اسماعیل دمکویؒ نے ان کی تجویز و کھین کی، میں نے لکھا تھا کہ اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صفی القدرؒ کے ان دونوں حضرات بہت اچھے روابط تھے اور عجیب نہیں کہ نماز خانہ بھی ان دونوں حضرات میں سے کسی ایک نے پڑھائی ہو۔ ایسی صورت میں آپ کو انکی بلند شخصیت کا خیال ہے۔ اس کے جواب میں مولانا زید کے دو خط میرے پاس آئے، انکے اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

محترم گرامی جناب مولانا نسیم احمد فریدی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
عاجز نے ۸ ستمبر کو لیٹر ارسال کیا تھا اور شاہ محمد اسماعیل کے متعلق کچھ تحریر کیا تھا، اس سلسلہ میں عاجز انشا کرتا ہے کہ عام طور پر دفع یدین، ارسال، عدم دفع یدین، آمین بالجہ و امثالہ میں اختلاف اور تعصبات پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور عاجز کی نظر میں ایسے مسائل میں قیل و قال و اختلاف بحث ہے۔ یہ اعمال ہیں۔ کوئی ساعل بھی کر لیا جائے اتباع سنت میں شمول ہے۔ قبیح یہ فعل ہے کہ ایک دوسرے کے امام پر کچھ اچھا لی جائے اور افسوس یہ فعل ہے کہ سرکار دو عالم علیہ السلام کی نسبت میرا یہی عبارت لکھی جائے جو سو وادب کو حامل ہو۔ عاجز نے علامہ ابن تیمیہؒ کے متعلق رسالہ لکھا ہے۔ عاجز کو جو تعلق اور قلبی لگاؤ ابن تیمیہؒ سے ہے وہ محمد ابن عبد الوہابؒ شاہ اسماعیل دہلوی اور ان دو کے طریقہ پر چلنے والے بعض علماء سے نہیں ہے چاہے وہ بعض علما کثر حنفی ہوں۔ عاجز حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ کا دل و جان سے متفق ہے شاہ اسماعیل کے متعلق جو نظریہ آپؒ کا ہے وہ اس دور کے محققین سے کہیں زیادہ قطع ہے، آپؒ ہی کے طریقہ حضرت سیدی ابوالدرداءؒ کے دیکھنا چاہیے کہ نہ کبھی تعریف کی اور نہ کبھی برا کہا۔ اور نہ کبھی ان کا ذکر کیا، نہ انکی تالیفات سے لگاؤ رکھا۔ شاید آپ کو تعجب ہو کہ عاجز نے آج تک تقویت الایمان کا مطالعہ نہیں کیا ہے کیونکہ حضرت ابوالدرداءؒ کی کتاب یسننہ تھی حضرت شاہ عبدالغنی اور حضرت سیدی ابوالدرداءؒ جیسے پاک نہاد افراد کا کسی کتاب کو ناپسند کرنا کسی نصب کی بنا پر نہیں ہے اختلاف تو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی کیا ہے، کیا وجہ ہے کہ ان سے اللہ کے نیک بندے متفرق نہیں ہیں؟ لکھ کر کیا وجہ ہے کہ مولانا اسماعیل سے دل آزرہ ہیں۔ اب اگر کوئی دل آزرہ لکھ کے تعلق کہے (کہ) اہل بدعت نے دے کی ہے تو یہ کیا انصاف ہے۔ انصاف کا اظہار

تو اس وقت ہر جگہ ان عبارات کو جو مولانا نے لکھی ہیں اور جن سے الشہ کے ایک بندے دل آزرہ ہوتے ہیں بکثرت ذکر کیا جائے اور پھر جائزہ لیا جائے کہ اس میں قباحت کا پہلو فی الواقع نکلتا ہے یا نہیں۔

تقویت الایمان کے متعلق اگست ۱۹۷۸ء کے مجلہ الفرقان میں صفحہ ۲۷ سے ۳۱ تک ایک مضمون ہے اور آپ نے تذکرہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ میں بہت کچھ لکھا ہے۔ آپ کے رسالہ کو پڑھ کر خیال آیا کہ تقویت الایمان کا مطالعہ کیا جائے اور دیکھا جائے کہ کسی کتاب ہے الشہ عاجز کی مدد کرے۔ عاجز آپ سے اتنا دریافت کرتا ہے کہ (تذکرہ حضرت شاہ اسماعیل شہید) ۶۴ صفحات کا رسالہ جو آپ کے نام سے چھپا ہے کیا فی الواقع اس کی عبارت میں اولہ الی آخرم آپ کی ہے یا کسی جگہ کچھ تصرف ہوا ہے حقیقت سے آگاہ فرمادیں۔ ولکم الشکر۔ کیونکہ عاجز کو بعض عبارات اور بعض الفاظ پر کچھ شبہ ہوا ہے۔

زید ابوالحسن فاروقی

۲۹ ستمبر ۱۹۷۸ء

اپنے اس مکتوب میں انھوں نے اپنے والد اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ کی کوئی ایسی تحریر پیش نہیں فرمائی جس سے معلوم ہوتا کہ وہ حضرت شہیدؒ سے ناراض تھے یا آزرہ دل تھے، میرے پاس ایسے ثبوت موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ابوالخیرؒ ان بدعت نازدوں سے ناراض تھے، جو جماعت حق کے عقائد کے خلاف ہنگامہ آرائی کرتے پھرتے تھے، انکو مولوی احمد رضا خاں سے بھی انتہائی دوسنی تھی۔ انھوں نے اپنے جلالی انداز میں ان لوگوں کے دھتکار رہے جن کے عقائد اہل سنت و جماعت کے عقائد کے خلاف تھے، مولانا زید نے نقائص اور تعلات اخبار میں بھی کوئی ایسا ثبوت پیش نہیں کیا کہ جس سے معلوم ہوتا کہ انکے والد ماجد تقویت الایمان کو ناپسند فرماتے تھے۔ رہا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی شخصیت سے مولانا ابوالخیرؒ کا لگاؤ نہ ہونا، وہ کبھی مجھ میں نہیں آتا۔ اس لئے کہ انکے استاد اکرم محدث دلاورہ حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ جو انکے دادا کے بھائی تھے، اپنے قلم سے مجاہد فی سبیل اللہ شاہ محمد اسماعیل قدریؒ کو شہید لکھ رہے ہیں۔ خود مولانا زید نے اپنی کتاب مقامات خیر میں شاہ صغریٰ القدر مجددیؒ کا ذکر خیر کرتے ہوئے شاہ عبدالغنی مجددیؒ کی وہ عبارت نقل کی ہے جس میں انکے دادا کے ساتھ لفظ شہید کو شامل کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا زید کو اس کتاب کے لکھنے کے وقت تک

مولانا شہیدؒ سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ ورنہ شاہ عبدالغنیؒ کی عبارت پر کوئی اختلافی نوٹ لکھتے۔ حضرت شہیدؒ کے خلاف مولانا زید کے جذبات یقیناً کچھ خارجی اثرات و محرکات کا نتیجہ ہیں جو مقامات خیر لکھنے کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنی اس نازہ کتاب میں کہیں بھی شاہ محمد اسماعیلؒ کو شہید نہیں لکھا۔ دو مرتبہ از اول تا آخر پڑھا کر یہ بات واضح ہوئی ہے ناظرین خود فیصلہ کریں کہ یہ کس قدر بے اعتنائی کی بات ہے جسکو ان کے بزرگ شہیدؒ کہیں اور خود وہ اس عبارت کو مقامات خیر میں نقل کریں پھر توح انکو اپنے قلم سے شہید نہ لکھتا کس امر کی غمازی کر رہا ہے؟ یہی نہیں بلکہ ان کے معاندین اور مخالفین کا اچھے انداز میں ذکر کیا گیا ہے اور اچھے الفاظ سے نوازا گیا ہے۔ مولانا زید کو شاید معلوم ہو گا کہ مولوی احمد رضا خاں کا رویہ بید احمد شہیدؒ، شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور ان کے رفقاء و تبعین کے خلاف کیا رہا ہے؟ انھوں نے ان کے خلاف کتنی زیرِ افشانی اور بہتان طرازی کی ہے اس جگہ صرف اللو کہتہ الشہابیہ ص ۲۱ کا ایک اقتباس بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

”پیر جی (یعنی بید احمد شہیدؒ) کی ہر کاندہ اسماء احمد قرار پائی تھیں خطبوں میں پیر جی کے نام کے ساتھ صلے اللہ علیہ وسلم کہنا شروع ہو گیا تھا، مگر قہر الہی سے مجبور ہیں ٹیپی کوڑے نے سب بے کھل بگاڑ دیئے پٹھانوں کے خیر موزی کش نے چٹنے سورا پچھاڑ دیئے“

جی کی جی میں یہی بات نہ ہونے پائی
وہی و عصمت کی کرامات نہ ہونے پائی

دیکھئے مولوی احمد رضا خاں کیا فرماتے ہیں اور کتنی خلاف حقیقت بات کہہ رہے ہیں یعنی وہ انکو شہید نہ کیا مانتے کسی غیر مسلم کا مقتول بھی نہیں مان رہے ہیں وہ (انھیں) پٹھانوں کے خیر موزی کش کا مقتول مان رہے ہیں۔ علاوہ مسلمان مومنین کے ہندو، سکھ، عیسائی بھی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ حضرت بید احمد شہیدؒ اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اپنے دوسرے رفقاء کے ساتھ بالاکوٹ کے جہاد میں اس گھوڑوں سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

مولانا زید نے لکھا ہے کہ مولانا مخصوص اللہ تعویذ الایمان کو تعویذ الایمان لے مولانا زید ابوالحسن صاحب نے اپنے اس مکتوب مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۷۷ء میں بھی شاہ اسماعیلؒ کے ساتھ لفظ شہید کے استعمال سے اجتناب فرمایا؟ (ادارۃ الفرقان)

کہتے تھے، مگر اس کا کوئی قابل اعتبار الذہن نہیں دیا ہے۔ خاندان کے اندر اختلاف ہو سکتا ہے، مگر اس طرح نہیں کہ کتاب کا نام بگاڑ دیا جائے۔ خود حضرت مجدد کے دو صاحبزادوں کی ادا میں اختلاف ہوا، اور وہ معصومی اور معیدی دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ روضۃ القیومہ اس پر شاہد ہے، لیکن ایسا نہیں ہوا کہ کوئی اصولی اختلاف ہوا ہو اور مسلک دو ہو گئے ہوں کسی علمی مسئلہ کے اندر اختلاف ہونا اور بات ہے اور عناد و بغض کی بناء پر مخالفت دوسری بات ہے۔
 ۱۲۳۰ء میں دہلی کی جامع مسجد میں ایک علمی مباحثہ ہوا جس کو مناظرہ کہتے یا مذاکرہ دینیہ کہتے مگر اس میں مجمع زیادہ ہونے کی وجہ سے ایک ہنگامہ کی شکل پیدا ہو گئی جس پر قابو تو پایا گیا لیکن طرفین کے لئے کوئی اچھا نتیجہ نہیں نکلا، اس کے بعد کوئی ایسی جھڑپش اور باہمی اختلاف آرائی ان حضرات میں نہیں ہوئی۔

۱۲۳۹ء میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا وصال ہوا۔ ان کے وصال کے ایک سال بعد دہلی کے اندر یہ اختلافی ہنگامہ ہوا۔ ایک بڑی شخصیت کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد اس کے متعلقین اور متبیین میں ایسی باہمی اختلافی کشمکش کچھ تعجب خیز نہیں ہے۔ اس مناظرہ دہلی کی صحیح روئیداد آگے لکھی جائیگی اس جگہ صرف اتنا ہی لکھنا کافی ہے۔ اسکے بعد مولانا زید سے یہ سوال کرنا ضروری ہے کہ انھوں نے اس ہنگامہ کو کیوں اتنا نمایاں کر چکی کوشش فرمائی ہے۔ یہ تو ایک فتنی ہنگامہ تھا اور اس اہل بدعت کو کوئی فائدہ بھی نہیں پہنچ سکتا۔ ہاں عیسائے المتکلمین مولانا رشید الدین خان دہلوی اور شاہ رفیع الدین کے دو جلیل القدر صاحبزادوں کے خلاف لوگوں کا ذہن بن سکتا ہے اس مناظرہ و ہنگامہ کا تعلق شاہ شہید سے نہیں ہے اور وہ چودہ سو سال کے جواباً جگہ مولانا زید نے اپنی کتاب میں لکھا ہے حضرت مولانا اسماعیل شہید کے نہیں ہیں بلکہ مولانا عبدالحی بدھاتوی کے ہیں میں مولانا زید کی پوری کتاب کا جواب نہیں دے رہا ہوں۔ یہ انکی کتاب پر ایک سرسری تبصرہ ہے اگر مولانا اس کو بغور مطالعہ فرمائیں گے تو شاید وہ اپنے اس موجودہ موقف سے رجوع کر لیں گے۔ اس کتاب کے جوابات تو اور بہت ہو سکتے ہیں بعض حضرات نے ہندوستان و پاکستان میں اس کا جواب چھپوا بھی دیا ہے علاوہ اس مولانا محمد اسماعیل شہید اور انکی کتاب تقویت الایمان پر دیگر معترضین نے بھی بہت کچھ لکھا، ان کے کافی شافی جوابات بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ان جوابات کو دہرانے کی ضرورت نہیں

میں مولانا زید سے انتہا کم ہوں گا کہ انھوں نے تقویت الایمان کو رد الاشراک مولفہ محمد ابن عبد الوہاب کا چوبہ قرار دیا ہے وہ کس بنیاد پر؟ کیا انھوں نے مولانا شہیدؒ کی کتاب رد الاشراک جو عربی زبان میں ہے دیکھی ہے؟ اس میں کلمہ طیبہ کے ہر دو جزو یعنی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ وَآلُ مُحَمَّدٍ سے تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے۔ اس کا پہلا جزو توحید کا اہمیت دار اور دوسرا جزو رسالت کا اظہار و اقرار ہے۔ پہلے جزو سے متعلق قرآن کی آیات و احادیث سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیش کیا ہے اور عربی زبان میں ہی آیات و احادیث کے فوائد تحریر فرمائے ہیں دوسرے جزو کے متعلق جو آیات و احادیث تحریر کی ہیں انکے بھی مختصر فوائد عربی زبان میں ارقام کر دیئے ہیں۔ یہ قلمی نسخہ دہلی کے علمی گھرانوں اور وہاں کے عربی مدارس کے کتب خانوں میں ضرور ہوگا۔ میرٹھ کے مدرسہ اسلامیہ واقع اندر کوٹ کے کتب خانہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے جو حضرت شہیدؒ کے زمانہ حیات ہی میں تحریر کیا گیا ہے۔ اسی نسخہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رد الاشراک شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے جہاد کی تیاری سے پہلے تحریر کیا ہے اس کے بعد اردو زبان میں اس کا ترجمہ کرنا چاہا۔ ایک جزو کا ترجمہ کرنے پائے تھے کہ جہاد کی تیاری کا مرحلہ پیش آگیا۔ دوسرے جزو کا ترجمہ انکے قلم سے نہ ہو سکا۔ دہلی کے ایک صاحب نے تذکرہ لاہور کے نام سے اس جزو کا ترجمہ کیا۔ شاہ صاحبؒ نے ترجمہ میں بھی فوائد تحریر فرمائے ہیں اور اس میں اس زمانہ کی اردو استعمال کی ہے۔ اب یہ کچھ فہمی اور کم نظری کی بات ہے کہ اس دور کی زبان کا لحاظ کئے بغیر خواہ مخواہ حضرت شہیدؒ پر اعتراضات کئے جائیں مثال کے طور پر دو باتیں لکھتا ہوں۔

ایک جگہ حضرت شہیدؒ نے ایک حدیث کا ترجمہ کرنے کے بعد بطور فائدہ لکھا ہے، ”یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں“ (۵۹) نادانوں نے یہ نہ سمجھا کہ دلی کی پرانی زبان میں مٹی میں ملنا اور ملنا دفن ہونے اور دفن کرنے کے معنی میں ہیں حضرت موبانی کے دادا استاد نسیم دہلوی فرماتے ہیں ۵

نسیم اعدا سے کیا شکوہ پس مرگ

ہیں یاروں نے مٹی میں ملا یا (یعنی دفن کیا)

مولانا شہیدؒ کے معاندین تجویہ مخاہ کا الزام تراشا کہ انھوں نے سرور کائنات کو

صفحہ شاس نئی دلبر ا خطا میں جا است

دوسری بات ایک معاند نے اپنے اشتہار میں یہ لکھی تھی کہ مولانا شہید دہلویؒ نے اللہ تعالیٰ کو مکار کہا ہے تقویت الایمان کو اچھی طرح دیکھا، اس کی وردق گردانی کی تو ایک آیت کے فائدہ میں یہ جملہ نظر پڑا کہ ”سو اللہ کے مکر سے ڈرنا چاہیے“ اس لفظ کرے مکار معاند نے یہ بات نکالی کہ خدا کو مکار کہا ہے اردو زبان میں مکار یقیناً برا لفظ ہے اسقرنے اسکا جواب آیت ”مکروا و مکروا اللہ واللہ خیر الماکرین“ سے تو دیا ہی، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی غنیۃ الطالبین کی ایک عبارت میں مکر اللہ آیا ہے اسکا ترجمہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مکر خدا کیا ہے (جس جواب میں یہ بھی لکھا کہ ”شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ عبدالحقؒ نے مکر اللہ اور مکر خدا لکھا ہے تو کیا یہ کہا جائیگا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو مکار کہہ دیا جو اردو زبان میں گستاخی کا لفظ ہے۔“

اگر معاندین اس حقیقت کو پیش نظر رکھ لیتے جسے شیخ اکرام نے اپنے سامنے رکھا ہے تو کبھی حضرت شہیدؒ پر بے جا اعتراض نہ کرتے۔ شیخ محمد اکرام نے تحریر فرمایا ہے :-

”ان (شاہ شہیدؒ) کی اہم ترین کتاب تقویت الایمان ہے جو انھوں نے

اردو زبان میں اس وقت لکھی جب اس زبان کو ابھی گھٹنوں چلنا نہ آتا تھا حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں جب اردو نشر میں گنتی کی چند کتابیں تھیں ایک صاحب کمال نے اس میں کیا جا دو بھر دیا ہے اور اس کی مدد سے اپنے خیالات کو کتنی خوبی سے ادا کیا ہے۔ مولانا شہیدؒ کا ارادہ کلید توحید لا الہ الا اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر لکھنے کا تھا چنانچہ آپ نے اسکی تشریح کی کہ ایمان کے دو جز ہیں خدا کو خدا جاننا اور رسول کو رسول اور خدا کو خدا سمجھنا اس طرح ہوتا ہے کہ اس کا شریک کسی کو نہ سمجھے اور رسول کو رسول سمجھنا اس طرح ہوتا ہے کہ اسکے سوائے کسی کی راہ نہ مکرے۔۔۔ اس پہلی پتہ کو توحید کہتے ہیں اور دوسری کو اتباع سنت کہتے ہیں اور اس کے خلاف کو بدعت“ چنانچہ آپ نے اپنی کتاب کے دو باب کھڑائے پہلا باب توحید اور شرک کے متعلق اور دوسرا بدعت کے خلاف اتباع سنت کی تائید میں۔

یہ کتاب نہ صرف مذہبی، بلکہ ادبی نقطہ نظر سے بھی بڑی اہم ہے۔ اس کا طرز
تحریر ایسا با اثر اور پر زور ہے کہ بقول صاحب سیر المصنفین معلوم ہوتا ہے کہ
”ایک دریا بے ذخارا مٹا چلا آتا ہے“۔ شاہ صاحب نے اپنی کتاب کے پہلے باب
میں توحید کے متعلق جو کچھ لکھا وہ آپ کے زور بیان اور جوش اصلاح کا نہایت
عمرہ نمونہ ہے۔ (موج کوثر ص ۳۹ تا ۴۰)

مولانا زید نے اپنی کتاب میں یہ بحث بھی کی ہے کہ تقویت الایمان میں کچھ حقائق
الحاقی ہیں مولانا شہیدؒ کی نہیں ہیں۔ یہ بحث بھی مولانا کے موضوع سے باہر ہے۔ مولانا تو
معترضین کی وکالت فرما رہے ہیں۔ مولانا شہیدؒ پر اعتراض کرنا اصل مقصود ہے پھر
یہ مہربانی کیوں فرمائی جاتی ہے کہ تقویت الایمان کی بعض عبارتوں کو الحاقی کہا جائے
آپ کا کام تو اس کتاب کی نازیبائی کے پہلو نمایاں کرنا تھا۔ الحاقی عبارت ہو کر اسے
کیا غرض؟ جس عبارت کو الحاقی عبارت کہا جاتا ہے اسکی وضاحت کرنے کے لئے ہم
جیسے ناکارہ موجود ہیں۔

مولانا زید نے ما اہل بيم لخير الله سے متعلق جو کچھ لکھا ہے اور مولانا اہل تشیعہ
کے قول کو رد کیا ہے اس کا جواب ہم کیا دیں بس یہ لکھ دینا کافی ہے کہ کاش مولانا زیدؒ عزری
اور ذوالی عزیزی کا مطالعہ کر لیتے تو ان کو ان دونوں کتابوں میں ما اہل بيم لخير الله پر کھینچ
لے مولانا زید کو معلوم نہیں ہے اور غالباً مولانا فریدی کے بھی علم میں نہیں تھا اور حضرت مولانا شہیدؒ
سے عقیدت و محبت رکھنے والے ہمارے زمانہ کے اکثر علماء کرام کے بھی علم میں نہیں ہے کہ تقویت الایمان حضرت
شہیدؒ کی حیات میں ان کی شہادت سے چار سال پہلے ۱۲۷۲ھ میں کلکتہ میں طبع ہو گئی تھی اصل ڈریش
کے نسخہ اگرچہ فرمایا یا یہ ہیں بلکہ بعض کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ ایک نسخہ دار العلوم دیوبند کے کتب خانہ میں بھی محفوظ
تھا اس عاجز کو بھی ایسے ایک مال پہلے تک اس نسخہ کا علم نہیں تھا میرے ایک عزیز دوست مولانا ناسر راشد
کاندھلوی نے اس کو تلاش کر کے نکالا اور اس کا فوٹو اسٹیٹ لے لیا، اس عاجز نے اس کو دیکھا
ہے اس نسخہ کے دریافت کے بعد ان لوگوں کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جنہوں نے تقویت الایمان
کے حضرت شہیدؒ کی تصنیف ہونے کے بارے میں شک شبہ کا اظہار کیا ہے یا اس کی بعض
باتوں کے بارے میں الحاقی کی بات کہی ہے۔ اس نسخہ کے سرورق اور پہلے صفحہ کا عکس لگے
درج پر ملاحظہ فرمایا جائے۔ (محمد منظور نعمانی الملاء)

حقیقت واضح ہو جاتی اور ایک صحیح مسلک کا پتہ چل جاتا۔ اور یہ لکھنے کی جرات نہ ہوئی کہ حضرت شہید حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے مسلک کے خلاف تھے۔

اگر اسی کے ساتھ ساتھ ازراہ انصاف حضرت مجدد الف ثانیؒ اور اکابر خاندانِ حضرات مجددیہ کا اس بارے میں مسلک اور رویہ معلوم کر لینے تو پھر کسی کی طرف داری میں اپنے بندگوں کے مسلک کو خیر یاد نہ کہتے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور قاضی ثناء اللہ الہیاتیؒ کے وصیت نامے اور وہ شرح جو قاضی صاحب نے شاہ ولی اللہ کے وصیت نامہ کی لکھی ہے اس کو اور مرزا مظہر جان جاناںؒ کی سوانح اور شاہ غلام علی صاحب کے ملفوظات ورا المعارف اور ان کے مکتوبات دیکھ لیتے تو پھر ایسی باتیں نہیں لکھتے جو اپنی اس کتاب میں لکھی ہیں۔

دراصل مجھے سب سے پہلے یہ کہنا چاہیے تھا کہ وہ قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کا مطالعہ کرنے کے بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ہر سہ فائر مکتوبات کے اندر جو رد شرک اور رد عبت ہے اس کا بنظر عین مطالعہ کر لینے پھر اس مسئلہ پر قلم اٹھاتے اور دیگر مسائل اختلافیہ کو پھیرتے رہا نقویت الایمان کے بارے میں یہ کہنا کہ رد الاشراک کا جو سب سے اور ثبوت میں یہ کہنا کہ اس میں وہی آیات و احادیث ہیں جو رد الاشراک مؤلف محمد ابن عبد الوہاب میں ہیں۔ اس کا تو کوئی جواب ہی نہیں، لا جواب بات ہے جو شخص بھی توحید و رسالت پر کچھ لکھے گا وہ انہی آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی روشنی میں لکھے گا جو ان موضوعات سے متعلق ہیں۔

لہ مجھے شبہ ہے کہ مولانا زید صاحب نے بیات یا تو صرف کسی سے منکر تحریر فرادی ہے یا ان کی نظر سے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تصنیف رد الاشراک کا کوئی ایسا نسخہ گزرا ہے جس پر مصنف کا نام نہیں ہے اور انھوں نے اس کو شیخ محمد ابن عبد الوہاب کی تصنیف سمجھا ہے۔ رد الاشراک مصنف شاہ شہیدؒ کے بارے میں خود مولانا فریدی علیہ الرحمۃ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ نقویت الایمان کی اصل اور اس کا متن ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ اب لاہور میں طبع ہو گیا ہے۔

شیخ محمد ابن عبد الوہاب کی مختلف موضوعات پر چھوٹی بڑی تمام تصانیف ایک قریباً چار پانچ سال پہلے جامعۃ الامام محمد ابن سعود الاسلامیہ مدینہ کی طرف سے ۱۲ ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہیں ان میں ایک ضخیم مجلد وہ ہے جس میں توحید اور شرک سے متعلق ان کے چھوٹے بڑے تمام رسائل جمع کر دیئے گئے ہیں ان میں کئی بالخصوص کشف الشبهات وغیرہ انکی معروف کتابیں شامل ہیں اور ان کے علاوہ اس موضوع سے متعلق چھوٹے بڑے متعدد رسائل ہیں ان میں رد الاشراک نام کا کوئی رسالہ نہیں ہے (مگر منظور نعمانی رحمہ اللہ)

تَقْوَىٰ الْإِيمَانِ
 ۱۲۱۹۲ مقرر
 اس میں گناہ مبین
 ست ذریعہ مذکور ہے جسے ترک کی برائی ثابت ہو
 اور جس کا ارتکاب گناہ
 مزلت کا نام

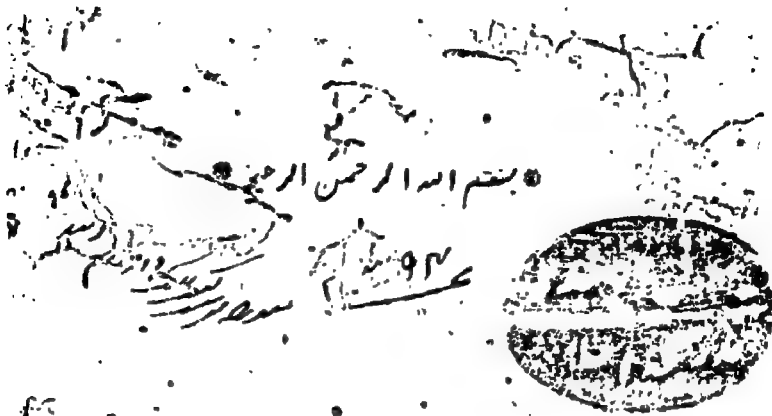
مَنْ لَا يَمُتْهُنَّ أَسْمَاءُ بَنِي إِسْرَافِيلَ

عام و خاص پورچین اور سبائی بہات اندکی ہایت سے وہاں
 چھوڑنے والے کا نام
 سید عبد اللہ ابن سید بہادر علی

ماتے خانے کا نام
 قلیع احمدی

۱۲۴۲ یاد مہربانیں مری قوی

مقام کلکتہ



الہی ہزار ہا شکر خیزی ذات پاک گوہ تم ہم کو تونے ہزاروں
 نعمتیں دیں۔ اور اپنا سجادین بنایا اور دوسری راہ چلائی۔ اور
 اصل توحید کے چھائی۔ اور اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم کی اسٹ من بنایا۔ اور ان کی راہ سے کہنے کا شوق دیا۔ اور
 ان کے تابعین کی کہ جو انہی راہ بناتے ہیں اور ان کے طریق پر چلنے
 نہیں انکی محبت دی۔ سو ابی زور و کار سار سے تو اپنے حبیب پر
 اور اسکی آل و اصحاب پر اور اس کے سب تابعین پر ہزار ہا
 درود دیا۔ سلام بھیجے اور اسکی پیروی کرنے والوں پر رحمت
 کر۔ اور انکو آئین شریک کر اور انکو اپنی راہ پر چنے اور نونے قائم
 اور کہنے۔ اور اس کے تابعین منین۔ آمین رب العالمین۔

محمد یحییٰ

مولانا زید سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے تقویت الایمان پر رنگ برنگ کے شبہات ظاہر کئے ہیں۔ آزاد کی کہانی میں مولانا عبد الرزاق طبع آبادی نے مولانا آزاد کے والد مولانا خیر الدین کا تذکرہ کرتے ہوئے تقویت الایمان کے بابے میں جو انکی رائے تھی اسکو لکھا ہے۔ میں نے آزاد کی کہانی پر تبصرہ کرتے ہوئے تقویت الایمان کے متعلق جو کچھ لکھا تھا اسکو اس جگہ نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں اس سے معلوم ہو جائیگا کہ تقویت الایمان کی مخالفت میں کتنی بھانت بھانت کی بولیاں بولی گئی ہیں۔

”آزاد کی کہانی“ میں بیان کیا گیا ہے :-

”شاہ ولی اللہ مرحوم کو جو عین محمد ابن عبد الوہاب نجدی کے ظہور و شیوع عقائد کے زمانہ میں حرمین میں مقیم تھے اسکی کتاب التوحید ملی۔ اور اسکی وجہ سے ان کے خیالات میں بھی یک گونہ فتور ہوا۔ وہ اس فتنہ کو اپنے ہمراہ ہندوستان لائے۔ انکی کتابوں میں مولوی اسماعیل کو کتاب التوحید ملی“ (کہانی ۳۶۵)

عظیم ترین بہتان بھی مولانا خیر الدین کے ”محققین و معارف“ کا ایک نمونہ اور ان خیالات کی ایک جھلک ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ کے متعلق وہ رکھتے تھے غور تو کیجئے حضرت شاہ ولی اللہ کے قیام حرمین کا زمانہ ۱۱۲۳ھ سے ۱۱۵۴ھ تک کا ہے ۱۱۲۳ھ میں ان کا وصال ہو گیا اور مولوی فضل رسول بدایونی جو مولانا خیر الدین کے معتمد علیہ اور مولانا اسماعیل دشمنی میں ان کے خاص ہم مشرب و ہم مزاج ہیں، سیف الجبار میں یہ ارقام قرا رہے ہیں کہ —

کتاب التوحید ۱۲۳۳ھ میں ادا خیا یام سلطان سلیم ثالث میں کہ معظمہ کے اندر آئی تھی۔ پھر قیام حرمین کے زمانہ میں یہ کتاب حضرت شاہ ولی اللہ کے ہاتھ کیسے لگ گئی۔ اس موقع پر اگر مولانا خیر الدین کو مولوی فضل رسول بدایونی کی پوری بات یاد رہتی تو وہ وہی کہتے جو انھوں نے سیف الجبار میں لکھا ہے۔ دیکھئے مولوی بدایونی کتنا عجیب انکشاف فرماتے ہیں۔ وہ حضرت شہید اور فقہاء حضرت بیدار احمد شہید پر الزامات بے جا لگاتے ہوئے یوں فرماتے ہیں۔

”انھیں سامانوں سے سیر و سیاحت کرتے پھرتے تھے کہ قیسرا خساد ظاہر ہوا یہی کتاب التوحید نجدیہ کی مراد آباد میں کہ وہاں پہلے سے کسی قدر اس

مذہب کی گفتگو تھی۔ ہاتھ لگی۔ اس مذہب کو پسند کیا اور تقویت الایمان
تصنیف کی (جو) گویا اسی کتاب التوحید کی شرح ہے۔ (سیف البحار ص ۳۳)
ایک غلط بات کہنے تک سے کہی گئی تھی کہ کتاب التوحید مراد آباد سے
مل گئی تھی مولانا خیر الدین نے اس کو تاریخی اعتبار سے خواہ مخواہ پیچیدہ
اور دور از کار بنادیا کہ شاہ ولی اللہ صاحب جوہین سے کتاب التوحید
لائے اور شاہ اسماعیل کو اپنے دادا کے کتب خانہ سے وہ کتاب ہاتھ
لگ گئی۔ معاذین شاہ اسماعیل شہید تقویت الایمان کے بارے
میں طرح طرح کی باتیں بناتے رہے ہیں کوئی کہتا ہے کہ سید صاحب اپنے
رفقاء کے ساتھ حج کو گئے تو وہاں بیویوں سے متاثر ہوئے اور وہاں کتاب
التوحید مل گئی اور تقویت الایمان لکھی۔ کوئی کہتا ہے مراد آباد سے
کتاب التوحید مل گئی تھی اس کا دوسرا ایڈیشن تقویت الایمان ہو گیا۔
کوئی کہتا ہے کہ دادا کے کتب خانہ سے کتاب التوحید برآمد کر لی تھی اور
اس کا چوبہ تقویت الایمان ہے کچھ ٹھکانہ ہے ان محققین کی زود لیدہ بیانی اور
اختلاف رائے کا؟ (از الفرقان بابۃ ماہ جمادی الاول ۱۳۷۸ھ ص ۴۸ سے ۴۹)

مولانا زید نے تقویت الایمان کے بارے میں جو انکشاف کیا ہے وہ تمام مذکورہ بالا محققین
سے علیحدہ ہے کاش مولانا تقویت الایمان کی اصل ردالاشراک دیکھ لیتے اور تقویت الایمان
اور اسکے فواید پر بھی غور فرما لیتے تو ایسا نہ لکھتے جیسا اس کتاب میں لکھ گئے ہیں۔
شاہ محمد اسماعیل شہید نے تقویت الایمان میں توحید کامل خالص کا بھرپور
مذکورہ کر کے ایک موقع پر عربی کا ایک شعر اپنی کتاب تقویت الایمان میں درج کیا ہے اور
اس کو خلافت توحید قرار دیا ہے شعر یہ ہے

تقدیر بیک نادر نشانیہ دو محمل

سلمات حدوتہ تو و لیلایہ قدم را (تقویت الایمان ص ۴۸)

یہ عربی کے ایک حقیقی قصیدہ کا شعر ہے اس میں سلمات حدوتہ سے مراد آنحضرت اور لیلایہ
قدم سے مراد اللہ تعالیٰ ہے عربی نے حدوتہ قدم کو ایک ہی نادر پر بٹھا کر اپنی شرک آمیز
بات کی داد حاصل کر لی چاہی ہے حضرت شہید نے نہایت سختی سے اس شعر کے مضمون

تردید کی ہے۔ کیا یہ جھوٹا کتاب التوحید سے ماخوذ ہے؟ کیا محمد ابن عبدالوہاب عرفی
بشرازی سے واقف تھے؟ اس کے علاوہ ایسے اور شعروں کو بھی پیش کیا ہے جو کما مضمون
توحید خالص کے خلاف ہے۔ پھر ایک بات اور پیش کرتا ہوں، وہ یہ کہ مولانا زید کا
خیال ہے مولانا شہیدؒ محمد ابن عبدالوہاب نجدی کے متبع ہیں، تو سئل کے قائل نہیں ہیں۔
آئیے میں تقویت الایمان ہی سے اس کا ثبوت پیش کرتا ہوں کہ مولانا شہیدؒ تو سئل کے
قائل تھے۔

”یہ جو لوگوں میں ایک ختم مشہور ہے کہ اس میں یوں پڑھتے ہیں یا شہید عبدالقادرؒ
شیخاً اللہ یعنی اے شیخ عبدالقادرؒ دو تم الشکر کے واسطے۔ یہ لفظ نہ کہنا چاہئے ہاں اگر
یوں کہے کہ یا الشکر چھ دے شیخ عبدالقادرؒ کے واسطے تو بجا ہے۔“

(تقویت الایمان ص ۱۷ مطبع فخر المطابع لکھنؤ)

خدا کرے اس مقام کو پڑھ کر مولانا زید اپنے قول سے رجوع فرمائیں اور یہ نہ
کہیں کہ یہ عبارت الحاقی ہے اس موقع پر میں یہ بات بھی صاف صاف کہہ دوں کہ
تقویت الایمان کے نسخوں میں چاہے وہ قلمی ہوں یا مطبوعہ، الحاق کا کوئی عمل نہیں
ہوا ہے البتہ کہیں کہیں الفاظ کا تغیر و تبدل ہے جس سے معنی اور مفہوم پر کوئی اثر نہیں
پڑتا۔ ایسا مثلاً مولانا رومؒ اور گلستاں و بوستاں سعدیؒ وغیرہ سب کتب متداولہ
لے شیخ محمد کرام اپنی کتاب موج کوثر میں ارقام فرماتے ہیں۔

”ان (شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ) میں اور شیخ محمد ابن عبدالوہاب کے پیروں میں بعض بنیادی
اختلافات ہیں ان میں سے ایک ”التوسل فی الدعا“ کا مسئلہ ہے۔ ان کی نسبت مولانا عبید الشکر
نہدی فرماتے ہیں۔ مثلاً خدا تعالیٰ سے استدعا کی جائے کہ بھرت فلاں یا بحق فلاں کہہ کر۔
تو اس تو سئل کو ابن عبدالوہاب نہایت شدت سے ممنوع (منع) کرتے ہیں۔ مولانا اسماعیل کے
یہاں یہ تو سئل ناجائز نہیں۔ اسی طرح شرک اصغر کا مسئلہ ہے جس کے عوام آئے دن مرتکب
ہوتے رہتے ہیں شیخ محمد ابن عبدالوہاب تو شرک اصغر ”اور شرک کبر“ میں کوئی امتیاز
نہیں کرتے اور دونوں کے مرتکب کو کافر قرار دیتے ہیں لیکن شاہ اسماعیل شہیدؒ اس امتیاز کو
جائز قرار دیتے ہیں اور شرک اصغر کو گناہ کبیرہ سمجھتے اور اسکے مرتکب کی سزا دہی کے قائل
نہیں کے باوجود اسے کافر نہیں سمجھتے۔ (موج کوثر بارہواں ایڈیشن مکتبہ جدید پریس لاہور)

میں بکثرت پایا جاتا ہے مولانا زید نے اپنی کتاب کے مکمل پر مولانا فضل حق خیر آبادی کا کتاب تحقیق الفتویٰ کا ذکر کیا ہے۔ اور اس میں ان علماء کے اسماء کا اندراج ہے جنہوں نے حضرت شہید کے خلاف فتوے پر دستخط کئے ہیں ان میں مولانا عبدالحق دہلوی کا نام بھی ہے۔ اب آپ ان کے صاحبزادے مولانا عبد الرب واعظ دہلوی بانی مدرسہ عبد الرب کی تحریر پڑھئے جس میں انہوں نے منجملہ اور اکابر مدہلی کے اپنے والد کو لکھا ہے کہ وہ حضرت شاہ اسماعیل شہید سے قلبی تعلق رکھتے تھے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

”مولوی اسماعیل صاحب شہید فی سبیل اللہ ہاجر الی اللہ کا حال جو اپنے والد ماجد محمد عبدالحق مرحوم سے اور علماء سے سنا گیا وہ ایسا نہیں ہے کہ یہ منہ قرطاس اس کی تحریر کو وفاق کرے۔ ان حضرات کو ان کے استیاق میں یہی کہتے تھے۔“

وہ صورتیں الہی کس ملک بتیاں ہیں
اب جنکے دیکھئے کو آنکھیں تر تیاں ہیں

ادانکے وصف قرآن شریف اور حدیث شریف سے ثابت اور ظاہر ہوتے ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا جَاهِدًا وَّارِثِیْنَ سَبِلَ اللّٰهُ اَوَّلٰئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ عَفُوٌّ رَّحِیْمٌ۔ پھر ایسے شخص کو جو کافر کہے وہ کمال خسران اور ضلال میں ہے۔ یَسْعٰی لَہٗ اَنْ یَّشْعَبَ فَبِئْسَ عُوٰاْنٌ یَّتَّخِذُ اللّٰهُ عَلَیْہِ۔

نہر عمدۃ الواعظین مولوی عبد الرب صاحب دہلوی

(محمد عبد الرب)

(سوال و جواب حلقہ رسالہ تقویت الایمان و تذکیر الاخوان منہم تقویت الایمان
مطبوعہ مخزن المطابع لکھنؤ)

مولانا شہید کے بارے میں چند اکابر ملت کی آراء

(۱) حضرت رئیس توکل شاہ نقشبندی مجددی کی سوانح عمری میں احقر نے خود دیکھا ہے کہ انہوں نے اپنی مجلس میں فرمایا :- ہم نے مولانا اسماعیل شہید کو دیکھا کہ وہ

کبمل اور بھٹے ہوئے ایک سڑک پر سیدھے چل رہے ہیں مکتب میرے پاس اس وقت نہیں اس لئے انکے ارشاد کا مفہوم نقل کیا گیا۔ انھوں نے مراقبہ میں دیکھا یا خواب میں دیکھا کوئی تشریح نہیں تھی البتہ اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ سائیں کوکل شاہؒ مولانا شہیدؒ سے قلبی تعلق رکھتے تھے۔ اعدان کو حق پر جانتے تھے۔

(۲) صوفی محمد حسین مراد آبادی مولعت الزوار العارفین جو مولانا امامت علی حسینی امر دہیؒ کے مرید تھے اپنی کتاب میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کا ذکر بڑی عقیدت سے کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے بچپن میں ان دونوں بزرگوں کو دیکھا تھا جبکہ ان کا قافلہ مراد آباد آیا تھا۔

(۳) امر دہسہ کی خانقاہ صابریہ ہمدانیہ سے بھی سید احمد شہیدؒ اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کے بہت زیادہ روابط تھے جہاں کی تیاری کے وقت ایک گشتی مراسلہ اس خانقاہ میں بھی آیا تھا۔ حضرت شاہ عبدالباری صدیقی حسینی امر دہیؒ کے خلیفہ سید عبدالرحیم دلائیؒ بھی سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کی جماعت حق کے ساتھ تھے اور ان ہی کے ہمراہ جہاد بالا کوٹ میں شرکت کر کے شریعت شہادت لوٹ کر آیا۔

(۴) محدث دارالہجرۃ حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ نے مصیبت مقامات مظہری میں ان دونوں کا ذکر کیلئے اور شہید لکھا ہے یہ دونوں بزرگ انکے دادا شاہ صفی القدرؒ کی تجہیز و تکفین میں موجود تھے۔ اور مصیبت کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کو شاہ صفی القدرؒ سے بڑا ربط و تعلق تھا۔ اور عجیب نہیں کہ ان دونوں میں سے کسی نے ان کی نماز جنازہ بھی پڑھائی ہو۔

ان کے علاوہ بہت سے علماء اور شائخ و اکابر ملت کی حجاز قرآن تلاش سے پیش کی جاسکتی ہیں فی الحال اتنے ہی پر اکتفا کیا جائے۔ ان دونوں بزرگوں کو بڑا کہنے والے یا راضی تھے یا اہل بدعت۔ نام نہاد سنی حنفی اہل بدعت کے دربارہ سید احمد شہیدؒ و مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ ناگفتہ بہ کلمات کے بہت سے نمونے کو نظر سے گزرے ہوں گے آئیے اس موقع پر ہم ایک شیعہ راضی کے جذبات بھی جولان دونوں کے بارے میں پیش کرتے ہیں دیکھئے محمد رضا طباطبائیؒ نے مظاہر اللادیان میں ان دونوں بزرگوں کے حقل کیا نہایت ہی اعلیٰ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی شان میں اس گستاخ نے جو سید محمد علیؒ (مولا صفی)

یہ کتاب ۱۳۳۲ھ میں لکھی گئی ہے اور اسکی نقل اردوہ کے ایک شیعہ طبیر دار خاں ساکن محلہ گدڑی نے شعبان ۱۳۳۲ھ میں کی ہے۔ مؤلف انگریزوں کا خاص آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اسکی رسائی دہلی اور لکھنؤ کے انگریز حکام سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہے، مؤلف نے اپنی اس کتاب میں دیانتداری کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا کہ اپنا کمال سمجھتا ہے بہت سی تاریخی غلطیاں اس میں موجود ہیں جو تاریخ و تذکرہ کے واقع ناظرین کو باسانی معلوم ہو سکتی ہیں شہیدین کے بارے میں جو اپنی تحقیق پیش کی ہے وہ ذیل میں درج کی جاتی ہے در ذکر سید احمد و مولانا محمد اسماعیل و مولانا عبدالحی بدھالوی " یہ عنوان قائم کر کے طباطبائی لکھتا ہے :-

اصل دین ایشاں بن مذہب خفی و ملت و ہابی	ان کا اصلی دین مذہب خفی اور ملت و ہابیہ
است و باوجود آں از ہمہ علیہ است	ہے اس کے باوجود سب سے علیہ ہے.....
پہچ نمی رادر عبادت نام نہ یزید اللہ علی	اپنی عبادت میں کسی نبی کا نام نہیں لیتے ہیں اور اللہ علی نام نہ لیتے ہیں
در نماز نہ گویند زیر (کر) می گویند نبی ما و قلیک	اللہ علی نام نہ لیتے ہیں کہنے میں نبی صمد نہیں پڑھتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں ہمارے نبی
در قید حیات بود نبوت اورا بودہ بعد از	جس وقت حیات تھے نبوت ان کے پاس تھی
مات، نبوت از و رفت..... کرامات	انتقال کے بعد ان سے نبوت چلی گئی.....
انبیاء و اولیاء از ذات آنها متعلق بود	انبیاء، اولیاء کی کرامات انکی ذات سے متعلق
مادام حیات و بعد از ان کرامت نیست....	تھیں جب تک وہ زندہ رہے اس کے بعد کرامت نہیں ہے.....
نہ در قبر رسول در مدینہ شریف است	قبر رسول کے اندر کرامت ہے اور نہ نجف و
و نہ در نجف و کربلا، و نہ در بغداد برائے	کربلا میں اور نہ بغداد و اجیر و دہلی میں۔
عنوت الاعظم و نہ در اجیر و دہلی برائے	
خواجہ بزرگ و خواجہ قطب و غیر ہم	

(ملاحظہ فرمائیے) اور نہ ہر افتائی کی ہے اس کو زبان قلم پر نہیں لایا جاسکتا عجیب بات یہ ہے کہ وہ پہلے انکی بھرپور تعریف کرتا ہے پھر ایسی تصویر کھینچتا ہے جس سے لوگوں کو انکی شخصیت سے نفرت ہو جائے۔ اس نے بہادر شاہ ظفر کی بھی اس منظرہ میں شرکت بتائی ہے حالانکہ دوسری معتبر روایتوں سے انکی شرکت ثابت نہیں جہاں اور بہت سی غلط باتیں اس منظرہ کی طرف منسوب ہو گئیں ہیں ایک یہ بھی انھیں میں سے ہے۔

کے عثمانؓ ذکر مولوی عبدالحیؒ مولوی اسماعیلؒ و سید احمد اختر اعراسک مجیدؒ کے تحت لکھا ہے۔

مولوی عبدالحیؒ نام، شخصے بود از متوطنان قصبہ
 زواجی سہارنپور، دہ۔۔۔۔۔ سہارنپور میان مسجد
 متوقف بود و مردم را درس می کرد۔۔۔۔۔
 در آن مسجد تربیت از کاغذ و نئے نیزہ کہ در ایام
 عشرہ محرم آن را آناستہ مجلس عزائید الشہداء
 می نہادند بعد ایام عشرہ محرم آن را
 برداشتہ در مسجد بگوشہ نہادہ بود۔۔۔۔۔
 عبدالحیؒ آن چوب نیزہ و کاغذ را بیچ کارہ تصد
 نمودہ بگرفت و در آتش انداختہ، از آن
 آب گرم ساختہ تا غسل نماید۔۔۔۔۔ شیعیان
 سہارنپور بدریافت آن بد پڑدہ، زبان طعن
 در آن دراز کردند۔۔۔۔۔ اہل بلدہ اتفاق
 نمودہ بر مولوی بلوہ کردند۔۔۔۔۔ از طرفین
 کسان فراہم آمدند۔۔۔۔۔ صورت پر خاش
 از گفتگوئے سانی در گذشتہ۔ حکام آن جا کہ
 از اقوام انگلیشیہ اند و فساد را درست نمی
 دارند، اہل کاراں و کوتوالی شہر را فرستادہ
 بدافعت آن آتش فتنہ خواستند و چون
 دیدند کہ حق بجانب شیعیان و اہل ملاست
 و مولوی سخن تازہ حادثہ کردہ است کہ
 بسوختن تعزیر امری نماید۔۔۔۔۔ لہذا اقرار
 بر آن دادند کہ مولوی عبدالحیؒ را از سہارنپور
 خارج نمایند و دفع بلوہ سازند پس عبدالحیؒ

مولوی عبدالحیؒ نام کا ایک شخص تھا جو زواجی
 سہارنپور کے ایک قصبہ (بڑھانہ) کا متوطن تھا۔
 ۔۔۔۔۔ سہارنپور کی ایک مسجد میں ٹھہرا ہوا تھا اور
 لوگوں کو درس دیتا تھا۔۔۔۔۔ اس مسجد میں
 ایک کاغذی تعزیر اور نیزہ کے بانس رکھے ہوئے
 تھے۔ ان کو ایام عشرہ محرم میں سجا کر ایام
 باڑہ میں رکھتے تھے اور عشرہ محرم کے بعد ان کو
 وہاں سے اٹھا کر پھر مسجد میں رکھ دیا جاتا تھا
 ۔۔۔۔۔ اس مولوی عبدالحیؒ نے اس چوب نیزہ
 اور کاغذ تعزیر کو واپسٹا سمجھ کر انکو آگ میں ڈال کر
 پانی گرم کیا اور غسل کیا شیعیان سہارنپور نے اس
 بدخواہ کو معلوم کر کے زبان طعن دراز کی۔
 اہل شہر نے اتفاق کر کے مولوی مذکور پر ہجوم کیا
 ۔۔۔۔۔ طرفین سے بہت سے اشخاص جمع ہو گئے
 صورت پر خاش زبان گفتگو سے آگے بڑھ گئی
 تو سہارنپور کے حکام نے جو کہ انگریزی میں اور
 کو اچھا نہیں سمجھتے ہیں اہل کاروں کو اور کوتوالی
 شہر کو بھیج کر اس آتش فتنہ کو دفع کرنا چاہا لہذا
 جب انھوں نے دیکھا کہ حق بجانب شیعیان اور
 اہل بلدہ ہیں مولوی نے نئی بات نکالی ہے کہ
 تعزیر کے جلانے کا حکم دیتا ہے۔ لہذا انھوں
 یہ بات طے کی کہ مولوی عبدالحیؒ کو سہارنپور سے
 نکالیں اور بلوہ دفع کریں پس عبدالحیؒ وہاں سے

ازان جا اخراج کردہ شد۔ وکیلہ عبدالحی
 ازیں جا مولوی اسماعیل از شاہجہاں آباد
 بہ اخراج درآمدند ہر دو کس با خود اتفاق
 نمودہ ہر طرف کہ می رسید عمل انگریز بود نام
 خود را بر زبانہا جاری دیدہ جز عملداری یکم
 شمر و ہیج جا تباہ یافتہ مفد مفد شہود
 شد ندیس دہے اظہار مسک جدیدہ گردیدہ
 بتلاش یا رومدگار ساسی شہزادہ تیکہ رفتہ
 رفتہ میان ایشان و سدا محمد کہ ملاقات
 شد۔ ایں اصحاب ثلاثہ کیجا گردیدہ۔
 نکال گیا۔ جمع وقت کہ عبدالحی اس جگہ
 (سہا زید) سے اور مولوی اسماعیل شاہجہاں آباد
 (دہلی) سے نکال دیئے گئے ان دونوں آپس
 میں گٹھ جوڑ کر لیا۔ جہاں بھی پہنچتے تھے انگریز
 کی عمل داری تھی سب لوگوں کی زبانوں پر اپنا نام
 آتا دیکھ کر یکم تمکو کی عملداری (مردھنہ) کے
 علاوہ کسی جگہ اپنا نباہ نہیں پایا ہر جگہ ان کو
 مفد مفد کہہ کر پکارا جاتا تھا پس وہ دونوں
 اپنے مسک جدیدہ کے اظہار کی خاطر یا رومدگار
 کی تلاش میں کوشاں ہوئے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ
 ان دونوں اور سدا محمد کے درمیان ملاقات ہوئی
 اور یہ اصحاب ثلاثہ کیجا جمع ہو گئے۔

نیز ایک دوسرے مقام پر طباطبائی لکھتا ہے:-

انجام کار بعد وفات نمودن مولوی عبدالعزیز
 کہ دلیں روز زیادہ از صد ہزار مرد از خواص
 عوام شاہجہاں آباد (دہلی) بر جنازہ او حاضر
 بودند۔ بعد از مراجعت جنازہ امرے دیگر
 پیش آمدہ و آن ایک میان شاگردان و ملائمہ
 او شاں نفاق عارض گردید و فرقت شدند۔
 چون شاہ عبدالعزیز اولاد نہ داشت
 از ورثاء خواہر زادگان و ملائمہ و غیرہ بودند
 بر سر و کہ آں متوفی ایشان را نزاع در افتاد
 از جملہ خواہر زادگان مولوی اسماعیل و غیرہ
 چند کس یک طرف شدند۔ مردم چند از ملائمہ
 لہ خواہر زادگان غلط لکھتے ہیں۔ بر روز زادگان ہونا چاہیے۔
 انجام کار بعد وفات مولوی عبدالعزیز کہ دلی
 وفات کے دن دہلی کے ایک لاکھ سے زیادہ خاص
 عام (آدمی) انکے جنازہ میں شریک تھے، دفن کے
 بعد ایک لاکھ دیگر پیش آیا وہ یہ کہ انکے شاگردوں
 درمیان نفاق اور مخالفت واقع ہو گئی اور
 دو فرقے ہو گئے کیونکہ شاہ عبدالعزیز زینہ اولاد
 نہیں رکھتے تھے، انکے دشماؤں سے خواہر زادگان
 وغیرہ تھے۔ متوفی کے ترکہ پر دشماؤں میں اختلاف
 ہو گیا۔ تمام خواہر زادگان میں سے مولوی اسماعیل
 وغیرہ ایک طرف ہو گئے، شاہ عبدالعزیز کے
 شاگردوں میں سے چند آدمی انکے ساتھ ہو گئے اور

ہمراہی ایساں اختیار نمودند۔ مولوی اشرف جو کہ شاہ عبدالعزیز کے بڑے
 اچھے شاگرد تھے، ایک طرف ہو گئے۔ مدارِ مخالفت دونوں کے درمیان شاہ عبدالعزیز
 کی تعانیف پر تھا۔ ایک کہتا تھا کہ جو کچھ
 انھوں نے لکھا ہے صحیح لکھا ہے اور روایات صحیحہ
 سے مضامین کو جمع کیا ہے اور دوسرا گروہ کہتا
 تھا کہ انکی اکثر تعانیف میں موضوع حدیثیں
 آگئی ہیں۔ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، دنیا
 سازی سے لکھا ہے۔ کبھی تو طبیعوں کی تائید
 کی اور کبھی اہل سنت کی۔ مذہب عبدالعزیز
 مذہب دنیا تھا (نعوذ باللہ) اور طرفین اپنے
 بزرگوں کی کتابوں کی رو سے دوسرے کے رد
 میں اور اپنی تقریر کے اثبات میں گفتگو کرنے لگے
 جھگڑے کی نوبت پیش آگئی۔ دہلی کی جامع مسجد
 میں ان دونوں گروہوں کے درمیان مناظرہ
 قرار پایا۔ حضرت بادشاہ کے ولی عہد
 (بہادر شاہ ظفر) اور شہر کے بڑے بڑے لوگ اور
 شہر کے تمام اکابر جمع ہوئے حکام کی طرف سے
 مستعد طلباء مثل مولوی رشید الدین اور میر
 خلیل الدین مقرر ہوئے اور چند دن مناظرہ ہوا
 یہاں تک کہ مولوی اشرف کو فتح حاصل ہوئی
 اور مولوی اسماعیل مفسد وقتہ پر دماز قرار
 پائے اور شہر سے ان کا اخراج کر دیا گیا۔

مولوی اشرف کو اختیار نمودند۔ مولوی
 اشرف کہ عہدِ تلامذہ شاہ عبدالعزیز پودہ،
 خود کی طرف گردیدند۔ مدارِ مخالفت میان
 ہر دو برصفت شاہ عبدالعزیز واقع شد
 یکے می گفت کہ ہر صحیحہ اولو شہ است درست
 است و بر روایات صحیح جمع آورده۔ و فرقہ
 ثانی می گفت کہ در اکثر تعانیف او احادیث
 وضعی آمدہ است بحسن از دنیا سازی نوشتہ،
 گاہ تائید شعاع کردہ و گاہ تائید اہل سنت نمودہ۔
 مذہب عبدالعزیز مذہب اہل دنیا بود و طرفین
 از دین کتب آئمہ خود، در رد دیگرے و اثبات
 تقریر خود، متکلم گردید نوبت قضایا در افتاد۔
 در جامع مسجد شاہ جہاں آباد مناظرہ میان
 اینہا قرار گرفت۔ ولی عہد حضرت بادشاہ
 و سرداران این دیار و تمامی اعزہ و اکابر شہر
 جمع گشتند و از طرف حکام طلباء مستعد وقت
 مثل مولوی رشید الدین و میر خلیل الدین
 و غیر ہم مقرر گشتند و چند روز مناظرہ ماند۔
 تا اینکه مولوی اشرف را غلبہ داد و مولوی
 اسماعیل مفسد وقتہ پر دماز قرار یافت از شہر
 اخراج کردہ شدند۔ اہل شاہ جہاں آباد
 جملہ اطاعت مولوی اشرف کردند۔

مجھے مولانا زید کی چوری کتاب کا جواب دینا نہیں ہے، اس مقالہ کی تحریر سے

لے ایک دن صرت چند گھنٹے مناظرہ ہوا۔

میرا مقصود حضرت اسماعیل شہیدؒ کا اجمالی دفاع کر کے مناظرہ جامع مسجد دہلی جو ۱۲۷۲ھ میں ماہین مولانا رشید الدین خاں دہلویؒ اور مولانا عبدالحی صاحب بڈھانویؒ ہوا۔ اسکی صحیح روئیداد پیش کرتا ہے۔ مولانا زبید نے اس مناظرہ میں شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کو مولانا رشید الدین خاںؒ کا مقابل ٹھہرایا ہے اور مناظرہ میں ان ہی کو ایک فریق کی طرف سے مناظرہ و منکلم قرار دیا ہے۔ اور چودہ سوالات جو اس مناظرہ میں مولانا رشید الدین خاںؒ کی جانب سے پیش کئے گئے تھے، ان چودہ سوالات کا جواب بھی جو کچھ دیا گیا اسکو شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔ مولانا زبید نے ان چودہ سوالات کے جوابات کو مولانا شہیدؒ کی منتقل تالیف بتایا ہے، چنانچہ اپنے دوسرے مکتوب میں احقر کو تحریر فرماتے ہیں :-

”آپ نے (یعنی حضرت شاہ احمد سعیدؒ نے) صرف چودہ سوالات جو مولانا رشید الدین خاںؒ نے کئے تھے اور ان کے جوابات جو مولانا اسماعیل نے لکھے تھے چہارہ مسائل کے نام سے رسالہ کی شکل میں لکھے ہیں۔ اور یہ نسخہ حضرت شاہ احمد سعیدؒ کے وقت کا قلمی میرے پاس ہے۔“ (۱۲ ستمبر ۱۹۸۲ء)

حقیقت یہ ہے کہ ان چودہ سوالات کے جوابات مولانا عبدالحی صاحب بڈھانویؒ کی طرف سے دیئے گئے ہیں۔ معلوم نہیں کس وجہ سے یہ جوابات حضرت شاہ اسماعیلؒ کی طرف منسوب ہو گئے۔ مجھے خانقاہ قلندر بہ لاہر پور کے کتب خانہ میں ایک قلمی نسخہ ملا جس میں خود مولانا عبدالحی بڈھانویؒ کی تحریر فرمائی ہوئی روداد موجود ہے۔ اس روداد میں مولانا بڈھانویؒ نے مناظرہ کے واقعات کو صحیح طریق پر خود تحریر فرمایا ہے میں نے مناسب سمجھا کہ اس کتاب میں جو روئیداد درج ہے (جو فارسی میں ہے) اس کا اردو ترجمہ کر کے ناظرین الفرقان کے سامنے پیش کر دوں۔ اس میں جو روئیداد لکھی گئی ہے اس سے یہ حقیقت بھی طرح واضح ہو جائے گی کہ مناظرہ دوسرے فریق سے مولانا عبدالحی بڈھانویؒ نے کیا ہے۔ مناظرہ میں اگرچہ ہزار ہا باشندگان دہلی موجود تھے، لیکن جو حضرات نمایاں اور ممتاز تھے ان کے اسماء خاص طور پر اس روئیداد میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت شاہ احمد سعیدؒ دہلی کا نام نامی باوجودیکہ وہ ممتاز دینی شخصیت رکھتے تھے، اس روئیداد میں موجود نہیں ہے، لہذا ان کے نسخہ مکتوب میں جو جوابات مولانا اسماعیل شہیدؒ

کی طرف منسوب کئے گئے ہیں غالباً وہ انھوں نے کسی سے سن کر منسوب کئے ہونگے معلوم ہوتا ہو اس وقت عوام میں کسی وجہ سے یہی غلط شہرت ہو گئی تھی کہ یہ مناظرہ مولانا رشید الدین خاں صاحب اور مولانا اسماعیل صاحب کے مابین ہوا۔

خانقاہ قلندریہ لاہر لوہ کے نسخہ خطیہ میں مولانا عبدالحی صاحب بڑھانوی کی لکھی ہوئی روداد کے علاوہ دور سارے اور میں جن میں اسی مناظرہ جامع مسجد دہلی کی تفصیلی اور اجمالی روئیداد درج ہے۔ ان میں بھی جو وہ سوالات کا جواب دہندہ مولانا عبدالحی صاحب بڑھانوی کو لکھا ہے اور دستخط کنندگان میں بھی حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید کا نام نہیں ہے۔ یہ واضح ہے کہ ان دونوں رسالوں کا مرتب کوئی ایسا شخص ہے کہ جو میں میں ہے اور کم از کم اس کو مولانا رشید الدین خاں صاحب بڑھانوی کے جذبات سے اختلاف نہیں ہے اس روئیداد میں قضا طور پر لکھا گیا ہے کہ مولانا محمد اسماعیل شہید سوال و جواب کے وقت آگئے تھے۔ مولانا عبدالحی بڑھانوی نے انکو گھر جانے کے لئے کہا۔ اس روئیداد کے الفاظ یہ ہیں ”مولوی عبدالحی بمولوی اسماعیل صاحب فرمودند: برادر! شما بیکان خود بروید، ہر چہ شندی است بر سر من خواہد گذشت۔ شما چرا تکلیف می کشید؟“ (ترجمہ۔ مولانا عبدالحی صاحب نے مولانا اسماعیل شہید سے فرمایا کہ آپ مکان تشریف لے جائیے جو کچھ گذرنا ہے میرے سر پر گذرے گا۔ آپ کیوں تکلیف اٹھائیں) جب مولانا اسماعیل شہید اس مجمع سے واپس جانے لگے تو ایک مخالف نے ان سے کہا کہ تھوڑی دیر تشریف رکھئے۔ آپ کے بھی دستخط اس تحریر پر ضرور ہیں تو یہ کہہ کر وہ چلے گئے ”میں کسی کا پابند نہیں ہوں کہ یہاں بیٹھوں“

مولانا نور الحسن راشد کا مذہبی حلقے کے کتب خانہ میں بھی دوسری قلمی روئیداد موجود ہے اس کا مرتب مولانا برہان الدین دیوبی کو بتایا گیا ہے اس میں بھی مولانا عبدالحی کو جواب دینے والا بتایا گیا ہے۔

غرض کہ کسی معتبر روئیداد سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ حضرت مولانا اسماعیل

لہ اس وقت کے جاہل مسلمانوں میں پھیلی ہوئی مشرکانہ رسوم و بدعات کے خلاف اصلاحی جدوجہد میں چونکہ اصل قائم کی حیثیت شامہ اسماعیل شہید کی تھی اس لئے عوام میں اس طرح کی غلط شہرت ہو جانا کچھ بھی تعجب نہیں ہے۔ (ادارہ الفرقان)

شہیدؒ نے ان چودہ سوالات کے جوابات دیے ہیں۔ جو مولانا زید کے رسالہ میں مولانا شہیدؒ کے نام سے درج کئے گئے ہیں۔

اب حضرت مولانا عبدالحیؒ کی تحریر فرمائی کوئی وعدہ اندر ناظرین کرام کی جاتی ہے۔

۱۔ اس سلسلہ میں آنحضرتؐ فیصلہ کن بات یہ ہے کہ مولانا فضل رسول بدایونیؒ نے (جوشاہ محمد اکبر شہیدؒ کے شدید ترین دشمن ہیں) اپنی کتاب "سیف الجبار" میں تقریباً ۳۰۰ صفحوں میں جامع مسجد مدنی کے اس مناظرہ کا ذکر کیا ہے، انھوں نے بھی مولانا رشید الدین صاحب کے سوالات کا جواب دینے والا مولانا عبدالحیؒ صاحب کو لکھا ہے، اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کے متعلق صراحتہ لکھا ہے کہ جب وہ جانے لگے تو ان کے کسی مخالف نے ان سے کہا کہ آپ بھی بیٹھے، آپ کے بھی دستخط کرانے ہیں۔ تو انھوں نے کہا میں کسی کے باپ کا نوکر نہیں ہوں اور چلے گئے، الغرض وہ مناظرہ میں شریک ہی نہیں ہوئے۔ (سیف الجبار از صفحہ ۵۲ تا ۵۴)

شاہ اسماعیل شہیدؒ کے جواب کے یہ نامناسب الفاظ کہ "میں کسی کے باپ کا نوکر نہیں ہوں" مولوی فضل رسول بدایونیؒ صاحب نے لکھے ہیں جو ان کے مزاج اور شاہ شہیدؒ کے خلاف ان کے جذبات کو ظاہر کرتے ہیں۔ ہم گمان نہیں کرتے کہ شاہ شہیدؒ جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے تربیت یافتہ بھی ہیں اس موقع پر ان کی زبان سے یہ تمیزی کا یہ جملہ نکلا ہو۔ (واللہ اعلم۔) (نہانی)

فیضانِ نسیم

از افسر امر و ہوی تلمیذ خاص حضرت مولانا فریدیؒ

اپنے آقاؐ کی غلامی جو واپانِ نسیم
جب بھی چاہا گنبدِ خضر کو دیکھا اور تک
زہد ہو، ایثار ہو، تقویٰ ہو یا حسنِ عمل
پیار کا شفقت کا یہ انداز تو دیکھ کوئی
ہے اگر تعریف کے قابل نبیؐ کی خاک یا
محفلیں رحمت و مناقب کی سجیں گی خیر تک
نعت ہو تو رحمتِ اصحابؓ پیلیر بھی ہو
اس میں ہی ضمیر ہے ساری عظمتِ شانِ نسیم
کون سی منزل میں تھا شوقِ فراوانِ نسیم
آئے گا ایک عنوانِ زیرِ عنوانِ نسیم
ہم میں سے ہر ایک خود کو کہے ہے جانِ نسیم
ہر ثنا خوانِ پیغمبرؐ ہے ثنا خوانِ نسیم
حشر تک جاری و ساری ہے فیضانِ نسیم
اہل سنت بھول مت جانا یہ زبانِ نسیم

کون کہتا ہے کہ میرے سرے سایہ آج گیا
میں قیامت تک ہوں افسرِ زید الدانِ نسیم

حضرت مولانا عبدالحی عظیمی کی تحریروں پر مبنی روداد

بسم الله الرحمن الرحيم

بعد حمد و صلوٰۃ بندہ عبدالحی عقیقہ (ابن ہبیبہ الشراہین شاہ نورالشر) کہتا ہے کہ
بروز شنبہ آخواہ ربیع الثانی ۱۲۸۵ھ میں شہر شاہ جہاں آباد (دہلی) کی جامع مسجد کے اندر
اس بندہ ضعیف اور دہلی کے بعض بڑے علماء کے درمیان چند مسائل کا مذاکرہ ہوا، اس
تاریخ سے اس وقت تک کہ آخواہ جب ۱۲۸۵ھ ہے (یعنی ۱۳ ماہ ہو گئے ہیں) ان مسائل
مذکورہ کا تقریباً و تخمیناً اہتمام کرنے کا خیال نہیں تھا۔ بروز پنجشنبہ ۱۹ ربیع الاول جب
سنہ مذکورہ کو مولوی غلام مصطفیٰ صاحب موضع پھلت پرگنہ کھانولی علاقہ میرٹھ میں مظفر نگر
سے پہونچے تین رات موضع مذکور (پھلت) میں انھوں نے قیام کیا۔ انھوں نے دورانِ
ملاقات میں بیان کیا کہ ایک شخص نے مناظرہ جامع مسجد دہلی کی روداد رسالے کی شکل میں
لکھی ہے اور وہ رسالہ رائج ہو گیا، چنانچہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس بھی پہونچا۔
مولوی غلام مصطفیٰ صاحب نے اپنی یادداشت کے مطابق اس رسالہ سے جو کچھ بھی
مضمون بیان کیا، اس سے گمان ہوا کہ صاحب رسالہ کے ہاتھ سے (صحیح طور سے) اظہار
واقعہ کا دامن چھوٹ گیا۔ اگرچہ وہ واقعہ مفصل اور مرتب طور پر میرے دل میں بھی بوجہ
محفوظ نہیں ہے، مگر ہر شخص اپنی سرگزشت کو دوسروں کے مقابلہ میں بہتر جانتا ہے۔
سا اوقات ایک لفظ کے فرق سے اصل مطلب میں فرق آجاتا ہے اور نا واقف آدمی
اس پر آگاہ نہیں ہوتا، پس معلوم ہوا کہ اس تفاوت لفظی کی وجہ سے بعض مسلمانوں کو
نقصان پہونچ رہا ہے، میرے ناقص حلقے میں جو کچھ بھی اس وقت موجود ہے اس کو تحریر
کرنا مناسب سمجھتے ہوئے اس مباحثہ کی روئیداد کو چند تہیدوں، ایک قصہ اور ایک
خاتمہ کے ساتھ میں نے مرتب کیا ہے۔

تہید اول۔ اس ملک ہند کے رہنے والوں پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ مسلمانوں
کی حالت پہلے کے مقابلہ میں کی و صلاح سے بدل گئی ہے۔ جو لوگ اپنے زعم باطل میں روم زائد
اہتمام شادی و عرسوں، مجلسوں کے اندر پیروں اور پیروں کے نام سے کرتے تھے اور ایام عزیم

۳۰۰
میں گریہ و ماتم کا اظہار دین متین کے ارکان کی برابر جانتے تھے اور انتہائی جدوجہد کے ساتھ اموال و اوقات کو صرف کر کے اُن رسوم کو انجام دیتے تھے، اور حقیقی ارکان دین یعنی اپنے روزہ، نماز، حج و زکوٰۃ کو اس طرح معطل مانتے تھے، گویا کہ وہ تمام ارکان دین اُن کے خیال باطل میں پرانی جستی کی طرح سے ہیں کہ کسی جگہ ایک دو آدمی جگہ سیکڑوں آدمی اپنی سابقہ غفلت سے باز آگئے اور اپنے اندر نمایاں فرق محسوس کر کے احکام دین اسلام کی پیروی کی جانب راغب ہوئے ہیں، یہ تفاوت بشخص آدمی نہیں ہوتا ہماری مراد نہیں ہے، بلکہ بہشت مجموعی یہ تفاوت ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کے اعضاء میں گٹھیا کا مرض لاحق ہو جائے اور پھر کسی ایک عضو میں درد کے اندر سکون محسوس کرے تو وہ شخص کہے گا کہ مجھ کو پہلے کے مقابلہ میں آفاقہ ہے، اس موقع پر تفاوت حال سابق سے ہماری جو مراد ہے وہ اس مثال سے واضح ہے۔

تمہید دوم :- دنیا میں جو واقعات پیش آتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مروی و متولن ہوتے ہیں۔ اللہ جل شانہ، اپنے تصرفات میں کسی کا محتاج نہیں ہے، لیکن اسکی حکمت جو سلسلہ انسا کے انتظام کا تقاضہ کرتی ہے، ہر کام کیلئے کچھ اسباب ظاہر کرتی ہے، اس سعادتمند شخص کا کیا کہنا کہ عنایت الہیہ اسکو صلاح و خیر کا سبب بنادے۔ بنا بریں، تمہید اول میں جو بیان گذرا اس سلسلہ میں کچھ اشخاص کو لوگ ملت کے مسائل کا بیان کنندہ سمجھتے ہیں اور وہ اشخاص اپنی وسعت و طاقت کے مطابق (حسب توفیق و حسب طاقت) مسائل کا اظہار کرتے ہیں چنانچہ بعض مسلمانوں نے احقر کو اپنے گمان میں اسی درجہ کا پایا، لہذا بہت استفسارات مجھ سے کرتے ہیں۔ جو کچھ میں جانتا ہوں، بیان کر دیتا ہوں۔

تمہید سوم :- چونکہ لوگوں کے حال میں تغیر و فرق آگیا ہے اور ان کے حالات دروہ اصلاح ہو گئے ہیں اس لئے گوشتوں، شراب فروشوں، ہنگامہ اور خانہ جنگی کرنیوالوں کاموں میں خلل واقع ہو گیا ہے، کبھی رشوت خوروں کو کبھی (رشوت کا بازار سر دھونے کی وجہ سے) تہی دستی پیش آ جاتی ہے اور جو ائمہ پیشہ لوگوں کو مختلف سیلوں اور عرسوں کے جھگڑوں کے مواقع میسر نہیں آتے ہیں اور اپنی تہی دستی رفع کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں پاتے۔ کبھی کسی ان غلط کار، گردلوں کو ایسا شہ ہونے لگتا ہے کہ بھاری تہی دستی و مفلسی و گناہ بازار کی سبب یہ ہے کہ لوگوں کے اندر جو ائمہ کی کمی واقع ہو گئی ہے، اور چونکہ اللہ جل شانہ کے تصرفات

انکونا واقفیت ہے اس لئے جو اہل حق میں کمی کا باعث ان اشخاص کو سمجھتے ہیں (جو مسلک اہل حق پر ہیں) اور وہ 'ان اہل حق سے مخالفت کرتے ہیں اور انھیں ایذا پہنچاتے ہیں۔ تمہید چیمپارم :- اہل باطل کی کم سے کم درجہ کی مخالفت اور ایذا رسانی یہ ہے کہ اہل حق کا ذکر کرے القاب و الفاظ سے کرتے ہیں اور وہ عنوان جو اس علاقہ میں بد سے بدتر ہوتا ہے، اس عنوان سے ان اہل حق کو منسوب کرتے ہیں، مثلاً میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ اہل شریعت کے شراحین کو وہ دہائی کہتے ہیں اور غالباً رسالہ مذکورہ میں جو کچھ درج کیا گیا ہے وہ عوام کی زبان سے شکر ہی درج کیا گیا ہے لیکن مشہور قتل ہے 'مخالفتان را ہوئے بس است' مخالفتیں اتنی سی بات کو بھی غنیمت سمجھتے ہیں (کہ عوام سے نقل کر کے رسالہ تیار کیا جائے اور مخالفت کی بات چلائی جائے) میں نے خود اہل باطل کو اساذ جہانیاں حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ پر رخص کی تہمت لگاتے ہوئے سنا ہے، اور لکھنؤ میں جامع العلوم مولوی محمد حسن علی صاحب جو حال معلوم ہوا، اسکو یہاں نقل کرتا ہوں۔ مولوی صاحب موصوف کہ شہر لکھنؤ کے اہل علم اور وہاں کے معزز و مفتخر حضرات بخوبی جانتے اور پہچانتے ہیں لیکن مکتوب شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا مولوی صاحب موصوف کے قلم سے نقل کیا ہوا، احقر کے پاس اس وقت موجود ہے۔ اس تحریر کا عنوان یہ ہے۔

نقل مکتوب جناب افادت آب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب مدظلہ، بقدوی خاص محمد حسن علی الہانمی ترجمہ مکتوب عزیز می۔

مولوی صاحب عالی مراتب مجمع فضائل و مناقب سلمہ اللہ تعالیٰ و افاض علیہ برکات تنواری، بعد سلام و دعا۔ واضح ہو کہ رقمہ کریمہ بہجت تہمید و حول ہوا جس سے مسرت حاصل ہو اور حضرت معلوم کر کے دلی شکر کو تسلی ملی لیکن اس فقر کی نسبت تہمت و فتن کی انتاع ہو کہ مائدین اور گیارہ و بیگانہ کی طرح

۱۔ یہ مکتوب گرامی مولانا محمد حسن علی محدث لکھنؤ کے ایک عزیز کے جواب میں ۱۳۳۲ھ میں صادر ہوا تھا۔ انھوں نے اپنے عزیز میں مخالفتیں کہتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں ان کے اشہد کا ازالہ دیکھا جاتا تھا۔ مولوی ابو حنیفہ نے اس کا نقل کیا تھا اور اس کا ترجمہ بھی کیا۔

ہوئی ہے پہلے پہل بے انتہا ملال ہوا، اسکے بعد اس بات پر نظر کر کے (صبر آگیا) کہ
نہانہ قدیم سے یہ ہوتا آیا ہے کہ نہمت ہائے باطلہ نصیب شائع گرام و ادیباء
عظام ہوتی ہیں، چنانچہ ایک عربی شاعر نے کہا ہے۔

قيل ان الله ذفعلد وان الرسول قد كھتا

مانجی الله والرسول معاً من سان الوری فلیکف انا

(ترجمہ) کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے (جیسا کہ عیسائی حضرت عیسیٰ
کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے ہیں) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا ہن ہیں (جیسا کہ کفار مکہ نے کہا)۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم معاذین و مخالفین کی زبان درازیوں سے نہ بچے تو میں کس شہاڑی ہوں۔
پس اگر یہ فقر بھی ان عظیم الشان ہستیوں کے اتباع میں اس بلا میں مبتلا
ہو جائے تو کیا تعجب ہے؟ مشکل تو یہ ہے کہ یہ حقیر آغاز و اشعار سے خطرناک
امراض میں مبتلا ہو گیا ہے۔ رات و دن میں اکثر بے حواسی و بے قراری طاری ہو جاتی
ہے، دوستوں اور محبتوں کے مکتوبات گرامی کے سننے کا بھی موقع میسر نہیں آتا،
چہ جائیکہ مفصل جوابات دیئے جائیں اور طویل سوالات کو حل کیا جائے۔

مختصر یہ ہے کہ ۱۲ گھنٹہ کی فاصلہ سے بہت تھوڑی غذا استعمال کی
جاتی ہے۔ اسکے بعد بوجھ اور جی تھلا نا بہت رہتا ہے، جبہ بھرم اخیر کی نوبت
آتی ہے تو تکلیف پہونچانے والے ریاہ اس طرح اٹھتے ہیں کہ انتہائی بے قراری
و بے تابلی ہو جاتی ہے اور توڑی بہت زیادہ گر جاتے ہیں، اس ضعف کے باوجود
دن رات میں دو آدمی تقریباً دو میل کشاں کشاں گھماتے ہیں، اس حالت میں
طویل خطوط کا مطالعہ کس طرح ممکن ہے؟ اور فصل جو آبا کا لکھنا تو متمنعاً ہے۔
اسی بناء پر آپ کے سابقہ مکتوب کا جواب لکھنے میں بھی تاخیر واقع ہوئی۔

میرا انتم کے مکتوب کا جواب بھی نہ دے سکا۔ ان کو بھی بعد سلام میرا یہی عذر
پہونچا دینا چاہئے، انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد مخالفین کے طعنوں کا جواب
اُس جواب کے ساتھ جسکو مولوی رشید الدین دہلوی نے تحریر کیا ہے نفل کر کے
بیجج جایا جائیگا۔ اس وقت مسلسل بارش اور معتبر قاصد کے نہ ملنے کی وجہ سے

اختیاطاً اس کا بھیجنا مناسب نہ سمجھا۔ علاوہ ازیں اس شخصیت عقیدہ (رفض) کی نسبت اس فقیر کے ساتھ کرنا جو کہ خاندان محدثین سے تعلق رکھتا ہے اور خستہ نقشبندیہ، قادریہ کے پاک درخونوں کا خوشہ چیں ہے ہرگز کسی عاقل کا کام نہیں ہو سکتا۔ ہاں ایسی بات وہ کہہ سکتا ہے کہ جسکی فرط عناد نے چشم اور گل کو نابینا کر دیا ہو اور گوش حق نیوش کو بہر کر دیا ہو فقیر کا سستی ہونا اس حد تک مشہور آفاق ہے کہ شیعہ کی اہمت مجھ فقیر پر رکھنا کھلا ہوا بطلان ہے۔

۵۔ بود گمان ترفض یا میں فقیر جہاں

کس بدیدہ عینا خود برداشت
(ترجمہ شعر) ”اس فقیر کی جانب رفض کا گمان کرنا ایسا ہے جیسا کسی بنیا کی آنکھوں میں انگلی ڈالنا“

اس وقت انہی طاقت نہیں رہی کہ مزید اٹا کر آیا جائے۔ والسلام علیکم
والی جمیع المحبتین خصوصاً سید ابو عبید اللہ محمد رفائی و سید محمد ہاشم کو سلام۔
تحریر روز جمعہ ۲۶ رذی قعدہ ۱۳۵۱ھ

(مولانا عبدالحی صاحب بڑھانوی اس مکتوب گرامی کو اپنے رسالہ میں درج کر کے
تحریر فرماتے ہیں۔)

حضرت شاہ صاحب مرحوم کے اس مکتوب ہدایت آگاہی کا اس قسم کے واقعات میں محفوظ رکھنا ارباب عقل و انصاف کے لئے بہت ہی کارآمد ہوگا۔
متمہید پر مخم :- جب موجودہ و گذشتہ اکابر کے بارے میں تہمت تراشیاں اور دروغ بافیاں میرے ذہن میں نہیں ٹھہریں تو میرے لئے کسی کی تحریر و تقریر سے بغیر تحقیق اور
کے فریقہ ہو جانا (دھوکہ میں آنا) راہ صواب سے بعید ہے خصوصاً ایسے واقعہ میں جو بالکل
قریب زمانہ میں ہوا ہے اور جو لوگ اس واقعہ سے تعلق رکھتے تھے وہ زندہ اور موجود
ہیں، ان تک جانے میں کوئی روک ٹوک بھی نہیں ہے کہ کوئی ان تک نہ پہنچ سکے۔ اور
اگر بالفرض و التقدير اسکے بعد اہل واقعہ و اہل معاملہ کی طرف سے خلاف بیانی ظاہر
ہو تو مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے اس عطیہ کبریٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے قرآن مجید
کو نازل فرما دیا جو ان کے دین کا ملا ہے اور کسی انسان کا کلام اس سے مشابہ نہیں ہے

اسکے بعد حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات میں جو اہل علم کو تفصیلاً اور غیر اہل علم کو اجمالاً معلوم ہیں، حفاظ، کاتبین، قرآن مجید، محدثین، محققین، دین اور فقہاء و ائین کے حق میں ہیں دل و جان سے دعا ہے کہ فرادوں کو اپنی جائزیتیں۔

تمہید ششم :- یہ بندہ ضعیف مسلمانوں کو اپنی تقلید و اتباع کی ہرگز دعوت نہیں دیتا ہے کہ میرے کہنے کو تولد بخواتم قول ہی کر لیں۔ بلکہ فہم حق کے بارے میں میری غرض اس مقام میں دو طریقہ پر ہے اور اس بات کو ایک نمونہ سے بیان کرتا ہوں۔

۱۔ ایک شخص نے ۲۹ شعبان کو ہلال رمضان دیکھا اور وہ لوگوں کو روزہ کا حکم کرے۔

۲۔ دوسرا وہ شخص ہے کہ جس وقت چاند دیکھا جاتا ہے اولاً اس کی نگاہ چاند پر پہنچ گئی۔ وہ دوسروں کو چاند دکھائے۔ اسکے بعد لوگ اس پہلے شخص کے دیکھے ہوئے کو اپنے دیکھے ہوئے کے مطابق پاکر عمل میں لائیں۔ میرا ہر وہ بیان مجدد و سب سے طریقہ پر ہو۔ (اس کے سلسلہ میں) کمال ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ اسکے مطابق عمل کیا جائے اس لئے کہ انھوں نے سمجھ لیا کہ یہی حق ہے، اگرچہ کسی کی نشاندہی کرنا ان کے فہم کا سبب ہوا ہو، بطریق اول کسی کو ہم جنسوں کی طرف سے تکلیف نہیں دی جاسکتی اور یہ بندہ ضعیف بھی مومنین طالبین حق کے انشاء جنس میں سے ہے۔

تمہید ششم :- واقعہ مذکورہ میں مجمع اس قدر تھا کہ ہزاروں سے تعبیر کیا جاسکتا ہے میں نے خود (اکمل سے) اس کا شمار نہیں کیا اور نہ اپنے اندازے پر اعتماد رکھتا ہوں لیکن یہ واقعہ میرے اور خانصاحب (مولانا رشید الدین) کے درمیان پیش آیا، مولانا موصوف جو کہ اہل علم و دانش ہیں، سامنے آئے اور صاحبزادگان گرامی قدس حضرت مولوی مخصوص اللہ صاحب و مولوی محمد موسیٰ صاحب (نیز مولوی رحمت اللہ خانصاحب و مولوی محمد شریف صاحب وغیرہ حضرات بھی تھے، میرے گمان میں اس وقت کے آپس کے کلام کو اس مجمع کثیر میں سے اکثر لوگوں نے نہیں سنا ہے۔ اور بظاہر ہر شخص کی آواز اس جم غفیر میں نہیں پہنچتی تھی۔ (وجہ یہ ہے کہ) لوگ دوسری باتوں میں مشغول تھے (ہر شخص

لے خانقاہ قلندریہ لاہر پور کی مناظرہ جامع مسجد دہلی کی تیسری روئیداد میں سب سے آخر میں یہ ہے کہ اس مناظرہ میں اکابر علماء اور طلباء کا پانچ ہزار کا مجمع تھا۔ اور پانچ ہزار کے مجمع میں دستخط صرف مولانا عبدالحی نے کئے۔

اپنی اپنی باتیں کر رہا تھا۔ کوئی نظم نہیں تھا) گرد بڑکی وجہ سے جب منہ ہی میں اختتام واقع ہو جائے تو سمجھنا اور حقیقت تک پہنچنا کہاں میسر آ سکتا ہے۔

تمہید درہم: بے تصنع و تکلف اس بات کا اظہار کیا جاتا ہے کہ مولانا رشید الدین خان صاحب مدوح میری دانست میں فنون فصیلت و دانشمندی اور تبحر علمی میں اس بندہ سے بدرجہا افضل و اعلیٰ ہیں، میں فنون مذکورہ تحصیل کتب تحریر و مطالعہ مناظرہ اور تصنیف کتب میں خان صاحب موصوف کے درجہ کو نہیں پہنچتا۔ بلکہ جب میں اپنے حال پر غور کرتا ہوں اور راہ انصاف پر چلتا ہوں تو اپنے دل میں کہتا ہوں کہ میں ان دلچالیوں تک پہنچنے سے جو خان صاحب مدوح کو اس وقت حاصل ہیں، قاصر و بالوس ہوں۔ لیکن (بفضل بید اللہ تعالیٰ) (فضل و کمال اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے) اور انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون (اللہ تعالیٰ شانہ) کا معاملہ یہ ہے کہ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے وہ اسے صریح حکم سے وجود میں آجاتی ہے) پر تمام مسلمانوں کا ایمان ہے۔

تمہید درہم: ہم کو اپنے دین کی فکر کرنی چاہئے نہ کہ خود اپنی فکر، لہذا یہ بات کہ میں فلاں مجمع میں گفتگو میں عاجز و لا جواب ہو گیا گو فرضی اور غیر واقعی طور پر ہی کہا جا رہا ہو میرے لئے ہرگز باعث گرائی نہیں ہے۔ اور نہ مومنین طالبین حق کو اس کے پیچھے پڑنا چاہئے۔ لیکن کرنے اور نہ کرنے والے کا خود پیش ہیں انکی تحقیق ضروری ہے اور تحریر میں اپنے حافظہ کی بنیاد پر بیان واقعی مطلوب ہے۔ اولیں۔ پس جس وقت میں نے اس رسالہ کو حافظ غلام مصطفیٰ (منظر نگری) سے منسلک ہے، اگر اسکو کوئی شخص تقریباً گھر سے ہوئے افسانوں کی طرح سننے جو بیکاروں کی عادت ہے تو اسکو کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن اگر کسی صحیح مقصد سے دریافت واقعہ منظور ہو تو ان حضرات سے جو اس واقعہ میں مکمل یا محض کی حیثیت سے موجود تھے، استفسار کئے بغیر رسالہ کے مضمون کو پایہ اعتبار سے گرہ لیا جانے۔

تمہید درہم:۔ اس واقعہ کے پیش آنے سے پہلے مجھے بالکل کوئی خبر نہیں تھی۔ اکثر ایک پاس دو گھڑی، دوپہر میں تقریباً چار پارچہ گھڑی باقی رہنے تک (جامع مسجد کے اندر) میری مجلس درس دو غلط چلتی تھی۔ اس روز جبکہ درس سے فراغت ہو گئی ایک شخص نے ایک کاغذ پیش کیا کہ آپ کی اور مولوی محمد اسماعیل کی مہر اس کاغذ پر مطلوب ہے۔ اس کاغذ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ چند سوالات مع جوابات چند مہروں سے موشی ہیں میں نے مہروں

کنا نہیں اور نہ میں نے کسی کو پڑھا، تقریباً وہ مہرے پندرہ ہوں گی۔ ان سوالات و جوابات کا میں نے یکسوئی کے ساتھ مطالعہ کر کے کہا۔ ”میں بعض امور مرقومہ کی تحقیق و تفصیل کے بغیر ہر نہیں لگا سکتا۔ رہے مولوی محمد اسماعیل صاحب وہ خود مختار ہیں۔ پھر میں نے کہا کہ اس شہر سے میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں اور اتنی فرصت بھی نہیں ہے کہ آپ حضرات سے اس حال میں طینان سے گفتگو کی جائے۔ ایک شخص نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ کاغذ سفر میں آپ کے ساتھ رہے جب بھی فرصت حاصل ہو تو اس تفصیل کے بعد جو منظور ہے مہر لگا دی جائے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس وقت اس کاغذ کو اپنے مکان پر لے جائیے اور (سفر سے پہلے پہلے) جب بھی فرصت ملے اس کا کام انجام دے دیں۔ اس بات حیت میں تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا ہوگا۔ لوگوں کی نرم و گرم گفتگو کانوں میں آنے لگی اور طاقت کے بقدر مناسب جواب دیا جانا رہا۔ آخر کار میں لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے وہاں سے اٹھ کر آہستہ آہستہ مسجد کے صحن میں پہنچ گیا، مولوی کرم الشرح صاحب محدث دہلوی کو میں نے دیکھا کہ ان کے چہرہ پر اضطراب کے آثار نمایاں ہیں۔ میں نے کہا ”کیا بات ہے کہ آپ مضطرب نظر آتے ہیں؟“ اور مجھے اندیشہ ہوا کہ ان کا اضطراب خوف تکلیف دہ ہو جائے۔

انھوں نے جواب دیا۔ ”کہ ہجوم و ازدحام کی وجہ سے اضطراب ہے۔“
لوگوں کو سمجھا بچھا کر ایک طرف کر دیا گیا اور ان کو میں نے اپنے قریب کر لیا اور کہا۔ ”کہ میں تو یہاں بیٹھا ہوں اور آپ طینان سے اپنے گھر جائیں۔“ انھوں نے اس بات کو قبول نہیں کیا۔ مولانا کرم الشرح صاحب کی فرمائش پر میں مسجد کے حوض اور جنوبی دروازہ کے درمیان بیٹھ گیا تاکہ انھیں سکین ہو جائے۔ وہیں مشائخ الہم اشخاص یعنی خائفانہ ممدوح اور صاحبزادگان وغیرہ سے ملاقات ہوئی۔ غالباً ۳-۴ گھڑی اس نشست میں گزری۔ جو کچھ بھی اس نشست میں مذکور ہوا۔ اس تحریر کا مقصود وہی ہے چنانچہ میں اپنے مقصد پر آتا ہوں (آدم برسر مطلب)۔

مقصود :- جو چھ مضامین پر مشتمل ہے۔

۱۔ اس مجلس مذاکرہ میں جہاں ہم بیٹھے ہوئے تھے اولاً گفتگو اس بارے میں ہوئی کہ مطلوب مرقومہ (سوالات کے جوابات کو) دوسرے وقت کے لئے چھوڑا جائے یا فی الفور جوابات دیئے جائیں۔ اسی اثنا میں مولوی کرم الشرح صاحب موصوف نے کاغذ مذکور

میرے ہاتھ سے لے لیا اور انھوں نے وقت فرصت تاخیر کے ساتھ جوابات لکھنے پر انتہائی اصرار کیا۔ چند اور آدمی بھی اس مضمون کو اپنی زبان پر لائے۔ میں نے کہا کہ مجھے فی الحال جوابات دینے میں بھی انشاء اللہ توفیق کوئی دقت و تکلیف نہیں ہوگی۔ یہ بات بھی گفتگو میں آئی کہ جوابات بھی میں کہوں وہ لکھی جائے یا فقط زبانی گفتگو برسی اکتفاء کیا جائے۔ مولانا رشید الدین خان صاحب ہلوی مدوح نے فرمایا کہ جتنے مسائل مرقوم ہیں، وہ ایسے ہیں کہ ان کا ذکر برابر ہوتا رہتا ہے لہذا تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔

میں نے مولوی کریم اللہ صاحب اصرار کے ساتھ وہ کاغذ لے لیا (جس پر مسائل جواب طلب مرقوم تھے) جب میں نے اس کاغذ کو پڑھنا چاہا تو خان صاحب مدوح نے اسکو اپنے ہاتھ میں نیکر فرمایا کہ آسان طریقہ یہ ہے کہ اس کاغذ سے ایک ایک سوال کو میں پیش کروں اور ہر ایک کا جواب بھی سنتا جاؤں اور گفتگو تحریری و تقریری دونوں طرح سے ہو اس کے بعد وہ تحریر اسی (موثق) کاغذ پر ہو جائے یا کسی دوسرے کاغذ پر۔ آخر کار چند جوابات دوسرے کاغذ پر میں نے لکھے اور باقی جوابات کا زبانی بیان پر اکتفا ہوا۔

۳۔ میں نے دستوں شکایت کی کہ اس طرح کے سوال و جواب جو اس وقت کے جالے ہیں کیا نفع ہے؟ مناسب یہ تھا کہ جس وقت مہر کنندگان جمع ہوئے تھے اسی وقت ہم کو بھی بلایا جاتا۔ میں نے اول صاحبزادگان مولانا مخصوص اللہ وغیرہ سے کہا۔ آپ لوگ میرے صاحبزادے ہیں ادیں آپسے برادری اور رشتہ داری کی نسبت بھی رکھتا ہوں جس وقت بھی آپ یاد فرمائیے تو آپ کو اختیار تھا۔ (میں حاضر ہو جاتا) اور اگر خود آپ غریب خانہ پر ادھی رات کو بھی تشریف لاتے تب بھی ٹھیک تھا۔ آپ سے یگانگت کی وجہ سے یہ شکایت کر رہا ہوں؟

(یہ کہہ کر) میں نے پھر خان صاحب (مولانا رشید الدین خان صاحب) سے اسی بات کی شکایت کی اور عرض کیا کہ میں جہاں دوستی، اخلاص اور شناسائی کا تعلق رکھتا ہوں آپ مہر کنندگان کے اجتماع کے وقت مجھے بھی طلب فرمائیے۔ خان صاحب نے فرمایا اس موجودہ اجتماع سے غرض یہ ہے کہ عوام و خواص آپ کا کلام سن سکیں۔

میں نے کہا کہ یہی بہتر تھا کہ میں خود اس وقت (اس سے پہلے کسی وقت) حاضر ہو جاتا

اور میرے ہر زدہ نوشتہ کو اس وقت اس مجمع میں پیش کر دیا جاتا اور یہ کہا جاتا کہ جس کسی کو اس ہر زدہ نوشتہ میں شک و شبہ ہو، یہ بعد اکی صاحب نے اس سے تحقیق کر لی جاوے خانصاحب مولانا رشید الدین صاحب نے فرمایا۔

”یہ بات منظور و مطلوب ہے کہ عمومی طور سے سب لوگ نہیں“

جب اس سلسلہ میں بحث و تکرار بڑھی تو بعض اکابر و معززین شہر نے فرمایا کہ مولوی صاحب یعنی اس بندہ ضعیف کا خانصاحب کے شکایت کرنا درست نہیں ہے اور عذر بھی معقول نہیں ہے۔ بات بڑھانے سے کیا فائدہ ہے؟

۳۔ اس تیسرے مضمون کی ترتیب یاد نہیں رہی کہ کس وقت مذکور ہوا البتہ اتنی بات یاد ہے کہ اس دوسرے مضمون کے بعد ہوا سوالات کے جوابات کے درمیان میں یا اس سے پہلے ہوا، یہ بھی یاد نہیں (تیسرا مضمون) یہ ہے کہ خانصاحب نے آواز بلند فرمایا کہ لوگ تمھاری طرف بہت سی غلط باتوں کی نسبت کرتے ہیں اور میں ان لوگوں کی باتیں ناگوار کرتا ہوں۔ لوگ آپ کا مقولہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز کی راہ (نعوذ باللہ) جہنم کی راہ تھی۔

میں نے کہا کہ میں نے یہ بات ہرگز نہیں کہی (اور اگر کہی ہو) تو اس بات پر ایک گواہ ہونا چاہئے جس کسی نے یہ بات کہی ہو وہی اس کا مواخذہ دار ہوگا۔

خانصاحب نے فرمایا۔ وہی لوگ کہتے ہیں جو آپ کے فدائی اور مخلص بنے رہتے ہیں۔ خانصاحب کا لفظ ”فدائی“ فرمانا مجھے خوب یاد ہے۔

میں نے کہا کہ تعجب ہے کہ جو لوگ سال ہا سال سے میرے ہم قوم، ہم وطن، ہم مسکن ہیں اور نزدیک سفر و حضر رہتے ہیں وہ تو میرے فدائی اور مخلص نہیں ہیں اور بعض اشخاص جو چند دن سے جامع مسجد دہلی کی میری مجلس درس میں منجملہ اور شرکاء کے شریک ہو جاتے ہیں وہ میرے فدائی اور مخلص بن جائیں۔

خانصاحب نے ایک شخص کا نام لیکر پکارا کہ وہ کہاں ہے؟ اسے لاؤ، وہی کہتا ہے، اور شاید خانصاحب نے سخت غصہ آمیز الفاظ بھی اسکے متعلق فرمائے ہیں خاموش رہا۔ اسی اثناء میں میں نے کہا کہ میں مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کو امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مثل تو نہیں سمجھتا البتہ طحاویؒ و کرمیؒ کے مثل ضرور سمجھتا ہوں۔ میری زبان

اس قول کے شاہد کا ذکر یہی رہی تھی کہ خانصاحب نے فرمایا کہ میں آپ کے کلام کو سچ سمجھتا ہوں۔
گواہ کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے بارے میں جو بات کہی تھی کہ وہ شہر
طہادی و کرخ تھے، مجھے یاد نہیں پڑتا کہ از خود کہی تھی یا خانصاحب کے (کسی سوال کے
جواب میں کہی تھی۔

۴۔ چند حاضرین کی درخواست پر علیحدہ کاغذ پر میں نے چند جوابات لکھے تھے مگر مجھے
خیر نہیں کہ اس کاغذ کو کس نے لے لیا تھا اتنا تو ضرور یاد ہے کہ خانصاحب جس جگہ بیٹھے ہوئے
تھے اُسی جانب وہ کاغذ گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خانصاحب بلند آواز سے سوال کرتے تھے میں جواب لکھ کر دیتا تھا اس جواب کو
بھی خانصاحب بلند آواز سے پڑھ کر سناتے تھے۔

ایک سوال و جواب میں اسی طرح عمل ہوا۔ پھر میں اپنے لکھے ہوئے جواب کو خود ہی بلند
آواز سے پڑھتا تھا۔ خانصاحب پھر اسی جواب کو دوبارہ با آواز بلند پڑھتے تھے، یہ عمل بھی
ایک دو جواب میں ہوا ہوگا۔ پھر مجھے یاد پڑتا ہے کہ میرے بلند آواز سے پڑھنے پر ہی اکتفا کیا گیا۔
سوال :- قبر کو بوسہ دینے والا مشرک ہے یا نہیں؟

جواب :- اس اشراک کا مشرک نہیں ہے جس سے ضبط عمل لازم آتا ہے۔

سوال :- قبر کو بوسہ دینا مکروہ ہے یا نہیں؟

جواب :- مکروہ ہے جیسا کہ کتاب عین العلم میں لکھا ہوا ہے۔ اور صاحب
عین العلم کا اتباع اس باب (بوسہ قبر کے سلسلہ) میں کرنا چاہیئے۔

سوال اول کے جواب کے الفاظ تو مجھے خوب یاد ہیں اور باقی جوابات کے الفاظ مجھے
پوری طرح یاد نہیں لیکن مضمون جواب میں کوئی شبہ نہیں، وہی مضمون جو میں نے پہلے لکھا ہے۔
سوال :- ترجمہ الفاظ قرآن و حدیث کے علاوہ قرآن و حدیث میں عقل کا دخل ہے

یا نہیں؟

جواب :- فلسفیات کے مطالعہ سے جو فہم انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے اسکا دخل
قرآن و حدیث میں ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے علاوہ عقل کے دخل کی بہت سی صورتیں ہیں۔
پہلی صورت یہ کہ عرب کے محاورہ کو پہچاننا چاہیئے اور اس محاورہ کے مطابق قرآن و
حدیث کو سمجھنا چاہیئے عقل کا یہ دخل تو ہونا ہی چاہیئے مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ولخصن

جناح ۱۰ (ترجمہ آیت۔ وہ جو میں جنہوں نے آپ کا ابتداء کیا ہے انکے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آئے) محاورہ عرب کے خیال نہ رکھ کر اگر اس آیت کو یہ کے لفظی ترجمہ پر اکتفا کیا جائے تو اس کے اس حکم کی بجا آوری حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ و آلہ و صحابہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اور اگر محاورہ عرب کو دخل دیں کہ اس سے مراد تواضع ہے تو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکی بجا آوری اس طرح ہوتی ہے کہ کسی سے ممکن نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آیات تشابہات اور صفات میں عقل کو دخل دیں (یہ صحیح نہیں ہے) جیسے آیت ”الرحمن علی العرش استوی“ کے مفہوم میں۔

میرا عقیدہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں عقل کو دخل نہیں دینا چاہیئے۔ اور یہ بات معلوم و مسلم ہے کہ ائمہ و سلف کا بھی یہی اعتقاد تھا ”الاستواء معلوم و الکلیف مجهول“ (استواء تو معلوم ہے اور اسکی کیفیت مجهول ہے) اس باب استواء میں بھی ثابت ہے۔

شرح عقائد لفظی میں مجھے یاد پڑتا ہے کہ متاخرین نے آیات تشابہات کی تاویل جاہلین اور فرق ضالہ باطلہ کے مطاعن کو رد کرنے کے لئے کی ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ احکام فقہیہ توفیقیہ مثلاً عدد رکعات نماز اور وضو میں عقل کو دخل دیں، اور جب تک اپنی عقل سے معلوم نہ کریں قبول نہ کریں۔ یہ عقل کا دخل نہایت قبیح اور کفر تک پہنچانے والا ہے۔

اس کے بعد قیاس کے بارے میں (چوتھا) سوال ہوا۔
میں جواب دیا کہ میں قیاس کو مانتا ہوں اور قیاس میں مسلک حنفی کا مقلد ہوں۔ یہ چار جواب میں نے لکھے ہیں جو کوئی ان میں کی مبینی، تبدیلی اور فرق کرے تو وہ میرے اسی کاغذ کو سامنے لائے۔

بعد ازاں جلدی کی وجہ سے لکھنے کا سلسلہ موقوف ہو گیا اور صرف زبانی بات چیت پر اکتفا ہوا۔ اور چونکہ لکھے ہوئے جوابات محفوظ ہوتے ہیں لہذا انھیں بعد کو علی و لکھا گیا۔
۵۔ ایک سوال یہ ہوا کہ کلید عیۃ ضلالۃ (ہر بدعت مگر ایسی ہے) عام ہے یا خاص؟
جواب دیا گیا کہ خاص ہے۔

پھر سوال ہوا کہ اس کا تخصیص (تخصیص کنندہ) کیا چیز ہے؟
جواب دیا گیا۔ اس کا تخصیص حضرت عمرؓ کا تراویح کے مسئلہ میں یہ قول گرامی ہے۔

خانصاحب نے فرمایا کہ اس کا مخصوص یہ حدیث بھی ہوگی ”من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها“ (جس شخص نے اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اسکو اس اچھے طریقے کی ایجاد کا اجر اور اس پر عمل کرنے والے اشخاص کا اجر ملے گا۔) میں نے کہا یہ حدیث بھی مخصوص ہو سکتی ہے۔

پھر خانصاحب نے کہا کہ ایک حدیث ان الفاظ میں ہے ”من ابتدع بدعة ضلالة“ (باضافت بدعتہ لبوءے ضلالت) (ترجمہ: جس نے بدعت ضلالت کی ایجاد کی ہو) خانصاحب نے یہ بھی فرمایا کہ بدعت فرض واجب اور مستحب بھی ہوتی ہے۔

میں نے کہا۔ ٹھیک ہے لیکن بدعت کی اصل بُری ہے۔ میں اصل بدعت کو سنیہ کہتا ہوں تاکہ کل بدعة ضلالة کا کلیہ باقی رہے۔ اس معنی کو حضرت امام نوویؒ نے بیان فرمایا ہے۔ اور بدعت سنیہ کی اصل یہ ہے کہ اس میں کوئی حسن اور کوئی قبح ظاہر نہ ہو۔ خانصاحب نے فرمایا۔ بدعت مباحہ اور بدعت سیئہ میں کیا فرق ہے؟ یہی سوال

حضرت مولوی مخصوص الشرح صاحب نے بھی کیا۔ میں نے کہا بدعت مباحہ کو میں نہیں جانتا ہوں۔ خانصاحب نے ایک شخص کے ہاتھ سے ایک کتاب لی، اس کتاب کا نام بھی صحیح یاد نہیں، خانصاحب مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ یہ حضرت امام نوویؒ کے استاد محترم کا قول ہے اور امام نوویؒ وہ ہیں کہ جبکہ قول سے مولوی صاحب (عبدالحی بدھانوی) نے بدعت کے معنی بیان کئے ہیں امام نوویؒ کے استاد محترم کے حوالہ سے جو بات پیش کی گئی تھی اس میں سے مجھے اتنا یاد ہے کہ من البدع المباحة (بدعت کی ایک قسم بدعت مباحہ بھی ہے)

بدعت مباحہ کے ضمن میں مولود شریف کے اندر کھانوں کا پکانا، فقرہ اور ماکین کو کھلانا (ظہارِ شافقت کرنا اور مسلمانوں میں خوشی کا ہونا اور مولود شریف پڑھنا، ان سب باتوں کا بھی تذکرہ ہوا جس وقت خانصاحب اس عبارت کو پڑھ کرے تھے، اس وقت مولوی مخصوص الشرح صاحب آہستہ سے فرمایا کہ یہی بدعت مباحہ عربوں کی اصل ہے میں نے مولوی صاحب موصوف کی یہ بات اچھی طرح سنی اور شاید دوسروں نے بھی سنی ہو۔ اسکے بعد ان دونوں حضرات نے یہ سوال کیا کہ مولود شریف کے بارے میں آپ

کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا بلا تعین تاریخ و یوم بدعت نہیں ہے اور تعین کے ساتھ بدعت سیئہ ہے۔ اگر یہ سمجھ کر لگے پیچھے دوسرے دنوں میں ثواب یا نوبہ ہوگا ہی نہیں اور اگر ہوگا تو کم ہوگا اگرچہ ان مقررہ دنوں میں کھاؤں کی زیبائی کی وجہ سے مساکین طعام سے مستغنی ہوتے ہیں (اور کھانے کی ضرورت و رغبت نہیں ہوتی) اور دیگر ایام میں کھانے کے محتاج رہتے ہیں یا وجوہ اس کے ان مقررہ دنوں میں ہی کھانے کا انتظام کرے، یہ بدعت سیئہ ہے۔ اور اگر نص شرعی سے کوئی بدعت مزاحم و مقابل ہو، جیسا کہ ماہ رمضان میں ثواب شریعتاً بڑھ جاتا ہے اور مولود کریم والا یہ سمجھے کہ مولود کے زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب زیادہ پہنچتا ہے اور رمضان کی خصوصیت بھی جانتا ہو تو ایسے شخص کے متعلق شاید میں نے یہ کہا کہ یہ بات باعدت خوف کفر ہے۔ اور میرا گمان غالب یہ ہے کہ اسی سوال پر روزہ کی گفتگو ہوئی اور بیان بدعت کے درمیان یہ حدیث بھی ذکر کی گئی من لحدث فی امرنا هذا ما لیس منہ فہو ذر (جو ہمارے اس دین میں ایسی باتیں پیدا کرے جو اس میں نہیں ہیں تو وہ باتیں مردود ہیں)۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدعت امور دین میں ہوا کرتی ہے غالباً یہ سوال تھی مذکور ہوا کہ حدیث ”ما رآہ المسلمون حساً فہو عند اللہ حسن“ (جس بات کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ بالائے سر کے نزدیک بھی اچھی ہے)۔ اس کا کیا جواب ہے؟ (میں نے کہا کہ) اس کا اچھا جواب یہ ہے کہ جو عادات مسلمان کے اور اہل کے ساتھ متعلق ہے۔ اور اثناء بیان بدعت میں یہ بات بھی میں نے کہی ہے کہ حضرت مجاہدؒ کے نزدیک ”کل بدعة ضلالة“ عام ہے۔

خانصاحب نے ایک دوسرے شخص کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ حضرت مجاہدؒ بدعت حسنہ کو داخل سیئہ کرنے ہیں اور بدعت سیئہ کو بھی بدعت قرار دیتے ہیں اس لحاظ سے مآل میں کوئی فرق نہیں۔

سوال ہوا کہ مردہ کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان پڑھنا کیسا ہے؟

جواب دیا گیا کہ بدعت سیئہ ہے۔

خانصاحب نے فرمایا کہ تلقین مردہ کی طرح یہ اذان بھی جائز ہے۔

میں نے کہا حنفیہ کے نزدیک تلقین مردہ کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اگر اس کا جواز ہے

تو مسلک امام شافعی میں ہے۔

خانصاحب نے فرمایا۔ بعض کتب حنفیہ میں یقین کا جواز موجود ہے اور اذان علی قبر کو اسی پر قیاس کر لیا ہے۔

میں نے کہا وہ کتاب جس میں (حنفیہ کے نزدیک) یقین کی اجازت ہے، اسکو میں نہیں جانتا۔
خانصاحب نے فرمایا میں اس کا نام و نشان تھلاؤں گا لیکن خانصاحب نے کتاب کا نام نہیں بتایا۔

پھر سوال ہوا کہ عبادت کا ثواب مردہ کو پہنچتا ہے یا نہیں؟
میں نے جواب دیا عبادت مالیہ کے ثواب کا پہنچنا سب آئمہ کے نزدیک ثابت ہے۔
عبادت بدنیہ کا ثواب مردہ کو زندگی طرف سے امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک تو پہنچتا ہے
امام شافعی رحمہ کے نزدیک نہیں پہنچتا۔

خانصاحب نے فرمایا کہ کتاب شرح الصلوات میں سب آئمہ کا اس بارہ میں اتفاق
لکھا ہے۔ مجھے اپنا جواب دینا یاد نہیں کہ اس کا کیا جواب دیا۔

پھر سوال ہوا۔ اجماع حجت ہے یا نہیں؟

میں نے جواب دیا کہ حجت ہے۔

خانصاحب نے فرمایا کہ اگر ناقل اجماع ثقہ ہے تب اجماع حجت ہے۔
خانصاحب نے اول تو یہ بات فرمائی پھر میرے استفسار کے بعد مثال میں شیخ
جلال الدین سیوطی رحمہ صلی علیہ علماء کے نام پیش کئے، اسکے جواب میں میں نے اسکی تصدیق و
توثیق کی۔ اس سے زیادہ یاد نہیں۔

پھر سوال ہوا مردہ کو ادراک ہوتا ہے یا نہیں؟

میں نے جواب دیا۔ ہاں مردہ کو عالم (برزخ) کا ادراک خوب ہوتا ہے۔

پھر سوال ہوا کہ کیا اس دنیا کا بھی ادراک ہوتا ہے؟

میں نے جواب دیا کہ کبھی کبھی ہو جاتا ہے۔

پھر سوال ہوا کہ کیا مردہ اس شخص کے کلام کو برابر سنتا ہے جو اسکی قبر پر پہنچ کر
کچھ کہتا ہے؟ یا کبھی سنتا ہے؟ یا کبھی نہیں سنتا؟

میں نے جواب میں صرت ہاں والہ تعالیٰ اعلم کہا۔

الغرض مضمون چہارم میں جو امور مذکور ہوئے ان کی تحریر کے بعد بدعت اور اذان
علی القبر کا مسئلہ کر پیش ہوا اور باقی گفتگو جلدی کی وجہ سے مختصر ہوئی تھی۔

پھر خانصاحب نے اکیسی بات فرمائی جس سے تمام سوالات کے جوابات سے فراغت معلوم ہو گئی۔ پھر خانصاحب اور تمام حاضرین مجلس سے اٹھ گئے۔

۱۔ مجلس سے اٹھنے کے بعد ایک شخص نے تیجہ کے بابے میں سوال کیا۔ میں نے کہا مردہ و ایصال ثواب درست اور جائز ہے لیکن تیسرے روز کی قید بدعت سیئہ ہے۔ مضمون پنجم میں جو کچھ کلام مذکور ہوا اسی کے مطابق کہا گیا۔ اسکے بعد پھر اذان علی القبر کے بابے میں ایک شخص نے سوال کیا۔

میں نے کہا یہ بدعت سیئہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانہ میں نہیں تھی، اور اب تک کہ معظّمہ میں نہیں ہے اور سلسلہ عدم اذان علی القبر اس زمانہ سے لیکر اس وقت تک تو اترو تو اترتے کے ساتھ ہے۔ اور ہم اسی کو دیکھتے آئے ہیں میں اذان علی القبر کو حسن نہیں کہوں گا۔ ایک شخص کی درخواست پر اولاً تیجہ کا جواب باواز بلند پڑھا گیا اور اس سے متصل حجاز اذان علی القبر کے سوال کا جواب بحدادہ بھی زور سے پڑھا گیا۔ اور تہبیدہم میں جن اکابر مولوی مخصوص اللہ وغیرہ علماء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان کا ان جوابات کو سننا یا نہ سننا معلوم نہیں ہے۔ خاتمہ :- میں تین مضامین ہیں :-

اول یہ کہ لوگوں میں جب رنگ برنگ کے اغراض ہوں تو اسی کے مطابق مختلف باتیں اور مختلف حالات ہوتے ہیں۔ گلستانِ سعیدی پڑھنے والے کو اپنے مطلب کے مطابق مختلف حکایات و تہذیب یاد رہ جاتی ہیں کسی کو ثواب پنجم کی حکایات عشق و جوانی اور کسی کو باب ششم کی صنعت و ناتواپی کی حکایتیں یاد رہ جاتی ہیں۔ (زوجہ پرست کو یہ حکایت یاد رہتی ہے۔)

بکے پر سید زان گم کردہ فرزند

کہ لے روشن گہر پر پیر خرد مند

(زوجہ شہر) کسی نے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ اے روشن خاندان والے اور اے عقلمند بزرگ کلام

لے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا عبدالحی نے یہ روداد لکھتے وقت علامت و اشارہ کے طو پر صرف یہ ایک شعر ہی لکھنا کافی سمجھا، آگے اس سلسلہ کے یہ اشعار آئیں۔

زمعشر بوئے پیر این شیدی چو ادچاہ کنانش ندیدی (باقی اگلے صفحہ پر)

اصحاب خوارق و کرامات کے احوال سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مقبولان بارگاہ الہی ہیں وہ اپنی عاجزی اور بندگی کا اعتراف و اقرار کرتے ہیں اسی وقت تو ان مقبولان بارگاہ الہی سے الشکر شیت و قدرت کے ذریعہ ایک امر عجیب صادر ہوتا ہے اور کبھی ان کی عاجزی و لاچارگی صاف ظاہر ہو جاتی ہے۔ پس ہمیشہ توحید پرست مقبولان بارگاہ الہی کا مقصد رہتا ہے، اور کسی کو گلستان کی یہ حکایت یاد رہتی ہے۔

پیر مریم لطیف در بغداد
دختر کرا بکشف دوز دا

(ترجمہ) بغداد میں ایک خوش مزاج بوڑھے نے اپنی لڑکی ایک کفش دوز (موچی) کے نکاح میں دیدی (اس طرح کا مزاج رکھنے والا) ہمیشہ ادھام اور شہوت کے وساوس میں مبتلا رہتا تھا یہ سب اختلافات احوال کی مثالیں تھیں۔ بیاض مسجد کے واقعہ مذکورہ میں بھی یہ بات بعد نہیں کہ وہاں کی باتوں کو سننا اور یاد رکھنا اغراض و حالات کے اعتبار سے مختلف و متفاوٹ ہوا ہوگا۔ دوسرا مضمون یہ کہ تنکلم کے کلام کا لہجہ یا معین کی عقلوں کے تفاوت و فرق کی وجہ سے بدل جاتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک مفہوم ایک شخص کی عقل کے مطابق ایک بات میں پورا ہو جاتا ہے اور دوسرے شخص کی فہم کے مطابق ایک طویل کلام کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ بات سمجھ جائے۔ یہ بات بلا شک و شبہ ہے کہ روز مذکور میں ہونیوالا کلام اتنا مختصر تھا کہ ہر شخص

کا بیکہ گفت احوال با برق چہاں است
دے پیدا و دیگر دم نہاں است
گہ بر طارم اعلیٰ نشینم
گہ بر پشت پاٹے خود نہ بینم
مطلب یہ ہے کہ کسی نے یعقوب علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا اجر ہے کہ دور دراز کے ملک مصر سے آپ کے فرزند یوسف علیہ السلام کا کوڑے کر جوقاقلہ روانہ ہوا تو آپ نے اسکی خوشبو یہاں محسوس کر لی لیکن جب وہی یوسف آپ کی بستی کھان کے قریب ایک نوٹس میں ڈال دیئے گئے تو آپ ان کو نہ دیکھ سکے۔ تو انھوں نے جواب دیا ہائے حالات بکلی کی طرح ہیں کہ بکلی رشتہ ہوتی ہے۔ تو سب کچھ دیکھ لیا جاتا ہے اور جب بکلی غائب ہو جاتی ہے تو کچھ نظر نہیں آتا۔ کبھی ہم بلند ترین عمارت کے اوپر ہوتے ہیں اور بہت نیچے تک دیکھ لیتے ہیں اور کبھی ہمارا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنے پاؤں کی پشت بھی نہیں دیکھ پاتے۔ حاصل یہ ہے کہ ہائے اپنے احتیاطیں کچھ نہیں (الشراکے) حاج چاہئے ہزاروں میل وعد کی چیز معلوم انھوں نے کہ دیتا ہے جس میں چاہتا تو میں قریب ترین چیز کا بھی علم نہیں ہوتا اور نظر نہیں آتی۔

کی سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا، مگر چند امور ظاہرہ ایسے تھے جو سمجھ میں آ سکتے تھے چنانچہ چار جہاں
جو تخریب کئے گئے ہیں، امور ظاہرہ میں سے تھے۔ اور ان مضمونوں میں مقصد بالکل ظاہر ہے۔
کلام کے کچھ حصہ کا سمجھنا اور کچھ کا نہ سمجھنا ایسی بلائے عظیم ہے کہ کلام کرنے والے عالم کے
حال کو بدل دیتی ہے۔

تیسرا مضمون یہ ہے کہ اس طرح کے واقعات پیش آنے کے وقت ایسا حال رونما ہونا
ہے کہ جس کسی کو فکر آخرت ہوتی ہے تو وہ اہم مقصود کو غیش نظر رکھتا ہے اور اس مقصود سے
ہرگز غافل نہیں ہوتا ہے اور اپنے عقیدہ و عمل کو شرع شریف کے مطابق صحیح و درست
رکھتا ہے۔ مناظرہ میں غالب و مغلوب کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔

اور اگر کوئی شخص یہ جانے کہ عقیدہ و عمل غالب و مغلوب کی دانست پر موقوف ہے
تاکہ غالب کا اتباع کیا جائے اور مغلوب کا اتباع نہ کیا جائے تو ایسے شخص کو یہ جان لینا
چاہئے کہ دین مبین کے ارکان مناظروں پر موقوف نہیں رہتے۔ یہ بحث کہ تیریا یا چالیسواں
اور اس طرح کی دوسری رسمیں کرنی چاہئیں یا نہیں کرنی چاہئیں اور قبر کو پختہ بنانا جائز
ہے یا نہیں۔ ہرگز ہرگز یہ باتیں ارکان دین میں داخل نہیں ہیں۔

اگر سیکڑوں عاقل و بالغ مسلمان مردہ کو دفن کر کے اپنے اپنے گھر واپس آ جائیں اور
پھر اس مردہ کا کوئی ذکر نہ کریں تو ہرگز ہرگز ارکان دین میں سے کوئی رکن متروک نہیں ہوا،
برخلاف نماز جیسے رکن کے، کی قیامت میں سب سے پہلے نماز کے بارہ میں سوال ہوگا اور نماز کو
چھوڑنے والا فرعون و ہامان کے ساتھ محشور ہونے کے قابل ہے۔

ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمان ایسے اہم ارکان اسلام چھوڑتے ہیں اور دو آدمیوں کو
بھی اس پر ایسا قلع نہیں ہوتا جیسا کہ رسوم زائد کے چھوڑنے پر ہوتا ہے (جبکہ بدعت
کے چھوڑنے پر بہت کچھ سوچ بچار کرتے ہیں یہاں الشراہ یہ تو ایک عظیم انقلاب ہے۔
واللہ غالب علیٰ امرہ ولكن اکثر الناس لا یعلمون۔

تمنت بالخیر
غلام محمد علی عفی عنہ

لے یہ صاحب حضرت مولانا جلالی کی تحریر فرمائی ہوئی روداد کے ناقل و کاتب ہیں۔

تکمّلہ

از — حضرت مولانا محمد منظر نعمانی دامت برکاتہم

مولانا نسیم احمد فریدی علیہ الرحمہ کے مضمون میں مولانا ابوالحسن زید دہلوی کی تصنیف مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان کے متعلق بیشتر ضروری باتیں آگئی ہیں جو لوگ اس موضوع سے پہلے سے کچھ واقفیت رکھتے ہیں انھیں مولانا فریدی کے اس مضمون کی خاص قدر ہوگی۔ نئی نسل کے جو لوگ مثلاً اور اسکے تفصیلی پیش نظر سے واقف نہیں ہیں انھیں اس عاجز کا مشورہ یہ ہے کہ وہ چند کتابیں پڑھیں (۱) شاہ اسماعیل شہید اور معاندین اہل بدعت کے الزامات (۲) الجنة لاهل السنة (۳) اکمل البیان فی تاریخ تقویۃ الایمان۔

جیسا کہ پیش لفظ میں عرض کیا جا چکا ہے یہ عاجز بندہ ایسے حال میں ہے کہ مختصر سا خط لکھوانا بھی طبیعت پر بہت بوجھ ڈالتا ہے لیکن کچھ دنوں جب مولانا فریدی کے اس مضمون کی بدولت اس مسئلہ پر غور و فکر کرتا رہا تو ذہن میں بہت سی اصولی باتیں آئی گئیں جو شاید اس ترتیب کے ساتھ پہلے کبھی نہیں آئی تھیں اور دل میں سخت داعیہ پیدا ہوا کہ وہ بھی الفرقان کے صفحا میں محفوظ ہو جائیں شاید اللہ کے کسی بندے کے کام آجائیں۔ پیش نظر کلمہ میں وہی باتیں عرض کی جا رہی ہیں۔

انْ اُرِيدَ الاِصْلَاحُ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي الْاِبَادَةُ۔

۱۔ اپنے مطالعہ و تجربہ کی روشنی میں میرا یہ احساس ہے کہ بعض ان لوگوں کو جنھیں کسی وجہ سے حضرت شاہ اسماعیل شہید اور ان کے ذوق و مشرب ذہنی مناسبت نہیں ہے بلکہ کچھ بُرد ہے وہ جب اپنی اس طبعی کیفیت کی علمی توجیہ کرنا چاہتے ہیں تو ان کی کتاب ”تقویۃ الایمان“ کی بعض وہ عبارتیں پیش کرتے ہیں، جہاں ان مشرکانہ رسوم و عادات کی بیخ کنی کیلئے قدیمے سخت اور عام فہم انداز اختیار کیا گیا ہے جو اس دور کے عام مسلمانوں میں بری طرح رائج تھیں۔ اور ناواقف عوام کو یہ باور کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں تو حضرت شاہ شہید سے جو بُرد اور منفردی وہ دراصل ان کے سوءادب اور بارگاہ نبوت کی تعظیم و احترام میں تقصیر

کی وجہ سے ہے۔۔۔۔۔

جہاں تک حضرت شاہ اسماعیل شہید یا ان جیسے دوسرے خادمان اسلام اور مسلمانوں سے مناسبت یا عدم مناسبت کا سوال ہے تو وہ کوئی بحث و نظر اور استدلال کا مسئلہ نہیں، اسکے مختلف اسباب ہوتے ہیں، اور یہ کوئی ضروری بھی نہیں کہ ہر ایک کو تمام اہل علم سے یکساں محبت اور قلبی لگاؤ ہو۔۔۔۔۔ البتہ جہاں تک اس عاجز نے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی شخصیت مزاج، خدمات اور خاص کر ان کی زیر بحث کتاب تقویۃ الایمان کا مطالعہ کیا ہے اسکی روشنی میں مجھے ان لوگوں کی طرف سے جنہیں ان سے مناسبت نہیں اپنی عدت مناسبت کی یہ مذکورہ بالا توجہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہی نہیں ایسی افسوسناک جہارت نظر آتی ہے جسکے لئے عذر تلاش کرنا بہت مشکل ہے۔

”تقویۃ الایمان“ میں جو صاف انداز اور صریح لب لہجہ اختیار کیا گیا ہے اسکے بارے میں رائے قائم کرنے کے لئے ایک بات تو یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو لوگ اس کے اصل مخاطب تھے، اور جس ماحول میں اور جن لوگوں کی اصلاح کیلئے یہ کتاب لکھی گئی تھی، وہ کون تھے؟ کتنی بری طرح وہ مشرکانہ جاہلیت کے زخموں میں تھے، اور ایسی شدید ضرب اور دانتگان دعوت توجید ان کو اس جاہلیت سے نکلانے کے لئے درکار تھی؟

تقویۃ الایمان میں کہیں کہیں اس کے حاس مصنف نے اپنے زمانہ کے مسلمانوں پر مشرکانہ جاہلیت کے اثرات کا ذکر کیا ہے۔ اس سے اسوقت کی صورتحال کا زیادہ صحیح اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر فصل رابع فی ذکر رد الاشرار فی العادات میں ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:-

”اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخرو زمانہ میں قدیم شرک بھی رائج ہوگا۔ مثلاً پیغمبر خدا کے فرمانے کے مطابق ہوا یعنی جیسا مسلمان لوگ اپنے نبی اور ولی کے ساتھ معاملہ شرک کا کرتے ہیں اسی طرح قدیم شرک بھی پھیل رہا ہے۔ اور کافروں کے بتوں کو بھی مانتے ہیں انکی رسموں پر چلتے ہیں، برہمن پوچھنا، شگون لینا، عسٹ ماننا، ستیلہ، مسانی پوچھنا، ہنومان، لوننا چاری، کلو ابیر کا دہائی دینی، دیوالی کا تہوار کرنا، لوند ہرجان کی خوشی کرنا، قمر و عقرب تحت الشمارع کا اعتبار کرنا کہ یہ سب رسمیں ہندو و مجوسی کی ہیں مسلمانوں میں رائج پاگئی ہیں“ ۱/۵۰۵

آگے فصل خامس میں سورہ اعراف کی ایک آیت کا ترجمہ کرنے کے بعد فائدہ "میں لکھتے ہیں

"اور جب اولاد کی امید ہوتی ہے تو اسی کو (یعنی اللہ ہی کو) پکارتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ اولاد اچھی بچھی ہوئے تو اللہ کا بہت حق مانیں پھر جب وہ اولاد بخشا ہے تو اوروں کو ماننے لگتے ہیں اور ان کی نذر و نیازیں کرتے ہیں۔ کوئی کسی کی قبر پر لے جاتا ہے کوئی کسی کے تھان پر کوئی کسی کی چوٹی رکھتا ہے۔ کوئی کسی کی بدھی پہنا رہا ہے، کوئی کسی کی بیڑی ڈالتا ہے کوئی کسی کا فیقر بناتا ہے۔" ص ۶۷

اسی فصل میں سورہ نحل کی ایک آیت کا ترجمہ کرنے کے بعد فائدہ "میں لکھا ہے :-

"اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ محرم کے مہینے میں پان نہ کھانا چاہئے لال کپڑا نہ پہنیں حضرت بی بی کی صحتک مرد نہ کھائیں اور جب ان کی نیاز کیجئے تو اس میں بالضرور فلانی فلانی ترکاریاں ہوں اور سنی سپی ہندی ہو اور اس کو لونڈے نہ کھاویں اور جس عورت کے دوسرا خاوند کیا ہو وہ بھی نہ کھاوے اور جو بیچ قوم سے ہو یا بدکار وہ بھی نہ کھاوے۔ اور شاہ عبدالغنی کا توشہ حلو اہی ہوتا ہے۔ اور اس کو اس احتیاط سے بنائے اور حقہ پیئے والے کو نہ دیجئے اور شاہ مدار کی نیاز بلیدہ ہی چڑھتا ہے۔ اور بوعلی قلندر کی سہمی اور اصحاب کہف کی گوشت روٹی اور بیاہ میں فلانی فلانی رسمن ضرور میں اور موت میں فلانی فلانی، اور موت کے بعد نہ آپ شادی کیجئے نہ شادی میں بیٹھے، نہ اچار ڈالئے اور فلانے لوگ نیا کپڑا نہ پہنیں۔ اور فلانے لال لمبہ نہ پہنیں بسوسب جھوٹے اور شرک میں گرفتار اللہ کی حکومت کی شان میں دخل کرتے ہیں اور ایک شرع اپنی جدی قائم کرتے ہیں۔" ص ۶۸

تقریباً الان کے ان اقتباسات سے نہایت واضح اور قطعی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ جن مسلمانوں کی اصلاح کے لئے وہ لکھی گئی تھی وہ کیسی کسی گمراہیوں اور گنہگاروں کے رسم و بدعات میں مبتلا تھے۔ اور توحید و سنت سے وہ کتنے دور جا پڑے تھے۔ کم سے کم اس عاجز کو تو اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ ان جہالتوں اور ان گمراہیوں کی بچ کئی کیلئے اسی لبہ ہوا اور اسی دو لوگ انداز بیان کی ضرورت تھی جسے اللہ کی

توفیق سے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے تقویۃ الایمان میں اختیار فرمایا۔ اس عاجز کے اس یقین کی وجہ یہ ہے کہ وہ جہاں پیدا ہوا اور جہاں پلا بڑھا وہاں وہ ٹھہرنا نہ رسوم تو نہیں تھیں جن کا تقویۃ الایمان کے منقولہ بالا اقتباسات میں ذکر کیا گیا ہے۔ البتہ قریبی اور تعزیر پرستی جیسے شرکانہ اعمال میں وہاں کے مسلمان کہلانے والے لوگوں کی اکثریت بری طرح مبتلا تھی۔ ضلع مراد آباد کے مشہور قصبہ سنبل کے جس محلہ میں ہمارا خاندان بسا ہوا تھا اس میں سو فیصد سی آبادی تھی۔ ایک گھرانہ بھی شیعوں کا نہیں تھا لیکن تعزیر داری کا جو حال وہاں تھا، شاید ہی وہ کسی شیعہ آبادی میں ہو۔ میسوں گھروں میں تعزیر رکھے جاتے، ان پر نذریں اور چڑھاوے چڑھتے، امام حسین سے حاجتیں اور مرادیں مانگی جاتی اور یہ نذریں اور چڑھاوے چڑھانے والے لوگ ہی سیدھا سادہ یقین رکھتے تھے کہ امام حسین انکی مرادیں پوری کر دیں گے۔ بچوں کو لے کر امیر پر امام حسین کا فقیر بنایا جاتا تھا کہ امام حسین ان کی زندگی کے ضامن ہونگے۔ قبروں پر بھی خوب چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے۔ ہمارے محلہ ہی میں ایک ونچی سی قبر تھی جس کو داد الہی بخش کی قبر کہا جاتا تھا اس پر خاص طور سے جموں کے دن مرادیں اور حاجتیں مانگتے والے طرح طرح کے چڑھاوے چڑھاتے ان میں زیادہ تر ٹھانڈا ہوتی یا شکرانے کے طباق۔ ایک مجاور تھا۔ بیٹھے رہتے تھے انکے ساتھ ایک بوڑھی خیر کل طوائف بھی رہتی تھی۔ دونوں کے پاس اپنے اپنے برتن ہوتے۔ چڑھاوے میں ایک حصہ مجاور تھا کا ہوتا تھا اور ایک اس طوائف کا۔ اور ایک حصہ ان بچوں کو تقسیم کیا جاتا جو اسی مقصد سے وہاں جمع ہو جاتے تھے۔ ہر چڑھاوے کیلئے وہ طوائف ناچتی تھی، شاید اس لئے کہ داد الہی بخش کے راضی کرنے کیلئے چڑھاوے کے علاوہ طوائف کے دلچ کی بھی ضرورت تھی۔ سنبل ہی کے ایک اور محلہ میں شاہ مدار کے نام سے ایک اور ونچی سی قبر تھی۔ اس پر کسی خاص تاریخ کو میلہ لگتا تھا۔ وہاں آنے والے حاجتی زیادہ تر دیہات سے آتے تھے جن کے جسم پر کوئی سلا ہو اکیڑا نہیں ہوتا تھا، احرام کی طرح ایک چادر بطور تہ بندہ پہنتے ہوتے تھے اور ایک چادر اوپر کے جسم پر پڑی ہوتی، یہ حاجتی اپنے ساتھ شاہ مدار کی قربانی کے لئے مرغایا کر بھی اپنے ساتھ لاتے اور وہیں ان کی قربانی کرتے اور پھر وہ

لے یہ اس علاقہ کا ایک خاص تھہ ہوا کرتا تھا جس میں چادرلوں کے اوپر شکر کی ایک تہہ ہوتی اور اسکے اوپر گھی کی ایک تہہ ہوتی۔

لوگ شاہ مدار سے اپنی مرادیں مانگتے۔ یہ میلہ میں نے خود بچپن میں کم از کم ایک دو دفعہ ضرور دیکھا تھا۔

اس عاجز نے اپنے وطن اور اپنے محلہ میں قبر پرستی اور تعزیر پرستی کا یہ حال دراصل یہ عرض کرنے کیلئے بیان کیا ہے کہ میری طرح جن لوگوں نے ایسے حالات دیکھے ہیں انھیں شرک کی سچ کئی اودھوت تو حیدر میں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے مخصوص اور دو لوگ انداز بیان میں کوئی بات قابل اعتراض نہیں معلوم ہوگی۔ البتہ جن خوش نصیبوں نے ایسے خالوادوں میں پرورش پائی جہاں یہ صورت حال نہیں تھی (اور میرا اندازہ ہے کہ ہمارے محترم مولانا ابوالحسن زید پلوکا مجددی کا خالوادہ ان میں سرفہرست ہوگا اس لئے کہ وہ مجددی اصلاحات و تعلیمات کا وارث گھرانہ تھا) انھیں اگر حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے انداز بیان میں ضرورت کے حدود سے تجاوز نظر آئے تو یہ بات بہت زیادہ باعث تعجب اور محل شکایت نہیں ہونی چاہئے۔ ہاں ان حضرات کو یہ احتیاط ضرور ملحوظ رکھنی چاہئے کہ یہ کتاب ہندوستان کے چند ایسے مخصوص خاندانوں کیلئے نہیں بلکہ اس ملک میں بسنے والے ان عام مسلمانوں کیلئے لکھی گئی تھی جو گنگے کے شرک و خرافات کے دلدل میں دھنسے ہوئے تھے۔

۲۔ نقویۃ الایمان کے مسئلہ پر غور کرتے وقت اکیلاصولی حقیقت یہ بھی پیش نظر رہنی چاہئے (جو قرآن مجید، اسوۂ نبوی اور صحابہ کرامؓ کے طرز عمل سے معلوم ہوتی ہے) کہ جب کسی ایسے گروہ کی اصلاح مقصود ہو جو کسی نبی یا ولی کے بارے میں ایسے غلو میں مبتلا ہو جس میں شرک کا شائبہ بھی ہو تو حکمت اصلاح کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس شخصیت کی بندگی اور بیچارگی کے پہلو کو پہنچانے کی پوری صراحت اور صفائی کے ساتھ بیان کیا جائے۔ سوۂ مائتہ آیت ۷۱ میں اُن عیسائیوں کے مشرکانہ غلو کی اصلاح کیلئے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدائی کے عرش پر بٹھائے ہوئے تھے فرمایا گیا ہے۔

”لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ بْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُنْزِلَ إِلَيْكَ الْمَسِيحَ بْنَ مَرْيَمَ
وَأُمَّةً وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا“

مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ قطعی کافر ہو گئے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح بن مریم ہی خدا ہیں یا اسے بغیر آپ ان سے کہہ دیجئے، تبارک و تعالیٰ اگر خدا مسیح بن مریم، ان کی ماں اور

دنیا کے سامنے انسانوں کو ہلاک اور فنا کر دینے کا ارادہ کرے تو کس کے اختیار میں ہے کہ انکو بچا سکے؟
 ————— یاد رہے کہ یہ وہی مسیح بن مریم ہیں جن کو قرآن مجید ہی میں بعض دوسرے مقامات پر کلمۃ اللہ و رُوحُ مِنْہُ اور ”وَجَعَلْنَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ“
 فرمایا گیا ہے اور انکی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے ”إِنَّا اللَّهُ اصْطَفَاكِ
 وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ“ — لیکن سورہ مائدہ کی اس آیت میں
 جس میں عیسائیوں کے غلو کی اصلاح مقصود ہے ایک بھی لفظ ایسا نہیں فرمایا جس سے ان کی
 عظمت اور علو شان ظاہر ہو، بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ تبارک و تعالیٰ اگر اللہ ان کو ہلاک اور فنا
 کر دینے کا ارادہ فرمائے تو ہے کوئی جو انہیں بچا سکے..... ۹۹

اسی طرح سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ مکہ کے مشرکوں نے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا — ”لَنْ نُوْمِنَ بِكَ حَتَّى تَجْعَلَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا....
 الْآيَاتِ“ — مطلب یہ ہے کہ ہم تم کو اس وقت تک خدا کا نبی و رسول نہیں مانیں گے
 جب تک تم یہ کر کے نہ دکھا دو کہ مکہ کی خشک زمین سے ہمارے لئے پانی کا چشمہ جاری کر دو!
 یا یہ کہ تمہارا خود ایک ایسا سرسبز کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں جاری ہوں
 یا تم یہ کر کے دکھا دو کہ آسمان کے ٹکڑے ہم پر گرا دو۔ یا اللہ اور اس کے فرشتوں کو ہمارے
 سامنے لا کر کھڑا کر دو، یا تمہارا چاندی اور سونے کا گھر ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور
 وہاں سے کھسی لکھاٹی کتاب لے کر آؤ جسے ہم پڑھ لیں..... ان کرشموں کے بغیر ہم تمہیں
 نبی اور رسول نہیں مانیں گے۔ !!

چونکہ مشرکوں کی ان جاہلانہ باتوں کا سبب اُن کا یہ خیال تھا کہ نبی اور رسول وہی
 ہو سکتا ہے جو مافوق البشر طاقت رکھتا ہو اور وہ کر کے دکھائے جو کوئی بشر نہیں کر سکتا،
 اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسکے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا
 قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ (یعنی یہ کہ آپ ان لوگوں سے صاف صاف
 کہہ دیجئے کہ ہرگزوری سے پاک صاف میرا پروردگار ہے صرف وہی سب کچھ کر سکتا ہے
 میں تو بس ایک بشر ہوں اور ایک پیامبر)

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ دوسرے مقامات پر قرآن مجید میں ہی رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان ظاہر کرنے کے لئے مختلف القاب و صفات کے ساتھ آپ کا

تذکرہ کیا گیا ہے، کہیں فرمایا گیا ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ کہیں فرمایا گیا ”وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ“ اور کہیں ارشاد ہوا ”وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسَوَآءٌ أَمْنِيرًا“ لیکن سورہ بنی اسرائیل کی مذکورہ بالا آیت کا مقصد جو کہ نبوت و رسالت کے بارے میں مشرکوں کے غایانہ خیالات کی اصلاح تھا اس لئے آپ کی زبان مبارک سے صرف اتنا کہلوایا گیا ”هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ“ (میں تو ایک بشر ہوں اور اللہ کا پیام پہنچانے والا پیغمبر اسکے سوا کچھ نہیں)۔

ایک موقع پر بعض صحابہ سے اظہار عقیدت و عظمت میں کچھ بے اعتدالی اور لغزش ہو گئی تو آپ نے سخت تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

لَا يَسْتَهْوِيكُمْ الشَّيْطَانُ، أَنَا مُحَمَّدٌ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ - عَبْدُ اللَّهِ
وَدَسُّوْهُ، مَا أَحَبَّ أَن تَرَفَعُوْنِي فَوْقَ مَنَزِلَتِي الَّتِي أُنْزِلَنِي
اللَّهُ — (رواہ احمد و عبد بن حمید و سعید بن منصور)

البیہقی فی شعب الایمان) کنز العمال ج ۲ ص ۱۳۲
لوگو! تمہیں شیطان گمراہ نہ کرے، میں عبد اللہ کا بیٹا محمد ہوں، اللہ کا بندہ
اور اس کا رسول، مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ تم مجھے میرے اُس مرتبہ
سے اوپر اٹھاؤ جہاں اللہ نے مجھے رکھا ہے۔

ایک دفعہ کسی صحابی کی زبان سے سلسلہ کلام میں نکل گیا ”مَا شَاءَ اللَّهُ وَشِئْتُ“ (یعنی
وہ ہو گا جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں) آپ اس پر سخت برہم ہوئے اور فرمایا :-
”جَعَلَنِي جِلَّةٌ نِدَاءُ اٰہْلِ مَا شَاءَ اللَّهُ وَخَلَلَهُ“

(رواہ الطبرانی فی الکبیر - کنز العمال ج ۲ ص ۱۳۳)

تم نے مجھ کو خدا کے برابر کر دیا (یوں نہیں) بلکہ یوں کہو کہ جو تمہارا خدا چاہے وہ ہو گا۔
ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا :-

لَا تَطْرُقُونِي كَمَا اطْرَقَتِ النَّصَارَى عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ، إِنَّمَا أَنَا
عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ فَقُولُوا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ “

مطلب یہ ہے کہ میرے بارے میں اس طرح غلو مت کرو جس طرح عیسائیوں نے
عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں کیا میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول نہیں ہوں۔

حالانکہ خود آنحضرتؐ نے دوسرے موقع پر اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”أَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشْفَعٍ“ اور ”أَنَا حَبِيبُ اللَّهِ وَلَا فَخْرَ أُنَاجِلَ لِهَوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَدَمُ فَمَنْ دُونَهُ فَتَمْتَلِكُ أَيْ لَا فَنَ..... وَإِنَّا أَكْرَمُ الْأَوَّلِيِّ وَالْآخِرِيِّ عَلَى اللَّهِ وَلَا فَخْرَ“

لیکن جب غلو کی اصلاح کیلئے آپؐ نے مذکورہ بالا ارشادات فرمائے تو اس میں صرف اتنا ارشاد فرمایا ”اَنَا حَبِيبُ اللَّهِ“، عبد اللہ و رسولہ ”میں تو بس اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں“۔

اس اصولی حقیقت اور حکمت اصلاح کا واضح ترین اور انتہائی سبق آموز نمونہ صدیق اکبرؐ کا وہ خطبہ ہے جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر تمام صحابہ کرام کے مجمع میں دیا تھا۔ — صحیح بخاری کی روایت کے مطابق واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو باہر کے لوگوں میں سے سب سے پہلے حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت میسرہ ابن شعبہؓ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اجازت لے کر حجرہ مقدسہ میں داخل ہوئے حضرت صدیقہؓ نے پردہ فرمایا، حضورؐ کے چہرہ مبارک کو دیکھ کر حضرت میسرہؓ نے کہا، آپ وفات پا چکے (اِنَّهٗ وَ اَنَا لِيَهٗ رَاجِعٌ) حضرت عمرؓ نے انکو ڈانٹا اور کہا کہ ہرگز آپ کی وفات نہیں ہوئی جب تک کہ فلاں فلاں کام انجام نہ پا جائیں گے آپ اس دنیا میں رہیں گے، مطلب یہ ہے کہ یہ سکتے کی سی کیفیت ہے جس کو نرم غلطی سے موت سمجھ لے ہو پھر رہ آئے۔ خبر سن کر کچھ اور لوگ بھی آچکے تھے حضرت عمرؓ نے پوری شدت کے ساتھ اپنے اس یقین کا لوگوں کے سامنے اظہار فرمایا لیکن روایا میں یہاں تک ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ اگر کوئی کہے گا کہ حضورؐ کی وفات ہو چکی تو اسکا سر قلم کر دیا جائیگا۔ — ظاہر ہے کہ یہ ان پر ایک غلبہ حال کی کیفیت تھی غالب گمان ہے کہ حضورؐ کے ساتھ عام صحابہ کرام کو جو محبت تھی اسکی بنا پر انکو حضرت عمرؓ کی یہ بات اچھی لگتی ہوگی۔ اس دوران مجمع بڑھتا گیا۔ آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے بھی حضرت عمرؓ کو سمجھانا چاہا لیکن انھوں نے انکی بھی نہیں سنی۔ اور زور شور سے اپنی بات فرماتے رہے۔ — یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جس دن حضورؐ نے وفات پائی اس دن کی صبح کو آپ کی حالت بہت اچھی تھی حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کیساتھ تیار دار تھے صبح کو

جب وہ گھر سے باہر آئے اور لوگوں نے پوچھا کہ حضورؐ کا کیا حال ہے تو انھوں نے کہا کہ الحمد للہ حضورؐ کی حالت آج بہت ہی اچھی ہے۔ صدیق اکبرؓ یہ معلوم ہونے کے بعد اپنے گھر تشریف لے گئے جو کسی قدر فاصلہ پر تھا۔ انکو جب خبر پہنچی تو گھوڑے پر سوار ہو کر تیزی سے پہنچے دیکھا کہ اچھا خاصا منج ہے۔ اور حضرت عمرؓ بار بار لوگوں کے سامنے اپنی بات دہرا رہے ہیں صدیق اکبرؓ گھوڑے سے اتر کر سیدھے اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں داخل ہوئے حضورؐ کے جد مبارک پر چادر ڈال دی گئی تھی۔ صدیق اکبرؓ نے اندر پہنچ کر چہرہ مبارک سے چادر ہٹائی اور پیشانی مبارک کو بوسہ دے کر کہا طِبْتَ حَيًّا وَمَيِّتًا (آپؐ زندگی میں بھی پاک اور پاکیزہ تھے اور موت کے بعد بھی پاک اور پاکیزہ ہیں) اسکے بعد حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائے۔ حضرت عمرؓ کو خاموش کرنا چاہا مگر انکا حال یہ تھا کہ انھوں نے انکی بھی نہیں سنی، صدیق اکبرؓ مسجد تشریف لائے سیدھے منبر پر پہنچے، عام صحابہ کرام جو جانتے تھے کہ ابو بکرؓ حضورؐ کے تمام صحابہ کرام میں افضل اور بلند مرتبہ ہیں خود حضورؐ نے آخری دنوں میں ان کو امام نماز بنا کر سب پر اس حقیقت کو ظاہر بھی کر دیا تھا۔ وہ سب حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر مسجد میں حضرت ابو بکرؓ کے پاس آگئے۔ حضرت عمرؓ بھی آگئے، اس موقع پر حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ محسوس کر کے کہ عمرؓ کی بات غلط اور ایک قسم کے غلبہٴ حال کا نتیجہ ہے اور اس سے لوگوں کے عقیدوں میں فساد آسکتا ہے حاضرین سے خطاب فرمایا جس میں صحیح بخاری وغیرہ کی روایت کے مطابق اللہ کی حمد و ثناء کے بعد وا شُکْرًا طود پر فرمایا: مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَجِبُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَجِبُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى مَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَصُورَ اللَّهُ شَيْئًا وَسَيُعَذِّبُ اللَّهُ النَّكَارِينَ۔

جس کا نقلی ترجمہ یہ ہوگا کہ اے لوگو! تم میں سے جو کوئی محمدؐ کی بندگی اور عبادت کرتا تھا تو اسکو معلوم ہونا چاہیے کہ محمدؐ تو وفات پا گئے (مغیضۃ نقلی ترجمہ یہ ہوگا کہ محمدؐ تو مر چکے) اور جو تم میں سے اللہ کی عبادت اور بندگی کرتے تھے انکو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اسکو کبھی فنا نہیں۔ آئے صدیق اکبرؓ نے قرآن مجید کی اس آیت کا حوالہ بھی دیا جس میں فرمایا گیا ہے کہ محمدؐ اسکے ساتھ نہیں کہیں اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے بہت

صل گند چلے جس کو کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم (دین سے) اُلٹے پاؤں لوٹ جاؤ گے اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور اللہ تعالیٰ شکر گزار (یعنی دین پر قائم رہنے والے) بندوں کو اس استقامت کا صلہ عطا فرمائے گا۔

حضور فرمایا جائے صحابہ کرام میں بلکہ پوری امت میں صدیق اکبرؓ کی برابر حضور کا مرتبہ نبیاء اور آپ کے ساتھ محبت اور فدائیت کا تعلق رکھنے والا کوئی بھی نہ تھا۔ آنحضرتؐ (صحیح بخاری وغیرہ کی روایت کے مطابق) وفات تک صرف پانچ دن پہلے مسجد شریف کے آئینہ آخری خطاب میں اپنے ساتھ حضرت صدیقؓ کے امتیازی تعلق کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہمارے ساتھ جس نے بھی جو احسان کیا تھا ہم نے اس کا بدلہ چکا دیا، مولے ابو بکرؓ کے انھوں نے جو احسانات کئے اس کا بدلہ انکو اللہ تعالیٰ ہی آخرت میں عطا فرمائے گا۔ الغرض حضورؐ کے ارشاد پاک اور اہلسنت کے عقیدہ کے مطابق صحابہ کرام کے طبقہ اور پوری امت میں ابو بکرؓ صدیقؓ کی ہی حضورؐ سے سب سے زیادہ محبت اور فدائیت کا تعلق تھا اور وہی سب سے زیادہ حضورؐ کے مقام عظمت کے ثناء ساتھ اسکے باوجود انھوں نے اس خطبہ میں جو حضورؐ کے بارے میں غلو کے سدباب کیلئے دیا آپ کے نام کے ساتھ نبی یا رسول یا عظمت کو ظاہر کرنے والا کوئی کلمہ حتیٰ کہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی نہیں فرمایا۔

اب رافضی جو حضرت صدیق اکبرؓ کو (معاذ اللہ) منافق کہتے ہیں اور ان سے بغض و عداوت رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ دیکھ حضورؐ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے فوراً بعد ابو بکرؓ کا باطن ظاہر ہو گیا اور اس خطبہ میں انھوں نے حضورؐ کا جس طرح ذکر کیا وہ کھلی ہوئی بے ادبی ہے۔ لیکن تمام صحابہ کرام اور انھیں کی طرح انکی پیروی کرتے ہوئے ہم اہلسنت نے بھی یہی سمجھا کہ حکمت اصلاح کا یہی تقاضا تھا، ہمارے نزدیک صدیق اکبرؓ کے اس خطبہ نے امت کو عقیدہ کے فساد سے بچایا اور قیامت تک کیلئے رہنمائی دے دی۔ اسی طرح خارق عظمیٰ کے دور خلافت میں جبکہ دور دراز کے بہت سے علاقے بھی اسلامی اقتدار کے دائرے میں آ گئے تھے، اور وہاں کے رہنے والوں نے اسلام قبول کر لیا، تو حج کے موقع پر انھوں نے حضرت عمرؓ کے قلب میں یہ بات ڈالی کہ مختلف علاقوں کے جو لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اور وہ اب تک بت پرست و جہشی کہ ایہیوں میں مبتلا تھے وہ یہ دیکھ کر کہ حج کے ہر طواف میں حجر اسود پر نہ ہتھ پھیں کہ یہ بھی کوئی دیوی دیوتا ہے جس کی پوجا کی جاتی ہے۔

آواز بلند فاروقی انداز میں اعلان فرمایا کہ اما والله لقد علمت ان لا عجز ولا تنعم ولا حق ولا ولا
 انی رایت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقبلکم ما قبلکم مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حجر اسود کی
 طرف خطاب فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں خدا کی قسم کھا کر اعلان کرتا ہوں کہ تو محض ایک پتھر ہے
 تو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ کسی کا کچھ بگاڑ سکتا ہے اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ
 دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھ کو ہرگز بوسہ نہ دیتا — اب ایک رافضی جو حضرت
 عمرؓ کے متعلق رافضیانہ عقائد رکھتا ہے وہ تو کہے گا کہ (معاذ اللہ) عمر بن الخطابؓ اس مقدس
 حجر اسود کی توہین کی جس کو حدیث میں یسین اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کے دست راست) کے
 قائم مقام) کہا گیا ہے جس کو چوناچ و عمرہ کے اعمال میں بڑا اونچا عمل ہے اور جسے خود
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عظمت و محبت کے جذبے کے ساتھ چومتے تھے — لیکن ہم اہل سنت
 حضرت فاروقی اعظمؓ کے اس عمل اور انکے اس اعلان کو عقیدہ توحید کی حفاظت اور امت
 کو شرک کے خطرہ سے بچانے کی کوشش کے سلسلہ میں نشانِ راہ سمجھتے ہیں۔

امت کے مصلحین مجددین اور دین حق کے محافظین کے ملفوظات و مکتوبات تقاریر و
 مواظبات اور تصنیفات بے شمار نمونے اس حکمتِ اصلاح کے پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن نہ اتنی
 گنجائش ہے اور نہ عقل سلیم رکھنے والوں کے لئے اتنی طوالت کی ضرورت تاہم مناسب معلوم
 ہوتا ہے کہ اپنے محترم مولانا ابوالحسن زید صاحب کی خدمت میں ایک دو مثالیں حضرت
 مجدد الف ثانیؒ قدس سرہ کے مکتوبات سے بھی پیش کر دی جائیں۔

مکتوبات کے دفترِ اول کے مکتوب ۱۷۱ میں فرماتے ہیں :-
 لے برادر ابجد رسول اللہؐ راں غلو لے بھائی ابجد رسول اللہؐ بھی باوجود
 شانِ بشر بود و بد لغ حدوث اسقدر بلندی مرتبہ کے بشر تھے اور
 دامکان قسم - حدوث و امکان کے دارغ سے داغدار۔

اب جو شخص حضرت امام ربانی سے بغض و عداوت رکھتا ہے وہ شہرہ بجائے گا کہ حضرت
 مجددؒ نے حضورؐ کو حدوث و امکان کے دارغ سے داغدار لکھ دیا۔ یہ حضورؐ کی شان میں بے ادبی
 نیز دفترِ سوم کے آخری مکتوب میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حزن و غم سے متعلق ملا
 حسن شیرازی کے ایک سوال کے جواب میں ہے۔ تحریر فرماتے ہیں :-

ہر قدر کہ از وجود بشریت باقیست پس حقد بشریت باقی ہے اسی قدر راستے کے

حجاب راہ ہما قدر راست وار تعلق
بشریت بالکل در کل ممکن نیست
چہ در خواص و پیر در اخص ان خواص
شیخ عطار فرماید
نمی بینی کہ شاہے چوں ہمیر
نیابد فقر کل تو رنج کم بر
حجاب بھی موجود ہیں اور صفات بشریہ
کسی نے بھی بالکل نہ درجہ کیا ممکن ہی نہیں
نہ خواص میں نہ اخص ان خواص میں۔
شیخ عطار فرماتے ہیں۔
کیا تم نہیں دیکھتے کہ کامل فقر تو عطا
صلی اللہ علیہ وسلم بھی حاصل نہ کر سکے
اس لئے تم اسکی حسرت نہ کرو۔

اب جسکے دل میں حضرت امام ربانی کے بارے میں بدگمانی اور بغض و عداوت ہوگی، وہ کہے گا کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں بے ادبی اور آپ کی تنقیص کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام ربانی اور شیخ عطار نے جو فرمایا وہ عین حقیقت ہے۔ مگر — ہنرمند عداوت بزرگ تر عیب است۔

اس عاجز کے نزدیک شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کی کتاب تقویۃ الایمان کے بارے میں مولوی فضل رسول بدایونی اور مولوی احمد رضا خاں بریلوی اور ان کے پیروکاروں کے معاملہ کی حقیقت یہی ہے۔

۳۔ محترم مولانا ابوالحسن زید صاحب نے اپنی کتاب کے ابتدائیہ میں ص ۱۱ پر لکھا ہے۔
”سرور دو عالم رحمت عالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جس کو ائمہ حدیث نے روایت کی کہ امت مرحومہ کے واسطے اپنی کتابوں میں محفوظ کر دیا ہے کہ
”یسر و لا تعسروا بشر و لا تقفروا“ آسان کرو، مشکل نہ بناؤ، بشارت دو، نفرت نہ دلاؤ، — کیا مکروہ تنزیہی کو مکروہ تحریمی اور مکروہ تحریمی کو حرام قطعی قرار دینا اور شرک صغیر کو جس سے بچنا کوئی امر مہل نہیں ہے، ذرا سی ریا اور دکھاوٹ شرک صغیر اور شرک خفی ہے، شرک اکبر اور شرک جلی قرار دینا، آسان کرنا ہے یا مشکل بنانا، اور جو شخص ایسا فعل کرے وہ ارشاد نبوی پر عمل کر رہا ہے یا اپنی من مانی کر رہا ہے؟“

مولانا زید صاحب کی اس عبارت کا صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ مولانا اسماعیل شہیدؒ نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں جگہ جگہ مکروہ تنزیہی کو مکروہ تحریمی، مکروہ تحریمی کو حرام قطعی اور شرک صغیر اور شرک خفی کو شرک اکبر اور شرک جلی قرار دیا ہے —

میں بہت صفائی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ مجھے "تقویۃ الایمان" میں بہت تلاش کے باوجود ایک جگہ بھی ایسی نہیں مل سکی جس میں شرک اصغر کو شرک اکبر یا شرک خفی کو شرک جلی قرار دیا گیا ہو۔ دانستہ طور پر شرک اصغر کو شرک اکبر یا شرک خفی کو شرک جلی قرار دے دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ بہت بڑی جسارت ہے۔ اور اگر نادانستہ طور پر ہو تو بہت سنگین غلطی ہے۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا کہ شاہ خہرید کی تقویۃ الایمان میں تلاش کے باوجود کسی مقام پر بھی ایسی عبارت نہیں ملی جس میں شرک خفی کو شرک جلی لکھا گیا ہو۔ میرے پاس شمس المصنوعہ وہ نسخہ ہے جس پر مولانا محبوب علی مرحوم کا حاشیہ ہے۔

اس صاف و صاحت کے بعد اب میں عرض کرتا ہوں کہ تقویۃ الایمان میں متعدد مقامات پر ان اعمال کو "شرک" (خفی یا جلی، اور اصغریا اکبری صفت کے بغیر) قرار دیا گیا ہے جن کا مرتکب جمہور علمائے اہلسنت (بشمول مصنف تقویۃ الایمان) کے نزدیک نہ دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے اور نہ ابدی عذاب اخروی کا مستحق قرار دیا جاتا ہے بلکہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور یہ طرز بیان۔۔۔ ان اعمال کو "شرک" یا "کفر" قرار دینا، جو شرک یا کفر کے شعبوں میں سے ایک شعبہ تو ہیں، لیکن ان کا کرنے والا قانونی و فقہی طور پر شرک کا قرار اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، کتاب الشرا و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہے۔ علماء کرام کی اصطلاح میں اس قسم کے اعمال کو شرک دون، شرک، کفر دون، کفر کہا جاتا ہے۔

اس عاجز کے محذور مطالعہ میں اس موضوع پر سب سے زیادہ تشفی بخش، مدلل اور سیر حاصل بحث علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب "الصلوۃ ولعکام نادکھا" میں کی ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مدظلہ فحہ الملہم شرح صحیح مسلم میں حدیث نبوی ان بین الوجل و بین الشرک و الکفر تروا الصلاۃ کی تشریح میں علامہ ابن قیم کی وہ پوری بحث قدرے تلخیص کے ساتھ نقل کر دی ہے، اس بحث میں علامہ ابن قیم نے یہ بیان کر کے بعد کہ جس طرح ایمان کے بہت سے شعبے ہوتے ہیں، اور ان سب ایمانی شعبوں کا درجہ اور حکم یکساں نہیں ہو کرتا، بلکہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کی عدم موجودگی کی بنا پر اصل ایمان کا فقدان لازم ہوتا ہے، اور بعض ایسے ہیں جن کے نہ ہونے کی صورت میں ایمان میں کمی اور کمزوری تو آتی ہے، البتہ بالکلیہ اسکے زوال کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، اسی طرح کفر

کے بھی بہت سے شیعہ ہوتے ہیں، اور کفر کے ان شیعوں کا بھی درجہ اور حکم یکساں نہیں۔
 — پھر یہ بیان کر کے بعد کہ کفر کی دو قسمیں ہوتی ہیں، کفر اعتقادی اور کفر عملی،
 دونوں کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن قیم نے لکھا ہے

فكفر الجحود ان يكفر بما علم ان الرب
 جاء به من عند الله جهوداً وعناداً
 من اسماؤ الرب وصفاته وافعاله
 واحكامه وهذا الكفر يصاد الايمان
 من كل وجه — وأما كفر العمل
 فينقسم الى ما يصاد الايمان والى
 ما لا يصاده فالسجود للصنم
 والاستهانة بالمصنوع وقتل النبي
 ومثبه يصاد الايمان، وأما الحكم
 بخير ما أنزل الله وتورخ الصلاة
 فهو من الكفر العمل قطعا ولا يمكن
 ان ينفى عنه اسم الكفر بعد ان
 اطلقه الله ورسوله عليه، فالجاءكم
 بخير ما أنزل الله كما فروتاركت
 الصلاة كما فرينص رسول الله صلى
 عليه وسلم ولكن هو كفر عمل لا
 كفر اعتقاد..... وقد نفى رسول الله
 صلى الله عليه وسلم الايمان عن
 الزاني السارق وشارب الخمر ومعتق
 لا يامن جارية بوائقه فاذا نفى عنه
 اسم الايمان فهو كافر من جهة
 العمل وان نفى عنه كفر الجحود

کفر انکاری (اعتقادی) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی
 اسماء و صفات اور اس کے افعال اور احکام کی قسم میں
 جس چیز کے بارے میں یہ بتا یقینی طور پر معلوم ہو کہ
 اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 لائے ہیں، اس کا انکار صرف نہ ماننے اور ہٹ دھرمی
 کی وجہ سے کیا جائے کفر کی قسم ایمان کے موافق
 منافی ہے۔ جہاں تک کفر عملی کا تعلق ہے تو
 وہ دو طرح کا ہوا کرتا ہے، ایک تو وہ جو ایمان
 کے منافی ہے اور دوسرا وہ جو ایمان کے منافی
 نہیں ہے پس بت کو سجد کرنا، قرآن مجید کی توبین، پیغمبر کو
 قتل کرنا یا گالیاں دینا، ایمان کے منافی ہے۔
 لیکن اللہ تعالیٰ کے بتائے قوانین کے علاوہ کسی اور
 قانون کے مطابق فیصلہ کرنا، نماز چھوڑنا، یہ بلاشبہ
 کفر عملی ہے۔ اس طرح کے اعمال کو کفر ضرور کہا
 جائے گا کیونکہ اللہ اور اللہ کے رسول نے انھیں
 ”کفر“ کہا ہے۔ لہذا اللہ کے نازل کردہ قوانین کے
 بجائے کسی اور قانون کے مطابق فیصلہ کرنا،
 اور نازک تارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
 متناظران کے بموجب کرنا کہا جائے گا تاہم کفر عملی
 ہو گا نہ کہ کفر اعتقادی..... اسی طرح رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کرنا، الیٰ، جہد کی کرنیوائے
 شرابی اور کسی شرارتوں سے پروردگار محفوظ و مامون

نہیے اس سے ایمان کی نفی فرمائی ہے لہذا وہ
کفر عملی کا ترکیب قرار دیا جائے گا لیکن کفر اعتقادی
اس پر نہیں ثابت کیا جائے گا۔

آگے چل کر اسی بات کی تائید میں علامہ ابن قیمؒ نے کئی اور مضبوط دلائل و شواہد قرآن مجید
اور اکابر صحابہ و تابعین کے بیانات سے نقل فرمائے ہیں۔ پھر کفرؒ دون کفرؒ کے بارے میں
بحث مکمل کرنے کے بعد شرکؒ دون شرکؒ کے بارے میں لکھا ہے۔

كذلك الله الشرك شركان، شرك ينقل
عن الملة وهو الشرك الاكبر وشرك
لا ينقل عن الملة وهو الشرك الاصغر
وهو شرك العمل كالرياء، وقال تعالى
في الشرك الاكبر: اِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ
بِاللهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ
وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَقَالَ: وَمَنْ يُشْرِكْ
بِاللهِ فَكَانَ مَخْرُجًا مِنَ السَّمَاءِ... الآية
وفي شرك الرياء: غَفَىٰ كَانَ يُرْجَوُ
لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ
بِبِيعَاةٍ نَبِيِّهِ أَحَدًا، ومن هذا الشرك
الاصغر قوله صلى الله عليه وسلم
ومن حلفت بغير الله فقد أشرك
، فإية البوداء وغيره ومعلوم
أن حلفه بغير الله لا يخرجه عن
الملة ولا يوجب له حكم الكفار،
ومن هذا قوله صلى الله عليه وسلم
الشرك في هذه الأمة اخفى من
ديب الغل...

اسی طرح شرک بھی دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو
وہ جس کا ترکیب ملت خارج ہو جاتا ہے اسے
شرک اکبر کہتے ہیں اور دوسرا وہ شرک جس سے
آدمی ملت خارج نہیں ہوتا، اسے شرک اصغر کہتے
ہیں جیسے ریاکاری، شرک اکبر کے بارے میں قرآنی آیات
کا نمونہ ارشاد خداوندی (انہ من بشرک
باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ وماوئہ
النار) اور (ومن یشرب باللہ فکان مخرجاً
عن السماء) وغیرہ ہیں اور ریاکاری والے
شرک کے بارے میں (مثلاً) فرمایا گیا ہے (من کان
یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرب
بعبادۃ وید احداً) شرک کی دوسری قسم
شرک اصغر ہی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ
اللہ کے علاوہ کسی اور کی قسم جس نے کھائی وہ شرک کا
ترکیب ہوا۔ یہاں معلوم ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی
اور کی قسم کھانا تو ملت خارج نہیں ہوتا اور
ناس پر کفار کے احکامات کے تحت ہے شرک کی
ان قسم سے متعلق ہے آپ کا یہ ارشاد کہ (من مات من

شرک پیوٹوں کی دھیمی چال سے بھی زیادہ مخمور
یہ عاجز اپنے علم و مطالعہ کی حد تک پورے اطمینان کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ تقویۃ الایمان
میں حضرت شاہ شہیدؒ نے ان شرکانہ اعمال کو "شرک" قرار دینے میں ٹھیک سی قرآنی و نبوی انداز
کی پیروی کی ہے جس کی وضاحت علامہ ابن قیمؒ کی منقولہ بالا بحث میں کی گئی ہے۔ بلکہ خود
حضرت شاہ شہیدؒ نے تقویۃ الایمان کے شروع ہی میں فصل اول کے تحت پہلی آیت کا ترجمہ
لکھنے کے بعد اسکے فائدہ میں یہ بات صاف کر دی ہے کہ شرک کی ایک قسم وہ ہے جس سے آدمی کافر
اور دوزخ کے ابدی عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے اور دوسری قسم وہ ہے جلاس سے کم درجہ کے شرک
ہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی جو سزا مقرر ہے اس کا ترک پس وہ سزا پائے گا۔
اگر اس عاجز کا یہ احساس نہ ہوتا کہ شرک وغیرہ دوسری عمومی گمراہیوں کی امت کی
حفاظت کی جڑ جہد کی راہ میں اس حکمت عملی کے مناسب اور بعض حالات میں ضروری ہونیکے
بائے میں جو اطمینان دین کی حفاظت اور امت کی اصلاح کی عمومی جدوجہد کے براہ راست
تجربہ اور اسکی بدولت حاصل ہونے والے مخصوص ذوق و مزاج سے حاصل ہو سکتا ہے وہ
صرف نظری دلائل سے نہیں ہو سکتا، تو یہ عاجز ابھی اس سلسلہ میں اور کچھ عرض کرتا۔
پس اب یہ کہتے ہوئے یہ گفتگو مکمل کرتا ہے کہ جس مبارک زبان سے "یسروا ولا تعسروا
بشروا ولا تنفروا کی زیریں ہدایت نکلی تھی، اسی زبان سے خود من ترک الصلاة
فقد کفروا من حلفت بغير الله فقد اشرک" وغیرہ متعدد سخت جملے بھی صادر
ہوئے تھے۔ اس پر غور کیا جائے اور یہ دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کی ہر ہدایت کو اپنے صحیح محل پر رکھنے اور آپ کی اصل نساء کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے
کی استعداد ہم سب کو عطا فرمائے۔

بات یہ شروع ہوئی تھی کہ مولانا زید صاحب نے شاہ شہیدؒ پر الزام لگایا ہے کہ
انہوں نے تقویۃ الایمان میں شرک اصغر کو اکبر اور شرک خفی کو جلی لکھا ہے۔
اس کے جواب میں عرض کیا گیا تھا کہ تلاش کے باوجود تقویۃ الایمان میں کوئی عبارت ایسی
نہیں ملی جس میں شرک اصغر کو اکبر اور شرک خفی کو جلی لکھا گیا ہو۔ ہاں ایسا بیسوں
جگہ ہے کہ ایسے اعمال و رسوم کو جو شرک اکبر اور شرک جلی نہیں ہیں لیکن ان میں شرک
کا شائبہ ہے، اُن کو (اصغریا اکبر اور خفی یا جلی کی قید کے بغیر) شرک لکھا گیا ہے۔

اور یہ کتاب الشہر اور ارشادات نبوی کے عین مطابق ہے۔۔۔۔۔ اس سلسلہ میں کھڑے دون کھڑے اور بیشک دون بیشک سے متعلق شیخ ابن قیم کا کلام بھی نقل کیا گیا ہے۔

اب یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ فی الحقیقت مولانا زید صفا کے الزام کی بنیاد امیر شاہ خا صاحب مرحوم کی نقل کی ہوئی ایک حکایت پر ہے جو امیر الروایات میں درج ہے، جس میں تقویۃ الایمان کے باب سے خود شاہ اسماعیل شہید کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ اس میں بعض جگہ ذرا نیز الفاظ آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے، مثلاً ان امور کو جو مشرک تھے مگر مشرک جلی لکھا گیا ہے۔“

یہ تو عرض کیا جا چکا ہے کہ تقویۃ الایمان میں کہیں بھی نلایش کے باوجود ایسی کوئی عبارت نظر نہیں پڑی جس میں مشرک جلی لکھا گیا ہو۔۔۔۔۔ اس کے بعد یہ بتا متعین ہو جاتی ہے کہ حکایت میں مشرک تھے کو مشرک جلی قرار دینے کی جو بات لکھی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے اس واقعہ کے روایت کرنے والے کسی راوی کی غالباً غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔

لے حکایت کے نقل کرنیوالے امیر شاہ خا صاحب مرحوم خوجہ (ضلع بلند شہر) کے رہنے والے ایک مرد صالح تھے اُن کو ہمارے اکابر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے ساتھ عقیدت و محبت کا غیر معمولی تعلق تھا، الشہر تھے اُن دنوں بزرگوں کی صحبت فائدہ اٹھانے کا کو بہت موقع عطا فرمایا تھا، انکی ایک خصوصیت یہ تھی کہ حضرت شاہ ولی الشہر اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے سلسلے سے تعلق رکھنے والے اکابر و مشائخ اور خاص ستر شہرین و متوسلین کے سیکڑوں واقعات اور ملفوظات انکو محفوظ تھے، اور وہ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ ان واقعات و ملفوظات کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے، جن میں دینی افادیت کا بلاشبہ بڑا سامان ہے۔۔۔۔۔ ہمارے بعض اکابر خاص کر حکیم الامت حضرت تھانویؒ کو خیال پیدا ہوا کہ امیر شاہ خا صاحب بزرگوں کے جو واقعات، حالات اور ملفوظات بیان کرتے ہیں اُن کو قلمبند کر کے کتابی شکل میں محفوظ کر دیا جائے، خود امیر شاہ خا صاحب نہ صاحب علم تھے نہ صاحب قلم، ان کا علم بس وہی تھا جو انھوں نے بزرگوں سے سنا تھا، اس لئے یہ کام وہ خود نہیں کر سکتے تھے، حضرت حکیم الامت کے ایام و پرولانا حبیب محمد کیراوی رحمان نے خانقاہیہ شیعہ کو حکایا کا عنوان سے قلمبند کیا، اور ان حکایا کا مجموعہ امیر الروایا کے نام سے شائع بھی ہو گیا۔

امیر شاہ خاں صاحب مرحوم نے شاہ شہیدؒ کا زمانہ نہیں پایا، قریباً سو سال کا فرق ہے، امیر شاہ خاں مرحوم نے یہ بھی بیان نہیں کیا کہ یہ بات اُن سے کن جھٹکانے بیان کی، بظاہر اسکی روایت میں دو تین واسطے ضرور ہوں گے، غالب گمان یہی ہے کہ ان میں سے کسی راوی کی غلط فہمی سے یہ غلطی ہوئی ہو، اور یہ بھی ناممکن نہیں ہے کہ خود امیر شاہ خاں صاحب مرحوم سے یہ مسامحت ہو گئی ہو، وہ عالم نہیں تھے، ان کا علم بس وہی تھا جو انھوں نے اپنے اُن بزرگوں سے جن کو انھوں نے پایا براہ راست سنا تھا، اور جن بزرگوں کو نہیں پایا ان کے وہ واقعات و ملفوظات دوسرے بیان کرنے والوں سے سنے تھے۔

اس عاجز کا یہ بھی خیال ہے کہ شاہ شہیدؒ نے غالباً یہ فرمایا ہوگا کہ ”اُن امور کو جو شرک خفی تھے، مشرک اکہد یا گیا ہے“۔ چونکہ علماء کرام کے علاوہ عوام ”مشرک“ اسی کو سمجھتے اور کہتے ہیں جو مشرک اکبر اور مشرک جلی ہو، اس لئے نقل کرنے والے صاحب نے جو خود صاحب علم نہ ہوں گے مشرک کے ساتھ ”جلی“ کا لفظ بڑھا دیا۔

یہ بات کچھ بھی مستبعد نہیں۔۔۔۔۔ واللہ اعلم۔

۴۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے بارے میں حضرت شاہ اسماعیل شہید کے دل میں کیا جذبات تھے؟ تو اس کا صحیح علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ وہی دلوں کا حال جاننے والا ہے ہم کمزور و ناتواں بندے تو خواہد و قرائن سے اندازے ہی لگا سکتے ہیں، ہم نے اُن کی زندگی بھر کے جو حالات پڑھے ہیں، اور جس قسم کے لوگوں کو ان کی تعریف میں رطب اللسان پایا ہے اسکی روشنی میں ہمارا گمان یہی ہے کہ وہ ان باتوں میں بندگانِ خدا میں سے ایک تھے، جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ سے سچی محبت ہوتی ہے، بلکہ جن کا رُواں رُواں انکی محبت سے معمور ہوتا ہے۔ انھوں نے جہاں توحید کی حفاظت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحبین امت کی شانِ بندگی کو صاف لفظوں میں بیان کیا ہے، وہاں کے لئے انہی محبوبانِ بارگاہِ الہی کا اسوہ بھی تھا، اور جہاں س طرح کا کوئی تقاضا نہیں تھا وہاں انھوں نے اپنے دلی جذبات کا اظہار اُسی انداز میں کیا ہے۔ جو سچی محبت والوں کے شایانِ شان ہے، خود تقویۃ الایمان کی ابتداء جن سطروں سے کی گئی ہے ذرا انھیں

ملاحظہ فرمائیے :-

”الہی ہزار ہزار فکر تیری ذات پاک کو کہم کو تو نے ہزاروں نعمتیں میں
اور اپنا سچا دین بتایا اور سیدھی راہ چلا یا اور اصل توحید سکھائی، اور اپنے
حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بنایا اور ان کی راہ سکھنے کا
شوق دیا، اولاد کے نابھوں کی کہ جو ان کی راہ بتاتے ہیں اور ان کے طریقے پر چلاتے ہیں
انکی محبت دی، سولے پروردگار ہمارے اپنے حبیب پر اور اسکے آل و اصحاب
پر اور اسکے سب نابھوں پر ہزار ہزار درود اور سلام بھیج اور اُس کی پیروی
کرنے والوں کو رحمت کر اور ہم کو ان میں شریک کر“

اسی طرح تقویۃ الایمان کے آخری کلمہ پر خاتمہ میں تحریر فرمایا ہے :-

”سولے مالک ہمارے اپنے ایسے پیغمبر رحیم و کریم پر ہزاروں درود و سلام
بھیج، اور انھوں نے جیسا ہم سے جاہلوں کو دین کے سکھانے میں حدیث زیادہ
کوشش کی سو تو ہی اس کوشش کی قدر دانی کر“

اسی طرح حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنی ایک دوسری تصنیف ”منصب
امامت“ میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی عظمت شان اور بارگاہ خداوندی میں انکی
محبوبیت، مقبولیت کا جو وجد آفریں بیان فرمایا ہے اسکی چند سطریں ذیل میں ملاحظہ
فرمائیے، اور ۔۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ذوق نظر عطا فرمایا ہے تو ان سطروں کے آئینہ میں
حضرت شاہ شہیدؒ کی قلبی کیفیت کو بخشم خود دیکھئے !

”یامید است کہ انبیاء علیہم السلام را بخود حضرت رحمان بنسبت جمیع
افراد انسان توے از امتیاز ثابت است کہ بہ نگاہ مہربانی منظور اند و بہ لطف
ربانی مسرور، بہ عزیت انعام سرفرازند و بہ مزید اکرام ممتاز، یا سمیع، ہر محبوبیت
اند و اور نگفتیں انھیں مقبولیت اختران افلاک انس اند، افسران افلاک قدس
اند و تفویض مناصب عظیمہ لائق اند و در سر انجام ہمت فہیمہ خالق ہر دل اند
مخاطر کرویاں اند و سران عسا کر قدویاں ہمت ایشان مقلد اخلاق
الہیہ است، دعائے ایشان بلا ریب مستجاب، محب ایشان محبوب حضرت
حب الارباب است، و بعض ایشان خواص انتخاب محبت ایشان باعث رفیع

درجات است و توسل ایساں وسیلہ نجات؛ (منصب امامت صلا)
 معلوم ہونا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام کو دیگر افراد انسانی کے مقابلہ میں
 خاص امتیاز حاصل ہے، ان پر خداوند کریم کی نظر رحمت ہے اور ان کو عطا ہے
 الہیہ سے خاص سہرت ہے، وہ فراوانی انعامات سے سرفراز اور فضل و کرم کی
 بارشوں سے ممتاز ہیں، چمن محبوبیت کے گل باسیں اور انجمن مقبولیت کے
 اورنگ نشین ہیں، آسمان انس کے درخشاں اختر اور عالم قدس کے افسر ہیں،
 مناصب جلیلہ کی تفویض کے لائق اور مہتمم بالمشاں امور عظام کی انجام دہی
 میں فائق ہیں، کروبیوں کی محفلوں کے سردار اور قدوسی لشکروں کے سپہ سالار
 ہیں، ان کی خاص توجہ بند دروازوں کی کنجی ہے اور ان کی دعا لایب مقبول
 ہوتی ہے، ان سے محبت کرنے والا حضرت رب العزت کا محبوب اور ان سے
 عداوت رکھنے والا اس بارگاہ میں مبغوض و مغضوب ہے، ان کی محبت ترقی
 درجات کا ذریعہ اور ان کا توسل نجات کا وسیلہ ہے؟

اور انھیں حضرت شہیدؑ کی ایک طویل معروف نظم ہے جس کا عنوان ہے "سلک نور"
 اس کے شروع میں جیسا کہ چاہئے تھا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے چند اشعار ہیں، اس کے بعد
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں رقمطراز ہیں:-

خصوصاً کہ جو اکمل انسان ہے	وہ سایہ صحیفوں کا عنوان ہے
وہ انسان اکمل ہے سنتے ہو کون!	ہوئے مفتخر جس سے یہ دونوں کون
نبی البرایا رسول کریم	نبوت کے دریا کا دُورِ یقیم
حبیب خدا سید المرسلین	شفیع الوریٰ ہادی راہ دیں
محمد ہے نام اس کا احمد لقب	بیاں ہو سکے منقبت اسکی کب
دل اس کا جو ہے مخزن سررغیب	میرا خطا سے ہے بے شک و ریب
بظاہر جو ہے مقطع انبیاء	حقیقت میں ہے مطلع اصفیاء

(کلام) شاہ اسماعیل شہیدؑ مرتبہ جناب خالہ صیغہ صدامہؑ والیابا ہامہ پانڈی
 ۵۔ یہی وہ ہے کہ جن لوگوں کے ہائے میں معمولی سی واقفیت رکھنے والا شخص بھی جانتا
 ہے کہ انھیں اللہ و رسول سے سچی محبت کی دولت نصیب تھی انھیں ہم نے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؑ

اور خاص کر انکی کتاب تقویۃ الایمان کی تشریح میں رطب اللسان ہی پہلے سے خطافرا
علیہ الرحمۃ نے اپنے مضمون میں حضرت سائیں ذیل شاہ وغیرہ بعض اہل تشیع کا ذکر فرمایا
ہے جنہوں نے مولانا اسماعیلؒ کے حق میں کلمات خیر کہے تھے۔ یہ عاجز چند اہل کابری کی طرف
عام قارئین خصوصاً محترم مولانا زید صاحب کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے جو نام قابل ذکر ہے وہ ہے حضرت مولانا شاہ عبدالغنیؒ
مہاجر مدنی کا جو مولانا زید صاحب کے والد بزرگوار حضرت مولانا شاہ ابوالخیر شاہ عجمی فارسی
کے اتاؤ ذکر اور ان کے دادا کے حقیقی بھائی تھے، انکی عبارت خود مولانا زید صاحب نے تتمہ نقاشی
منظہری کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے جس میں حضرت مرحوم نے حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ اور
انکے مرشد حضرت سید احمد شہیدؒ کا ذکر پورے احترام کے ساتھ کیا ہے اور ان کیلئے شہید کا
لفظ استعمال کیا ہے، (ناظرین کرام یہ عبارت مولانا فریدی مرحوم کے مضمون میں اسی
تھام پر دیکھ چکے ہیں جہاں مولانا زید صاحب کا مکتوب نقل کیا گیا ہے بہرہ کہ اس موقع پر اس
عبارت پر ایک بار پھر نگاہ ڈال لی جائے)۔

پھر حضرت مولانا شاہ عبدالغنیؒ کے تلامذہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت
مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور پھر انکے تلامذہ میں شیخ الہند
حضرت مولانا محمد حسن دیوبندیؒ اور حضرت مولانا عبدالعلی فریدیؒ صدر المدرسین
و شیخ الحدیث مدرسہ عبدالرب دہلی (جو خود محترم مولانا زید صاحب کے اتاؤ بھی ہیں)۔
اور۔۔۔ انکے بعد کے طبقہ میں مولانا عبید اللہ شندھیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ۔
اور۔۔۔ انکے بعد کی نسل میں مولانا نسیم احمد فریدیؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ وغیرہ
بے شمار اہل علم و ذکر۔۔۔ اور۔۔۔ کون نہیں جانتا کہ یہ سب حضرت شاہ
اسماعیل شہیدؒ کی عقیدت و محبت اور ان کی کتاب تقویۃ الایمان کی مدح و تحسین میں
یک زبان اور رطب اللسان ہیں۔

مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا یہ بیان جو ایک
فتوے کے ضمن میں انھوں نے لکھا تھا:-

”مولوی محمد اسماعیل صاحب۔ عالم متقی، بدعت کے اکھاڑنے والے اور سنت کے

لے باوہے کہ مولانا زید صاحب نے اپنی کتاب میں اور خط میں بھی ان کیلئے شہید کا لفظ لکھنے سے پرہیز کیا ہے۔

جاری کرتے چلے اور قرآن و حدیث پر پورا عمل کرنے والے اور خلقِ بشر کو ہدایت کرنے والے تھے، اور تمام عمر اسی حال میں رہے اور آخر کار فی سبیل اللہ شہادت میں کفار کے ہاتھ سے شہید ہوئے..... اور کتابِ تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اور ردِ مشرک و بدعت میں لا جواب ہے استدلال اس کے بالکل کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں..... (فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱۵ ص ۱۱۵)

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے ایک سائل کے سوال کے جواب میں لکھا تھا:-
 ”احقر مولوی اسماعیل صفا شہید کو اور اس خاندان کو اپنا پیشوا سمجھتا ہے اور بے تعصب ان کی باتیں موافق قرآن اور حدیث کے پاتا ہے، اور ان کے مخالفین کو حق سے دور اور ہٹ دھرم کیا کرتے دیکھتا ہے۔“
 (مکتوباتِ یعقوبیہ ص ۲۴)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نور اللہ مرقدہ نے اپنی کتاب ”الجہد المقل“ میں لکھا ہے:-

”عالم نبیل فاضل جلیل نمونہ علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل“ مولانا الحافظ الحاج مولوی اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ آباءہ الکرام نے..... جب اپنے زمانہ میں امورِ مشرک و بدعت کا رولج زیادہ دیکھا تو مولانا مدوح نے مقتضائے تاثیر دین جہاں تک ہو سکا زبان سے نصیحت فرمائی، تحریروں کی بھی نوبت آئی چنانچہ رسالہ تقویۃ الایمان بھی جب ہی لکھا جس میں نصوصِ صریحہ سے نہایت سلاست کے ساتھ توحید کو بیان فرمایا..... اسکی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ہدایت و صحت عقائد نصیب ہوئی۔

(الجہد المقل ص ۲)

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی علیہ الرحمہ ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے انھوں نے خود نوعمری میں اسلام قبول کرنے کا واقعہ اس طرح تحریر فرمایا ہے:-

سب سے پہلے جس کتاب نے مجھے اسلام کے تعلق صحیح واقفیت دی اور ہندو سوامی میں رہ کر میں مولہ برس کی عمر سے پہلے ہی مسلمان ہو گیا وہ تحفۃ الہند ہے تحفۃ الہند کے (میرے ہم نام) مؤلف نے ہندو مذہم کے مشرکانہ

عقائد و رسوم کو نقل کر چکے بعد ہندوؤں کی طرف سے ایک اعتراض نقل کیا ہے کہ مسلمانوں میں بھی مشرکانہ اعمال و رسوم پائے جاتے ہیں، اس کا جواب مؤلف نے یہ دیا ہے کہ ہم نے ہندو مذہب کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ انکی مستند مذہبی کتابوں سے ماخوذ ہے لیکن اسکے جواب میں جو کچھ پیش کیا جاتا ہے وہ اسلام کی مستند کتابوں سے ماخوذ نہیں بلکہ مسلمانوں کے اعمال و رسوم میں جو کچھ اسلام ذمہ دار نہیں اور قرآن و حدیث سے اسکی کوئی سند پیش نہیں کی جاسکتی اس موقع پر میرے ساتھی جو میری طرح نو مسلم تھے انکو توجہ ہوئی کہ وہ اس بات کی تحقیق کریں کیا واقعی اسلام کی مستند کتابیں اس مثل میں بالکل بے دخل ہیں اور ان میں ان اعمال و رسوم کا کہیں ثبوت نہیں اس موقع پر ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جس میں صرف قرآن اور حدیث کے حوالہ سے اسلام کی توجید پیش کی گئی ہو خوش قسمتی سے تحفۃ الہند کے بعد جو دوسری کتاب میرے ہاتھ میں آئی وہ مولانا اسماعیل شہیدؒ کی تقویۃ الایمان تھی جو اس سوال کا جواب شافی تھی اور جس سے معلوم ہو گیا کہ اسلام کی توجید بالکل خالص ہے، اور قرآن اور حدیث مسلمانوں کے ان اعمال و رسوم سے بالکل بری ہیں۔

ان دونوں کتابوں سے میں اسلام کے متعلق ایسا صحیح عقیدہ پیدا کر سکا کہ آج تک شاید اس میں ایک حوت کا بھی اضافہ نہیں کر سکا۔
(شاہیر اہل علم کی محسن کتاب میں ص ۲۹)

نیز انہی مولانا سندھی کا بیان ہے :-

”اسلام کے اظہار سے پہلے میں نے شاہ صاحب کی تقویۃ الایمان پڑھی چنانچہ رد شرک کے متعلق مجھے اس سے بڑا فائدہ پہنچا بلکہ ایک لحاظ سے یہ کتاب مجھے اسلام میں لانے کا ذریعہ بنی، غرضیکہ امام محمد اسماعیل میرے استاد اور امام ہیں اور مجھے ان سے بہت محبت ہے جس طرح لوگ اپنے مذہب کے ائمہ سے کرتے ہیں“ (شاہ ولی اللہ اور انکی سیاسی تحریک ص ۸)

تقویۃ الایمان کے بابے میں علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنا تاثر ان نقطوں میں بیان

”میرے بڑے بھائی مولوی حکیم سید ابوجیب مختار خوی مجددی.....
توحید و سنت کے شیعہ اور دلدادہ تھے۔ اور تمام عمر کامل اتباع سنت اور
زہد و تقویٰ میں گذاری..... مسلمانوں میں بدعت کا رواج زیادہ زور و
کے سبب ہے اس لئے اُن کو اپنے رشتہ کی بیسیوں اور گاؤں کی دوسری بیسیوں
کو سمجھانے اور اسلام کی صحیح تعلیم سے آشنا کرنے کی دھن تھی۔ انھوں نے ہفتہ میں
ایک دن بیسیوں میں وعظ و تلقین کیلئے مخصوص فرمایا چونکہ میں بچہ تھا قاری
ختم ہو کر میزان و مشعب شروع کی تھی۔ قرآن پاک کے بعد مولانا شاہ اسماعیل
شہیدؒ کی تقویۃ الایمان دین کی پہلی کتاب میرے ہاتھ میں دی گئی میں ان
بیسیوں کے سچ بیٹھ کر تقویۃ الایمان کی ایک ایک بات پڑھتا تھا اور بھائی
صاحب مرحوم پردہ کے پیچھے سے ایک ایک مسئلہ کی تشریح و تفسیر فرماتے اور جو وہ
فرماتے وہ میرے دل میں بیٹھتا جاتا۔

یہ پہلی کتاب تھی جس نے مجھے دین حق کی باتیں سکھائیں اور ایسی سکھائیں
کہ انشاءً فیہ تعلیم و مطالعہ میں بیسیوں آندھیاں آئیں کتنی دفعہ خیالات کے طوفان
اٹھے مگر اس وقت جو باتیں جو پکڑ چکی تھیں ان میں سے ایک بھی اپنی جگہ سے
ہل نہ سکی، علم کلام کے مسئلہ انشاء و مخزکہ کے نزاعات، غزالی و رازی
و ابن رشد کے دلائل یکے بعد دیگرے لگا ہوئے گذرے مگر اسماعیل شہیدؒ کی
”تلقین بہر حال اپنی جگہ باقی رہی۔ (شاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ص ۷)

اب ذرا موازنہ کیجئے تقویۃ الایمان اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے متعلق ان حضرات کے
احساسات و تاثرات کا محترم مولانا ابوالحسن زید صاحب کے اس فیصلہ سے کہ ”اس کتاب
میں ایسی عبارتیں ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کی گئی ہے“
اس لئے اللہ کے نیک بندوں کے دل اس سے آزرده ہوتے ہیں اور وہ مولانا اسماعیل
دہلوی سے منفرد ہیں“۔

————— ۱ ————— ”شتان بین مشرق و مغرب“
اور ————— ۲ ————— ”بیس تفات رہ از کجا است تا کجا“ کے مصداق

ان دونوں تاثرات میں زمین آسمان کا فرق آپ کو صاف نظر آئے گا۔ اگر مولانا

یو محسن زید صاحب کی یہ بات صحیح ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ جن لوگوں کے اثرات
سطور بالا میں پیش کئے گئے ان کے دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت سے
معاذ اللہ بالکل خالی ہیں۔ اور وہ حدیث نبویؐ لایڈن آف من آئد کما حقہ اکونہ لمب
یہ من والدہ وولدہ والناس أجمعین کے بموجب ایمان سے محروم نہیں
تہا فیض الایمان اور اللہ کے نیک بندوں کی فہرست سے خارج ضرور ہیں۔۔۔۔۔!!
بلکہ بات یہاں پر اگر کبھی نہیں ٹھہرتی، مولانا ابوالحسن زید صاحب نے اپنی کتاب میں
جس طرح تقویۃ الایمان و مولانا اسماعیل کے متعلق بعض حضرات کے سخت منفی خیالات کا
پنے موزن کی دلیل کے طور پر تذکرہ فرمایا ہے اس کی روشنی میں تو معاملہ کی نوعیت کہیں
بیاہ سنگین ہو جاتی ہے۔

مولانا فضل حق خیر آبادی تیرہویں صدی کے معروف اور مولانا اسماعیل دہلویؒ
عہد معاصر اہل علم میں سے ہیں بعض وجوہ سے ایک زمانہ میں ان پر مولانا اسماعیل دہلوی کی
شدید مخالفت کا غلبہ ہو گیا تھا، اس زمانہ میں انھوں نے ایک کتاب تحقیق الفتویٰ فی
بطال الطغویٰ لکھی تھی جو دراصل تقویۃ الایمان میں مثلہ شفاعت کے باب سے میں مولانا اسماعیل
دہلوی کی ایک عبارت کے متعلق ایک سائل کے تین سوالات کے جواب کے طور پر لکھی گئی تھی، کتاب خاصی مفید
ہے۔ اس عاجز کے پاس اس کا جو نہایت قدیم قلمی نسخہ ہے اس کے صفحات ۲۸۸ ہیں۔
ابا جواب کی اسی طوالت کے پیش نظر مولانا خیر آبادی نے کتاب کے آخر میں سائل کے
سوال اور اپنے جواب کا خلاصہ خود ہی لکھ دیا ہے۔ ذیل میں وہ خلاصہ اور اس کا ترجمہ
نظر فرمائیے۔۔

استغنی در استغناء سوال کرو، کیونکہ مستغنی نے تین سوال کئے تھے (۱) تقویۃ
یہ کلام حق است یا باطل، دوئم آنکہ الایمان کی پیش کردہ عبارت حق ہے یا باطل؟
ثالث بر استغناء و انتقام شان حبیب (۲) یہ کلام حضرت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ
توقیر حضرت سید الاولیاء والاخرین والتسلیمات کی شان میں ہے ادبی اور فقہی

اہل نظر نے اس سلسلہ کی وجوہ کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں سے مولانا خیر آبادی کا مقصود ظاہر
یہ اشتغال عمومی طور پر انادو لیدی کا لڑکا جاتا ہے۔ مولانا اسماعیل دہلوی سے معاصرانہ رشتہ
دوہ لایوں والوں کی اشتعال انگیزی اور تفرقہ اندازی کی کوشش قابل ذکر ہیں۔ واللہ اعلم

پر مشتمل ہے یا نہیں؟ (۳) اگر یہ بات صحیح ہے کہ اس کلام میں حضورؐ کی شان میں بے ادبی اور تنقیص ہے تو اسکے قائل اور اس کا عقیدہ رکھنے والوں کے بارے میں شریعت کا حکم کیسا ہے؟

(۱) پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام از سر تا پا جھوٹ قریب اور دھوکہ بازی ہے کیونکہ وہ آنحضرتؐ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ اور اصفیاء و اولیاء سے گنہگاروں کے حق میں شفاعت مجتہد اور شفاعت و جاہلیت کی نفی کرتا ہے اس کا یہ عقیدہ کتاب اللہ اور حضورؐ کے ارشادات اور مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے جیسا کہ تفصیل سے لکھا جا چکا۔

(۲) دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ اس کا یہ کلام سرور کائنات اور تمام انبیاء و ملائکہ اور اصفیاء و مشائخ اور اولیاء کرام کی شان میں بے ادبی اور تنقیص پر مشتمل ہے۔

(۳) تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام کہنے والا شخص (اس عبارت کا لکھنے والا) شرع میں حکم کے مطابق کافر ہے دین ہے ہرگز مؤمن اور مسلمان نہیں اور شرعاً اس کا

افضل الانبیاء والمرسلین اشغال و ابدانہ سم آکر بر تقدیر اشغال و ابدانہ ان شفاعت استحقاق و انتقام خاص شان آنحضرتؐ حکم ترکیب آن شرعاً چیست؟ و اندوئے دین و ملت کیست؟

جواب سوال اول این است کہ کلام قائل مذکور از سر تا پا کذب و زور و قریب و غرور است کہ او نفی سبب بیرون شفاعت برائے نجات گنہگاراں و نفی شفاعت و جاہ و شفاعت مجتہد از آن حضرتؐ و حضرات سائر انبیاء و ملائکہ و اصفیاء می کند۔ این اعتقاد و خلاف کتاب معین و احادیث سید المرسلین است کما ثبت فی المقام الاول مفصلاً و قد بیان بطلان بعض کلمات فی المقام الثانی معللاً

جواب سوال دوم اینست کہ کلام او بلا تردد و اشتباه بر استحقاق منزلت و جاہ آن سرور و قربان بارگاہ حضرت اللہ و انتقام شان سائر انبیاء و ملائکہ و اصفیاء و شیوخ و اولیاء اشغال و ابدانہ چنانچہ در مقام ثالث مذکور و فیما سبق مبسوط و مفصلاً است۔

جواب سوال ثالث اینست کہ قائل این کلام لا قائل از روی شرع مبسوط بلاشبہ کافر و بے دیانت، ہرگز مؤمن و مسلمان نیست و حکم او شرعاً قتل و غیر

است وہ کہ در کفر و شک آرد یا تردد دارد
یا این استحقاق را سہل انگار و کافر و بدین
و نامسلمان و لعین است الا در کفر و بدین
کمتر است از کیکہ این کلام ضلالت نظام
را صواب و محسن پندارد و اعتقاد کند و این کلام را
از عقائد ضروریہ دین شمارد و آن کس در
کفر یا قائل ہمسر بلکہ در استحقاق از قبالات
چہ او استحقاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
و سایر انبیاء و ملائکہ و اولیاء را مستحق
داشت و آنرا از ضروریات دین پنداشت
و ہمچنان کیکہ ظاہر یا باطن یا سادری این
قائل در اینچنین مسائل رو دارد و برائے
حفظ حرمت او در اہل تاویلات و دراز کار
بر دئے کار آرد چہ او نیز مرکب استحقاق
شان حضرت سید المرسلین شکوہ پاسداری
بے دینہ را بر احترام سید الانام علیہ التحیۃ
و السلام رحمان داد بخوف ملامت بلکہ
بمقتضائے بدین و شامت در پئے اثبات
آنچہ بر استحقاق آنحضرت دلالت دارد
افتاد و این ہمہ کفر و زندقہ است و
الحادیہ

حکم یہی ہے کہ اسکی تکفیر کی جائے اور اسے نقل
کر دیا جائے۔ اور جو شخص اسکے کفر میں شک
کے اور اسکی بے ادبی اور گستاخی کو معمولی بتا
سمجھے وہ بھی کافر ہے دین اور غیر مسلم دونوں
لیکن اس شخص کا کفر ان لوگوں کے مقابلہ میں کم تر
درجے کا ہے جو اسکے کلام کو درست اور محسن سمجھیں
اور اس عقیدہ کو دین کے ضروری عقائد میں شمار
کریں اور ایسا کرنے والے کا کفر کلام کفریہ کے
برابر ہے بلکہ اس سے بھی بالاتر ہے چونکہ اس نے
آنحضرت اور دوسرے انبیاء کرام اور اولیاء
و اصفیاء اور ملائکہ کی توہین و تنقیص کو محسن
سمجھا بلکہ اسکو دین کا ضروری عقیدہ مانا۔
یہی حال ہے اس شخص کا جو ظاہر یا باطن
میں اس کلام کے کفریہ کی پاسداری کرتا
اور انکی آبرو بانی رکھنے کیلئے دور از کار تادیب
کرتا ہے اس لئے کہ وہ بھی اسی توہین و تنقیص کا
مرکب ہے کیونکہ وہ حضور کے احترام کے مقابلہ میں
ایک بے دین کی پاسداری کو ترجیح دیتا ہے اور
ملامت خوف سے بلکہ فی الحقیقت اپنی بخوشی
کی وجہ سے ان چیزوں کے ثامت کرنے کیلئے پیچھے
پڑا ہے جن میں حضور اکرم کی توہین و تنقیص ہے اور
یہ سب کفر و الحاد اور زندقہ ہے.....

ہمیں یہاں مولانا فضل حق خیر آبادی کے اس فتوے پر گفتگو نہیں کرنی ہے نہ اسکی ضرورت
ہے، ماضی میں اس موضوع پر کافی بحث کی جا چکی ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ
خود مولانا فضل حق خیر آبادی نے اس سے رجوع کر لیا تھا، جیسا کہ انشاء اللہ ہم آئندہ

عرض کریں گے۔ ہم تو یہاں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ محترم مولانا ابوالحسن زید صاحب نے اپنی کتاب میں اس فتویٰ کو تحقیق الیقین اور تحقیق بھری کتاب قرار دیا ہے اور صاف لفظوں میں اسکی تائید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے :-

”میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور بہ اثر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص انصاف

کی نظر سے اس کا مطالعہ کرے گا وہ ان اکابر کا ہمنوا بنے گا۔“

اس کا صاف مطلب اور لازمی نتیجہ یہی سمجھا جائے گا کہ مولانا زید صاحب کو اس فتوے سے پورا اتفاق ہے انکے نزدیک بھی وہ تمام حضرات جو تقویۃ الایمان کے مشعلات کو درست اور کتاب و سنت کے مطابق سمجھتے ہیں کافریہ دین اور غیر مسلم اور ملعون ہیں اب آپ خود سمجھ لیجئے کہ کیسے کیسے علماء و مشائخ اور زہد و تقویٰ و علم و معرفت کے اساطین اس فتوے کی زد میں آتے ہیں؟ گذشتہ صفحات میں ہم نے تقویۃ الایمان کے بارے میں جن بزرگوں کے توصیفی و تشریحی کلمات نقل کئے تھے اس موقع پر ذرا ایک بار پھر انکے ناموں پر نظر ڈال لیجئے اور انکی شخصیتوں اور رتبہ و مقام کو ذہن میں تازہ کر لیجئے.....!!

ہم اب تک مولانا زید صاحب کے بارے میں جو کچھ جانتے تھے اسکی روشنی میں یہ صورتحال ہمارے لئے سخت حیران کن بھی ہے اور غم انگیز بھی !
ناطفہ سرگریباں کہ اسے کیا کیجئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی ہر طرح کے زین و ضلال سے آخری وقت تک حفاظت فرمائے۔

مولانا فضل حق خیر آبادی کے رجوع کا مسئلہ

مولانا فضل حق خیر آبادی کے فتوے کا ذکر چھڑ ہی گیا ہے، تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کو اس تحقیقت سے بھی آگاہ کر دیا جائے کہ قابل اعتماد دلائل و شواہد سے یہ ثابت ہے کہ انھوں نے اپنے مذکورہ بالا فتوے سے جزائر انڈمان میں اسیری کے دوران رجوع کر لیا تھا، (یاد رہے کہ مولانا خیر آبادی اور مولانا مفتی عثمانیت احمد کا گوروی ان متعدد علماء و مشاہیر میں سے تھے جنھیں ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کے بعد برطانوی حکومت نے جس دوام عجور و ربائے شوالہ کی سزا دی تھی اور جزائر انڈمان (کالا پائی) میں قید کر دیا تھا۔

امیر شاہ خان صاحب جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ کی روایت ہے کہ مولانا سلج احمد اسٹریٹ

سنبھلی نے ان سے یہ بیان کیا تھا کہ مولانا مفتی عنایت احمد کا گوروی نے — جنیس
انڈمان سے رہا کر دیا گیا تھا۔ اور وہ ۱۲۷۵ھ میں اپنے وطن واپس آگئے تھے —
انھیں (یعنی مولانا سرسراج احمد سنبھلی کی) بتایا تھا کہ مولانا فضل حق خیر آبادی بہت
نام تھے، اور بہت روتے تھے کہ انھوں نے مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی مخالفت
کی — انھوں نے (انڈمان میں) اپنے رفقاء سے کہا تھا کہ آپ لوگ
گواہ رہیں کہ میں نے اس سے رجوع کر لیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ کر لی
ہے — اور اگر مجھے رہائی مل گئی تو ہندوستان پہنچ کر اپنے رجوع کو شائع بھی
کروں گا۔ مولانا مفتی عنایت احمد صاحب نے یہ بھی بتایا تھا کہ انھوں نے
اس کے بارے میں اپنے صاحبزادے مولانا عبدالحق خیر آبادی کے نام خط بھی
لکھ کر دیا تھا۔

آگے امیر شاہ صاحب کا بیان ہے کہ میں نے مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھی کی
خدمت میں حاضر ہو کر (جو مولانا مفتی عنایت احمد صاحب کے شاگرد تھے اور انکی رہائی
کے بعد انکی خدمت میں کاکوری حاضر بھی ہوئے تھے) مولانا فضل حق خیر آبادی کے رجوع
کے بارے میں مولانا سرسراج احمد صاحب کی بیان کی ہوئی مذکورہ بالا بات کا ذکر کیا تو
انھوں نے اسکی تصدیق فرمائی، البتہ مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی کے نام خط کے
بارے میں فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں — (مختصاً امیر الروایات ص ۱۶۱)
اگرچہ حضرت مولانا سرسراج احمد صاحب اسراہیلی سنبھلی کی سند سے امیر شاہ خاں صاحب
کی بیان کی ہوئی روایت — جسکی تصدیق حضرت مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی نے بھی
فرمائی — رجوع کے ثبوت کے لئے کافی ہے لیکن مسئلہ جو کہ اہم ہے اس لئے یہ عاجز مناسب
سمجھتا ہے کہ اس کے کچھ قرائن و شواہد بھی ذکر کر دیئے جائیں۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی جماعت کا ایک آرگن ماہنامہ "المیزان" کے
نام سے سبھی سے شائع ہوتا ہے۔ اس کا ایک خاص نمبر ۱۹۷۱ء میں امام احمد رضا نمبر "ان عنوان
لہ مولانا سرسراج احمد اسراہیلی سنبھلی حضرت مفتی عنایت احمد کا گوروی، حضرت مولانا فضل حق
خیر آبادی کے ہم عصر اور اُس دور کے اکابر علماء میں تھے، ۱۳۷۱ھ میں نوٹے سال کی عمر میں وفات
پائی اس محافلے ۱۳۷۱ء کے ہنگامہ کے وقت انکی عمر پچاس سال کے قریب تھی۔

شائع ہوا تھا اس میں مولوی احمد رضا خاں صاحب گہری عقیدت رکھنے والے پروفیسر
مختار الدین احمد صاحب (ڈپٹی کمشنر آف آرٹس سلم یونیورسٹی علی گڑھ) کا مولوی احمد رضا خاں صاحب
کے بارے میں ایک مضمون شخصی جائزہ کے نام سے چھپا تھا۔ فاضل مضمون نگار نے اس میں
نواب کلب علی خاں والی ریاست رامپور کی مجلس میں مولوی احمد رضا خاں صاحب اور مولانا
فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے اور جانشین مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی روم
کی ملاقات کا ذکر کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ :-

• علامہ خیر آبادی نے گفتگو کا رخ موڑ دیا اور پوچھا کہ بریلی میں آپ کا کیا
شغل ہے۔ اٹھ حضرت نے فرمایا کہ تدلیس و تصنیف اور افتاء۔ پوچھا کس فن میں
تصنیف کرتے ہیں اٹھ حضرت نے فرمایا کہ عربیہ میں ضرورت دیکھی اور رد و پایہ
مولانا نے فرمایا کہ آپ بھی رد و پایہ کرتے ہیں ایک وہ ہمارا بدایونی خطبی ہے ہر وقت
اس خط میں نقل رہتا ہے۔ (المیزان امام احمد رضا نمبر ۳۳)

آگے فاضل مضمون نگار نے مولانا خیر آبادی کے اس آخری جملہ کے بارے میں لکھا ہے کہ
یہ اشارہ مولوی فضل رسول بدایونی کے فرزند و جانشین مولوی عبدالحق بدایونی کی
طرف ہے ان کا مشغلہ اور شغل بھی وہی رہا ہے جو انکے والد بزرگوار مولوی فضل رسول
بدایونی کا تھا۔

یہ عاجز عرض کرتا ہے اور امید ہے کہ ہر صاحب فہم یہی سمجھے گا کہ مولانا عبدالحق خیر آبادی
مرحوم کا رد و پایہ کو خط اور اسکو زندگی کا مشن بنانے والے کو خطبی کہنا اس بات کی روشنی میں
ہے کہ یہ بات انکے علم میں آچکی تھی کہ انکے والد ماجد حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ
نے مولانا اسماعیل شہیدؒ کی تکفیر کے فتوے سے رجوع فرمایا تھا۔

پھر انکے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کا جو رویہ رہا کہ وہ شاہ اسماعیل شہیدؒ
کو مومن صادق امت کا صلح اور شہید فی سبیل اللہ سمجھنے والے اکابر علماء کے ساتھ دیا یہی
تعلق اور برتاؤ رکھتے تھے جیسا کہ علماء حق کا ایک دوسرے کے ساتھ ہونا ہے یہ بھی اسکی روشن
دلیل ہے کہ انکو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ مولانا فضل حق نے خاص کر تحقیق الفتوی سے
رجوع کر لیا تھا۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب ڈیڑھ سو سال تک طبع نہیں ہوئی،
حال ہی میں سنا ہے کہ پاکستان میں مولوی احمد رضا خاں صاحب کی جماعت سے تعلق رکھنے والے

بعض لوگوں نے یہ کتاب طبع کر کر شائع کر دی ہے۔

اس عاجز نے خیر آباد کے علمی سلسلہ کے آخری بزرگ حضرت مولانا معین الدین اجیریؒ کو دیکھا ہے اور بفضلِ توفیق ان سے اچھا خاصا نیاز و نیازِ رباط بھی رہا ہے ان کا رویہ یہ تھا، انکے ایک عزیز اور چھپتے شاگرد مولانا عبد اللہ شاہ خاں شروانی نے حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ کے عربی قصیدہ "الشعرۃ الهندیۃ" کا ترجمہ ایک طویل مفصل مقدمہ کے ساتھ باغی ہندوستان کے نام سے اسے قریباً نصف صدی پہلے لکھا اور شائع کیا تھا اس پر انھوں نے صراحت کے ساتھ مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولانا شاہ اسماعیل شہید دونوں کا ذکر پورے احترام کے ساتھ کیا ہے اور دونوں کو شہید فی سبیل اللہ قرار دیا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ حال اور مسلک انکے محترم استاد حضرت مولانا معین الدین اجیریؒ کے تلمذ اور فیضِ صحبت کا نتیجہ ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت مولانا معین الدین اجیری علیہ الرحمۃ اور انھیں کے طبقہ کے خیر آبادی سلسلہ کے ممتاز صاحبِ درس عالم مولانا فضل حق رامپوری (پرنسپل مدرسہ عالیہ ریاست رامپور) جو حضرت مولانا معین الدین ہی کی طرح بیکہ اسلم مولانا عبد الحق خیر آبادی مرحوم کے شاگرد تھے، ان دونوں حضرات کا معمول تھا کہ اپنے اُن شاگردوں کو جو علمی لحاظ سے ممتاز ہوتے ان کو مشورہ دیتے کہ وہ یہاں سے فراغت کے بعد حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ سے حدیث شریف پڑھنے کے لئے ایک سال کیلئے دارالعلوم دیوبند جائیں، یہ عاجز ایسے متعدد حضرات سے واقف ہے۔ الغرض ان قرائن و شواہد کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت مولانا مفتی عنایت احمد صاحب کی روایت کے بارے میں کسی کیلئے شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

۱۔ مولانا فریدی مرحوم کے مضمون کے آخر میں ناظرین کرام ۱۳۳۵ھ میں جامع مسجد دہلی میں ہونے والے ایک مباحثہ و مناظرہ کی روئداد ملاحظہ فرما چکے ہیں، خدا کرے کہ تاریخی اعتباراً سے یہ روئداد مولانا کا ایک نادر تحفہ سمجھ کر پڑھی جائے۔ اہل ذوق و اہل نظر ہی اسکی تاریخی اہمیت کو محسوس کر سکیں گے۔ یہاں پر یہ عاجز ایک ایسے علمی پہلو کی طرف بھی عام قارئین کی اور خصوصاً اہل علم کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہے جو خود اسے بڑی شدت سے اس روئداد کے مطالعہ کے دوران محسوس ہوا۔ وہ یہ کہ یہ ایک عجیب و غریب تم کا مناظرہ تھا، ایک

فرق ہزاروں کا صحیح ساتھ لے کر جامع مسجد میں اچانک آگیا تھا اور دوسرے فرقے — یعنی مولانا اسماعیل شہیدؒ، مولانا عبدالحی شہیدؒ اور ان کے کسی فریق و جمعیال — کو خبر بھی نہیں تھی کہ کوئی مناظرہ ہو رہا ہے۔ مولانا عبدالحی اپنے روزمرہ کے معمول کے مطابق جامع مسجد میں درس و وعظ میں مشغول تھے۔ جب ان کے سامنے مناظرہ کا مسئلہ رکھا گیا تو انھوں نے عذر کیا، انکو مجبور کیا گیا، بالآخر وہ اس مجمع میں تشریف لائے۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ بھی ساتھ تھے، انکو تو انھوں نے مشورہ دیا کہ آپ تو گھر تشریف لے جائیں۔ پھر اس مناظرہ میں وہ ہوا، آپ خود مولانا عبدالحی صاحب کی زبانی سن چکے ہیں۔ اس روئندہ کے مطالعہ سے ٹھہرتے، نفسی اور باہر جیت کے بے نیاز ہو کر مضر احقاق حق اور نہایت خلق کا جو نمونہ سامنے آتا ہے وہ بڑا ہی سبق آموز اور قابل تقلید ہے۔

یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا عبدالحی کے پیش نظر جھگڑنے کو طویل دینا نہیں ہے بلکہ صرف یہ ہے کہ سوال کا مختصر جواب دے کر اس ہنگامہ آرائی کو جلد از جلد دفع کیا جائے۔ اس مناظرہ کا یہ پہلو بھی خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ اس میں نہ نقویۃ الایمان کا ذکر آیا ہے نہ اسکی ان عبارتوں میں کسی عبارت پر بحث کی گئی ہے جسکی بارے میں حضرت شاہ شہیدؒ کے مخالفین کا دعویٰ ہے کہ ان میں (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تعظیم کی گئی ہے اور اسی بنیاد پر کفر کے فتوے دیئے گئے۔ اور معلوم ہے کہ شاہ شہیدؒ نے اپنے سفر حج سے پہلے (جولائی ۱۲۳۳ھ میں ہوا) نقویۃ الایمان تصنیف کی تھی اور اسے چھپا چکی تھی اور یہ مناظرہ چار سال کے بعد ۱۲۳۶ھ میں ہوا ہے پس اگر شاہ شہیدؒ سے اختلاف کرنا چاہو تو اسے (مولانا) مخصوص اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ارحم الراحمین صلی اللہ علیہ وسلم کا نقویۃ الایمان کے متعلق وہ دعویٰ ہوتا جو مولوی فضل رسول بدایونی اور مولوی احمد رضا خان صاحب بدایونی کا تھا اور اب معلوم ہو کہ ہمارے محترم مولانا زید صاحب کا بھی ہے تو مناظرہ میں اس پر بحث ضرور ہوتی۔

الغرض مناظرہ میں نقویۃ الایمان کا نام تک نہ آنا اور اسکی کسی عبارت پر بحث نہ ہونا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ شاہ شہیدؒ کے اس قسے کے مخالف علماء کرام نقویۃ الایمان اور شاہ شہیدؒ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تعظیم و توہین کا الزام نہیں لگاتے تھے۔ مولانا زید صاحب نے اس مناظرہ میں زیر بحث آنے والے جن چودہ مسائل کا ذکر کیا ہے ان میں بھی نقویۃ الایمان کسی عبارت کے متعلق کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

ہم آخر میں صاف لفظوں میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم نہ حضرت

شاہ اسماعیل شہیدؒ کو معصوم سمجھتے ہیں، نہ ان کے استاد و مرید حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کو، نہ ان کے شیخ و مرشد سید احمد شہیدؒ کو، اور نہ ان کے دادا حضرت شاہ ولی اللہؒ کو اور نہ ان کے سب کے شیخ الشیخ سیدنا امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کو۔ الحمد للہ ہم نہ صرف یہ عقیدہ رکھتے ہیں بلکہ اسے ہر آن مختصر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ بنی آدم میں معصوم صرف انبیاء علیہم السلام ہیں۔ ان کے علاوہ بڑے سے بڑے عالم محدث، مفسر، مصلح اور امام سے غلطی ہو سکتی ہے۔ امام دارالہجۃ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا وہ ارشاد ہمارے نزدیک بالکل برحق اور امت کے لئے ناقیامت رہنما اصول ہے جو انھوں نے مسی نبویؐ میں سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

کل یعخذ منه ویود علیہ الاثما ہر شخص سے کچھ اخذ کیا جاتا ہے اور کچھ
 هذا القبر علیہ الصلوٰۃ والسلام رد کیا جاتا ہے، سوائے اس قبر مبارک

میں آرام فرمانے والے کے، علیہ الصلوٰۃ والسلام

اس لئے شاہ اسماعیل شہیدؒ کی کتاب تقویۃ الایمان میں، یا کسی اور کتاب میں یا کسی بھی عالم دین کی کتاب میں، یا ان کے علمی اقدمات میں ایسی چیزیں بالکل ہو سکتی ہیں جو ناقابل قبول ہوں، اور انکو رد کرنا قبول کرنے سے بہتر یا ضروری ہو۔ لیکن حضرت شاہ اسماعیل شہید علیہ الرحمۃ ہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی و گستاخی کا الزام لگانا اور یہ کہنا کہ تقویۃ الایمان سے مذہبی آزاد خیالی کا دور شروع ہوا، اور یہ کہ اس کتاب سے بارگاہ نبوت کی تعظیم و احترام میں نقصیرات کا سلسلہ شروع ہو گیا، بیان نہیں کیا جاسکتا کہ ان لوگوں کیلئے کتنا تکلیف دہ ہے جنھوں نے انہی بزرگوں کی مساعی جمیلہ کے نتیجے میں توحید و سنت اور محبت رسول کا سبق پڑھا ہے اور جن کے پاس جو کچھ ہے انہی حضرات کی محنتوں اور دعاؤں کی برکت سے ہے اور جو گرد و پیش کے حالات اور ماضی و حال کے جائزہ کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ

یہ بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے

یہ سب پودا انھیں کی لگائی ہوئی ہے

اللہ کا شکر ہے کہ ابھی ہم غلاموں کا اتنا خون سفید نہیں ہوا، اللہ کا ایک نامیہ و معذرا اور صلح بندہ اس قسم کے الزامات سن کر تڑپ اٹھا اور راہ میں شہید ہونے والے

ایک مخلص بندہ (شاہ محمد اسماعیل رحمہ اللہ) کی طرف سے دفاع اور ان پر لگائے جانے والے غلط الزامات کی تردید کر اپنے لئے زادِ آخرت اور رضا و الہی کا وسیلہ سمجھتے ہوئے اسی نابینائی اور محذوری کی حالت میں مضمون لکھا یا جو ناظرین کرام نے اس عاجز کی معروفت سے پہلے ملاحظہ فرمایا۔ اور عجب نہیں کہ اسی مخلص بندہ کے مددِ دل کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس مبتلا و امراض بوڑھے ضعیف بندہ کے جسمِ ناتواں میں وہ کیفیت پیدا فرمادی جس نے وہ سب کچھ لکھوا دیا جو آپ نے تکملہ کے زیرِ عنوان یہاں تک پڑھا۔ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ

آخر میں ناظرین کرام کو یہ بتلانا بھی مناسب ہے کہ تکملہ میں محترم مولانا ابوالکلام آزاد دہلوی اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید اور تقویۃ الایمان سے متعلق چند اور اہم باتیں بھی اس عاجز کو لکھنی تھیں لیکن یہ محسوس کر کے کہ جو لکھا جا چکا وہ بھی بہت ہو گیا ہے اسکو اس وقت لکھنا مناسب نہیں سمجھا۔ اگر زندگی رہی اور اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو انشاء اللہ الفرقان کے کسی قریبی شمارہ میں اسکو بھی پیش کیا جاسکے گا۔ ناظرین کرام سے بھی دعا کی درخواست ہے۔ واللہ الموفق وهو المستعان۔



جلد نمبر	شمارہ نمبر	صفحہ نمبر	کل صفحہ	عنوانات
۵	۶	۳۳-۴۰	۸	شاخ چشتیہ اور سماع مزامیر
۵	۷	۲۱۷-۲۲۲	۲۸	تذکرہ خلفائے مجدد الف ثانیؒ
۵	"	۲۸۱	۲۰	آفتاب سرسبز (نظم)
۷	۸	۲۳۰	۱	مزار شاہ ولی اللہ پریوچ کر (نظم)
۸	۹	۷۲-۷۱	۲	حضرت شاہ ولی اللہ اور دارالعلوم دیوبند (نظم)
۱۷	۱۰	۱۵۷	۱	سرکارِ مدینہ (نظم)
۱۹	۱۱	۱۲-۲۲	۱۳	اب سے ایک سو چالیس برس پہلے قسط ۱
۱۹	۱۲	۲۵-۲۷	۱۳	" " " " " " " " " " " "
۲۰	۱	۲۲-۳۴	۱۳	" " " " " " " " " " " "
۲۰	۶	۱۳-۲۶	۱۴	بحر ولایت کے دو آبدار موتی قسط ۱
۲۰	۷	۳۶-۴۸	۱۳	" " " " " " " " " " " "
۲۱	۱	۲۳-۳۱	۹	تذکرہ باقیؒ قسط ۱
۲۱	۲	۲۶-۳۳	۸	" " " " " " " " " " " "
۲۱	۳	۲۷-۳۲	۶	" " " " " " " " " " " "
۲۱	۴	۲۸-۳۲	۵	" " " " " " " " " " " "
۲۱	۶	۳۹-۴۸	۱۰	تاغ اعرافین
۲۱	۷	۲۹-۳۲	۴	طالبان ملک کی ہمت افزائی (ترجمہ کنونج لیجر سوم)

۱۔ مرزا مظہر جان جاناں کی مجلس
۲۔ فتح تاج الدین سنبھلی، خلیفہ دہاتی، ۱۸۷۰ء

ردیف	صفحه	شماره	جلد	عنوانات
۸	۲۶-۱۹	۱	۲۵	مکتوبات خواجہ محمد مصوم
۸	۱۴-۷	۲	۲۵	۱۷ " " "
۱۱	۲۷-۱۷	۳	۲۵	۱۸ " " "
۱۲	۲۲-۱۱	۴	۲۵	۱۹ " " "
۹	۲۶-۱۸	۵	۲۵	۲۰ " " "
۱۱	۱۷-۷	۶	۲۵	۲۱ " " "
۱۰	۱۴-۵	۷	۲۵	۲۲ " " "
۴۲	۵۶-۱۵	۵	۲۶	آزاد کی کہانی
۱۵	۲۵-۲۱	۱۱	۲۶	نواب مصطفیٰ خان شیفتہ درویش کا سفر نامہ حجاز
۲۷	۳۹-۱۳	۱۲	۲۶	۲۳ " " " "
۱۵	۲۰-۶	۲	۲۷	تجلیات حضرت مجدد الف ثانی
۱۴	۲۷-۱۳	۳	۲۷	۲۴ " " "
۹	۲۲-۱۴	۴	۲۷	۲۵ " " "
۱۳	۲۳-۱۱	۵	۲۷	۲۶ " " "
۱۸	۴۲-۲۵	۶	۲۷	۲۷ " " "
۱۴	۲۲-۹	۷	۲۷	۲۸ " " "
۱۴	۲۶-۱۳	۸	۲۷	۲۹ " " "
۱۵	۳۴-۲۰	۱۱-۱۰-۹	۲۷	۳۰ " " "
۱۶	۲۷-۱۲	۱۲	۲۷	۳۱ " " "
۸	۲۶-۱۹	۱	۲۸	۳۲ " " "
۱۰	۲۶-۱۷	۲	۲۸	۳۳ " " "
۱۰	۲۷-۱۸	۳	۲۸	۳۴ " " "
۷	۲۵-۲۹	۴	۲۸	۳۵ " " "
۸	۲۴-۱۷	۶-۵	۲۸	۳۶ " " "

صفحة	مجلد نمبر	شماره نمبر	صفحه نمبر	عنوانات
٩	٢٢-٢٣	٤	٢٨	تجلیات مجدد الف ثانی " قسط ١٥
٨	٢٨-٢١	٨	٢٨	١٦ " " "
١٣	٢١-٩	٩	٢٨	١٧ " " "
٩٠	٩٢-٣	١١-١٠	٢٨	سفرنامه حجاز از مولانا رفیع الدین حکیم قاضی لاہور
٢٢	٢٥-٢٢	٥	٢٩	زیارت حرمین قسط ١
٨	٢٦-٢٩	٦	٢٩	٢ " " "
٤	٢٢-٢٨	٤	٢٩	٣ " " "
٤	٥٥-٢٩	٨	٢٩	٤ " " "
١٦	٢٦-٣١	٩	٢٩	٥ " " "
٨	٥٦-٢٩	١٠	٢٩	تجلیات مجدد الف ثانی " قسط ١٦
٩	٢١-١٣	١٢	٢٩	١٧ " " "
١١	٢٦-١٦	١	٣٠	٢ " " "
١٣	٢٦-١٢	٢	٣٠	٣ " " "
١١	٢٢-٢٢	٣	٣٠	٤ " " "
٣	١٤-١٥	٢	٣٠	٥ " " "
٨	٢٩-٢٢	٥	٣٠	٦ " " "
٦	٢٨-٢٣	٦	٣٠	٧ " " "
٤	٣١-٢٥	٤	٣٠	٨ " " "
١١	٢٢-٢٢	٨	٣٠	٩ " " "
١٢	٥٢-٢١	١١-١٠-٩	٣٠	١٠ " " "
١٠	٢٢-٢٣	١٢	٣٠	١١ " " "
٩	١٣-٥	١	٣١	١٢ " " "
٩	٢٢-٢٦	٣-٢	٣١	١٣ " " "
٤	٢٥-١٩	٢	٣١	١٤ " " "

جلد نمبر	شماره نمبر	صفحہ نمبر	کل صفحات	عنوانات
۳۱	۵	۶-۱۸	۱۳	تجلیات مجدد الف ثانیؒ قسط ۳۳
۳۱	۶	۱۴-۲۵	۹	۳۴ " " "
۳۱	۷	۲۳-۲۹	۷	۳۵ " " "
۳۱	۸	۳۶-۴۲	۹	۳۶ " " "
۳۱	۹-۱۰	۴۹-۶۱	۱۳	۳۷ " " "
۳۱	۱۱-۱۲	۱۴-۲۲	۶	۳۸ " " "
۳۲	۱	۱۴-۲۸	۱۲	۳۹ " " "
۳۲	۳	۲۳-۳۲	۱۰	۴۰ " " "
۳۲	۴	۲۳-۲۶	۴	۴۱ " " "
۳۲	۵	۹-۱۶	۸	۴۲ " " "
۳۲	۶	۲۶-۳۵	۱۰	۴۳ " " "
۳۲	۷	۲۱-۲۵	۵	۴۴ " " "
۳۲	۸	۲۷-۳۳	۷	۴۵ " " "
۳۲	۹	۱۴-۲۲	۸	۴۶ " " "
۳۲	۱۱-۱۲	۶-۱۸	۱۳	حضرت شاہ ابوسعید حسینیؒ کے روابط حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور کے خاندان کے
۳۳	۱	۹-۲۲	۱۶	قسط ۱ " " "
۳۳	۲	۱۳-۳۱	۱۹	۳ " " " "
۳۳	۳-۵	۴۱-۵۲	۱۲	حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی چند خصوصیات
۳۳	۶	۱۶-۲۶	۱۱	سلسلہ ولی اللہی کا ایک نام تین شریعت دہشت
۳۳	۸	۳۲-۴۱	۱۰	حضرت شاہ ابوالرضا دہلویؒ قسط ۱
۳۳	۹	۳۳-۴۰	۸	۴ " " "
۳۳	۱۰	۱۵-۲۸	۱۴	۵ " " "

لے دفتر سوم کا آغاز۔ لے حضرت شاہ مجدد الف ثانیؒ کے حالات۔

جلد نمبر	تعارف نمبر	صفحہ نمبر	عنوانات
۳۳	۱۱	۲۳-۱۲	حضرت شاہ عبدالرحیم فاروقی دہلوی قضا
۳۳	۱۲	۲۲-۱۵	۱ " " " "
۳۴	۱	۲۲-۱۶	۲ " " " "
۳۴	۲	۳۰-۱۹	۳ " " " "
۳۴	۴	۲۳-۱۳	۴ " " " "
۳۴	۶	۲۶-۱۹	۵ " " " "
۳۴	۷	۲۵-۱۵	۶ " " " "
۳۵	۱	۳۰-۱۶	سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز قندھاری
۳۵	۲	۳۶-۲۵	مختصر حالات لغویات غیر مطبوعہ علمی ولدی تبرکات
۳۵	۳	۳۲-۲۳	۱ " " " "
۳۵	۴	۱۸-۱۲	۲ " " " "
۳۵	۶	۲۰-۱۲	۳ " " " "
۳۵	۷	۱۶-۱۰	۴ " " " "
۳۵	۸	۲۱-۱۳	۵ " " " "
۳۵	۱۱-۱۱-۱۰	۱۳۲-۱۲۹	۶ " " " "
۳۶	۱	۲۴-۱۳	۷ " " " "
۳۶	۲	۵۶-۲۷	۸ " " " "
۳۶	۳	۳۶-۲۴	۹ " " " "
۳۶	۴	۳۴-۲۵	۱۰ " " " "
۳۶	۵	۵۶-۳۴	۱۱ " " " "
۳۶	۱۱-۱۱	۳۱-۲۳	حضرت شیخ شہاب الدین ہمدانی قدس سرہ
۳۶	۱۱-۱۱	۳۱-۲۳	اپنی وصایا اور نصائح کے آئینے میں
۳۷	۱	۲۴-۱۹	۱۲ " " " "

جلد نمبر	شمارہ نمبر	صفحہ نمبر	کلی صفحہ	عنوانات
۳۷	۲	۱۹-۲۳	۵	قطر " " " " "
۳۷	۳	۲۷-۵۲	۶	قطر " " " " "
۳۷	۴	۲۷-۳۰	۴	قطر " " " " "
۳۷	۵	۳۲-۳۰	۵	قطر " " " " "
۳۷	۶	۲۱-۳۲	۱۲	ارشادات حکیم الامت حضرت تھانوی
۳۷	۷	۱۷-۲۸	۱۲	قطر " " " " "
۳۷	۸	۲۵-۴۰	۱۶	قطر " " " " "
۳۷	۹	۲۰-۳۱	۱۲	قطر " " " " "
۳۷	۱۰-۱۱	۲۷-۴۰	۱۴	قطر " " " " "
۳۷	۱۲	۱۳-۲۶	۱۴	قطر " " " " "
۳۸	۱	۱۹-۲۶	۸	قطر " " " " "
۳۸	۲	۱۷-۲۶	۱۰	قطر " " " " "
۳۸	۴	۲۴-۳۳	۱۰	قطر " " " " "
۳۸	۵	۳۰-۳۵	۶	مجالس کھنؤ، ۱۰
۳۸	۶	۴۱-۴۶	۶	۱۱ ۲ " " " "
۳۸	۸	۴۱-۴۶	۶	۱۲ ۳ " " " "
۳۸	۹-۱۰	۳۹-۴۴	۶	۱۳ ۴ " " " "
۳۸	۱۱	۴۵-۵۲	۸	بزم خواجہ غلام دہلوی کی ایک جھلک
۳۸	۱۲	۵-۱۲	۸	قطر " " " " "
۳۹	۱	۲۳-۲۸	۶	دامان کوہ سے ایک مرد حق آگاہ کی آواز بازگشت
۳۹	۲-۳	۳۹-۴۶	۸	قطر " " " " "
۳۹	۵	۲۵-۳۲	۸	قطر " " " " "

صفحہ نمبر	شمارہ نمبر	جلد نمبر	حواشات
۶	۲۹-۲۴	۱۱	۳۹ قطرہ
۸	۲۶-۱۹	۱۲	۳۹ " " "
۵	۲۹-۲۵	۱	۴۰ " " "
۵	۲۴-۲۰	۲	۴۰ " " "
۵	۱۱-۷	۳	۴۰ " " "
۸	۳۳-۲۶	۲	۴۱ " " "
۶	۳۲-۲۷	۳	۴۱ " " "
۵	۱۱-۷	۵	۴۱ " " "
۶	۲۸-۲۳	۸-۷	۴۱ " " "
۵	۲۹-۲۵	۱۰	۴۱ " " "
۵	۱۶-۱۲	۱۱	۴۱ " " "
۸	۲۰-۱۳	۱۲	۴۱ " " "
۸	۲۷-۲۰	۲-۱	۴۲ " " "
۱۴	۱۹-۶	۹	۴۲ قافلہ اہل دل
۱۱	۱۴-۴	۱۰	۴۲ " " "
۱۰	۲۴-۱۵	۱۱	۴۲ " " "
۱۱	۲۹-۱۹	۱	۴۳ جواہر پاکے (اقتباسات مکاتیب رشیدیہ)
۱۲	۳۰-۱۹	۳-۲	۴۳ قطرہ " " "
۷	۱۹-۱۳	۸	۴۳ " " "
۷	۲۳-۱۷	۹	۴۳ " " "
۹	۱۷-۹	۱	۴۴ " " "
۱۳	۳۱-۱۹	۲	۴۴ " " "
۱۳	۳۷-۲۵	۳	۴۴ مولانا حکیم محمد صدیق قاسمی مولود آبادی

لے شاہ غلام علی مجذبی کتبات کے آئینہ میں لے تذکرہ خلفائے حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلویؒ

نمبر	عنوانات	جلد نمبر	شمارہ نمبر	صفحہ نمبر	تاریخ
۷	جواہر پائے (تجلیغ ترجمہ کاتب رشیدیہ قندھار)	۴۴	۷	۲۱-۲۷	۷
۸	۵۰ " " " "	۴۴	۸	۲۲-۱۷	۸
۱۰	۹۰ " " " "	۴۴	۹	۲۲-۲۵	۱۰
۱۰	۱۰۰ " " " "	۴۴	۱۱-۱۰	۱۶-۷	۱۰
۹	۱۱۰ " " " "	۴۴	۱۲	۱۲-۶	۹
۵	۱۲۰ " " " "	۴۵	۱	۱۰-۶	۵
۶	۱۳۰ " " " "	۴۵	۳-۲	۱۸-۱۳	۶
۹	۱۴۰ " " " "	۴۵	۸	۱۸-۱۰	۹
۶	۱۵۰ " " " "	۴۵	۹	۲۲-۲۹	۶
۷	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کا آسان علم و عرفان کے دودرخشہ تارے حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی مہاجر اور حضرت شاہ محمد یعقوب محدث دہلوی مہاجر کاروان اہل فضل و کمال (تلامذہ حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی)	۴۵	۳-۲	۳۱-۲۵	۷
۱۵	۶۶-۵۲	۴۵	۱۱-۱۰		۱۵
۸	۲۸-۲۱	۴۵	۱۲		۸
۵	۲۹-۲۵	۴۶	۱		۵
۴	۳۰-۲۷	۴۶	۲		۴
۱۰	۳۱-۳۲	۴۶	۳		۱۰
۵	۳۳-۲۹	۴۶	۴		۵
۶	۳۴-۲۹	۴۶	۵		۶
۵	۳۵-۳۱	۴۶	۶		۵
۶	۳۶-۲۱	۴۶	۷		۶
۸	۳۸-۳۱	۴۶	۸		۸
۸	۳۸-۲۱	۴۶	۱۰-۹		۸

تفسير الطبري كل جلد ١٨٠٠	القاموس المحيط ١٨٠٠	كتاب الفائقين للسكندر ٢٥٠
تفسير ابن كثير ١٠٠٠	المعجم الوسيط ١٠٠٠	نقائص جريد الاقطار ٢٠٠
في ظلال القرآن سيد قطب ١٠٠٠	المورد عربي انكليزي ١٠٠	مقام الطوفان للسكندر ٢٠٠
تفسير الدر المنثور في ١٠٠٠	المورد انكليزي عربي ١٠٠	في النقد الادبي ١٠٠
حاشي القرآن واعرابه للنجاح ١٠٠	مختار الصحاح للرازي ١٠٠	تاريخ النقد الادبي ١٠٠
معق ٥ جلد ١٥٠٠	المتجدد ٨٠٠	ادب الكتاب ابن حقيبه ٢٠٠
تفسير المعاني ٢ جلد ١٠٠	معجم مصطلحات الادب ٤٠٠	في تاريخ النقد والمذاهب ١٢٠
المعجم المفهرس لالفاظ القرآن ٢٥٠	قاموس المصطلحات الاسلامية ٢٥٠	الادبية ١٢٠
المعجم المفهرس لالفاظ الحديث ٢٣٠	شرح فقه القدير لابن همام ١٥٠	تاريخ النقد الادبي والبلغة ١٢٠
المعجم الكبير للطبري ٥٠٠	المستقصى للقرآن مع فواتح ١٥٠	طبقات قول الشعراء ٤٠٠
٥٠٠	الجمعي للقرآن ٥٠٠	تاريخ الادب العربي عشرين ٤٠٠
٥٠٠	جمعي رسائل العرب ٢٠٠	شوقي شريف ٢٠٠
٣٠٠	جمعي خطب العرب ٢٠٠	الكامل في اللغة والادب ٢٠٠
٩٠٠	البيان والتبيين للجاحظ ٨٠٠	المورد ومعق ٢٠٠
٢٥٠	كتاب الجلاء للجاحظ ٢٥٠	شرح شافيه ابن الجلاب ٢٥٠
٢٠٠	اشارات ابن المقفع ٢٠٠	حاشية الفخرى على شرح ٢٥٠
٢٥٠	شرح مقامات بديع الزمان ٢٥٠	ابن هليل ٢٥٠
١٢٠٠	جمعي اشعار العرب ٩٠٠	المفصل في العربية للزحري ٢٠٠
٢٠٠٠	شرح ديوان ابى تمام ٢٠٠	تاريخ بغداد ٩٠٠
٢٠٠	شرح ديوان جرير ٢٠٠	تاريخ الطبري ٥٠٠
١٠٠	ديوان البحتري ٢٠٠	ثقافة اسلامية في الهند ٢٠٠
١٠٠	شرح ديوان المتقي ٢٥٠	عبد الحفيظ ٢٠٠
١٢٠٠	كتاب المعاني الكبير ٢٠٠	الموسى شرح الموطأ للامام ٢٠٠
١٨٠٠	اساس البلاغة للزحري ٢٥٠	الدهلي ٢٠٠
١٨٠٠	اسرار البلاغة للزحري ٢٥٠	الفيروز شرح الميام ٢٥٠

تفسير ودرث اور عربی زبان دارب سے تعلق ایم مراد اور ملا تاج الدین الی احمد علی ندوی
سید قطب الدین بنی اور غنی کن کی شاہکار تصانیف

مستند حراہیہ

محتویات

۸۶/-	فضائل تہجد	حضرت جی کی یادگار تقریریں ۳۶/-	اسلام میں پردہ کی حقیقت ۵۶/-
۹۶/-	فضائل مسواک	حل مشکلات ۸۶/-	احقرات اور مفصل جوابات ۱۵۶/-
۴۶/-	فضائل نماز	حج اور اس کی دعائیں ۲۵۰/-	الکاح اسلام ۱۰۶/-
۵۶/-	فضائل تبلیغ	۹۶/- حالات جہنم	اسوہ رسول اکرم ۵۵۶/-
۱۳۶/-	فضائل ذکر	۱۳۶/- حکایات صحابہؓ	آخرت کے فکر مندوں کے ہفتے ۵۶/-
۷۶/-	فضائل قرآن	۵۶/- حضرت ابو بکرؓ	احوال بندہ ۵۶/-
۶۶/-	فضائل رمضان	۶۶/- حضرت عمرؓ	امت مسلمہ کی مائیں ۸۶/-
۳۸۶/-	فضائل صدقات مشک	۵۶/- حضرت عثمانؓ	اسلامی معلومات ۱۷۶/-
۲۶۶/-	فضائل حج	۵۶/- حضرت علیؓ	۵۶/- ۲۷۶
۱۶۶/-	فضائل دیود شریف	۷۶/- خدا کی جنت	۵۶/- ۳۷۶
۹۶/-	منون دعائیں	۷۶/- خدا کا ذکر	۵۶/- ۴۷۶
	مسلمانوں کی موجودہ سچی کا	۳۶/- دعوت ذکر	۹۶/- ایک اہم دینی دعوت
۳۶/-	واحد علاج	۷۶/- رسول اللہؐ کی صاحبزادیاں	۱۰۶/- الحزب الاعظم منظم
۵۶/-	منون اور مقبول دعائیں	۹۶/- رسول اللہؐ کی پیشین گوئیاں	۱۰۶/- تبلیغی سات تمبر
۳۶/-	معین التجوید	۹۶/- رسول اللہؐ کی دعائیں	۴۶/- چھ باتیں خود
	مردوں اور عورتوں کے	۷۶/- رسول اللہؐ کی نعمتیں و سلام	۵۶/- چھ باتیں کلاں
۵۶/-	خصوص مساکین	سوانح محبوب الہی حضرت	۱۶۶/- چھ باتیں اور منون دعائیں کجاہ
۷۶/-	مسلمان خاوند	۱۵۶/- نظام الدین اولیاءؒ	۲۰۶/- چار ستارے
۸۶/-	مسلمان بیوی	۲۶/- صبح و شام کی دعائیں	۲۶/- چہل ربنا
۱۸۶/-	مرنے کے بعد کیا ہوگا؟	۲۰۶/- طہ نبویؐ	۷۶/- حیاتہ الصحابہ اول
۹۶/-	میدان حشر	۵۶/- عورتوں کی نماز	۷۶/- دوم
۷۶/-	مسلم خواتین کے لئے عیسائی	۳۶/- فضائل توبہ و استغفار	۷۶/- سوم
۶۶/-	والدین کے حقوق	فضائل اعمال اول	۲۰۶/- نیک سٹ
۶۵۰/-	پیشین شریف	۵۶/- فضائل اعمال دوم	حضرت محمدؐ کی اساتذہ
	و عارفانہ مشاہد	۵۶/- فضائل اعمال دوم	ان کی دینی دعوت

ENGLISH PUBLICATIONS

Uswai Rasool-E-Akram	80-00
Hayat-uz-Sahabah (3 Vols Set)	
each Vol.	180-00
Stories of Sahaba	30-00
Faza'il-e-Aamal	80-00
The Holy Quran By M. M. Pickthal	
Text & Trans	75-00
Riyasus salihien (Vol. 1 & 2)	280-00
Six Fundamentals of Islam	8-00
Peculiar Personal Problems of	
Man and women	10-00
Hazrat Muhammed the Prophet	
of Islam	12-00
Hazrat Abubakr (Raz.)	12-00
Hazrat Osman (Raz.)	12-00
Hazrat Omar (Raz.)	12-00
Hazrat Khalid Bin Walid (Raz.)	12-00
Hazrat Aisha (Raz.)	12-00
Four Companions (Raz.)	40-00
Hazrat Ali (Raz.)	12-00
Al-Fisbul Azam	18-00
Fundamentals of Islam	12-00
Teachings of Tabligh	15-00
Quranic Advices	15-00
Prayers of the Prophet (saw)	12-00

FRENCH PUBLICATIONS

LE SAINT CORAN	Rs. 100-00
LE 22 NEIGNEMENTS, DEL ISLAM	Rs. 70-00

MDARA ISHAAT-E-DINIYAT
HASANAT NAZAMUDDIN
NEW DELHI-110 015
(INDIA)

المطبوعات العربية

٨٠٪	الشيخ محمد الياس ودعوة الدينية
٤٤٪	حياة الصحابة - ٤ (وشكل وعش)
٣١٪	حياة الصحابة - ٣ (قديم)
٣٠٪	روضة الأجناب
٢٠٪	رياض الصالحين
٣٥٪	فضائل الأعمال
٣٥٪	منظر الموت وما بعد الموت
٢٥٪	دلائل الأمور الستة

हिन्दी प्रकाशन

फ़ज़ाईले आनाउ १	६५-००
फ़ज़ाईले आनाउ २	७५-००
फ़ज़ाईले उदकाल	५०-००
फ़ज़ाईले हज़	६०-००
फ़ज़ाईले क़स्व क़रीफ़	१५-००
हिन्दायाले सहाबा रज़ि	०२०-००
फ़ज़ाईले मनाज	१०-००
हज़ व उमरा और उदकाल	
लरीका	१८-००

خود سے بڑھتے

۱۔ اس سے پہلے کہ تاؤ فرستیں منورہ سمجھیں ۔
۲۔ آپکا رڈر آنے پر کتاب کی جو قیمت ہوگی وہی لگائی جائے گی ۔
۳۔ مال منگوانے والے حضرات کم از کم ۲۵ فیصد توہینگی ارسال فرمائیں ۔
۴۔ تمام اخراجات پبلنگ وی، پی، ڈیو، پور خریداریہ ہونگے، ۵۔ جیک، ڈرائنگ اور پور خریداریہ ۱۰ فیصد اضافہ ممکن ہے ضمانت اور خوشخط لکھئے، ڈرائنگ اس نام سے بنائیں گے ۔

IBARA ISHAAT-E-DINYAT

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی تازہ شہکار تصنیف

المَقْصُودُ

(دوسرا ایڈیشن ترہیمات و تصحیحات کے بعد)

یعنی امیر المؤمنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی مفصل سوانح حیات خاندانی خصوصیات، وہابی کالات، خلفاء کی ترتیب زمانی میں حکمت الہی و مصلحت اسلامی، اسلام کے مفاد میں خلفاء ثلاثہ کے ساتھ حضرت علیؑ کا بے نظیر خلاص و تعاون، خلافت مرقضوی کے عہد اور اس کی عظیم مشکلات، بے نظیر ابدانہ سیرت و مصلحانہ و مرتبیانہ کردار، فرزندان و الامراء (حضرت حسن و حضرت حسینؑ) کی عطر نیر سیرت و اخلاص اور ان کے اپنے اپنے وقت میں صحیح فیصلے اور اقدامات، آل رسول (سادات کرام) کے اعلیٰ اخلاق و شمائل، امت کی اصلاح و تربیت کی دائمی فکر، اسلام کی تبلیغ و اشاعت، جہاد فی سبیل اللہ اور ممالک اسلامیہ کی حفاظت و دفاع میں ہر عہد میں ان کا قائدانہ و اولوالعزمانہ کردار مستند کتب تاریخ ناقابل انکار واقعات و حقائق اور تجزیاتی و تقابلی مطالعہ کی روشنی میں۔

معیاری کتابت، آفٹ طباعت، صفحات تقریباً ۴۶۴ قیمت شش ماہہ پونے

نوٹ :- خصوصی رعایت صرف اس کتاب کے لئے۔ ایک کتاب پر

بڑے ۲۵ فیصد۔ پانچ کتاب پر بڑے ۳۵ فیصد، اور دس کتاب پر بڑے ۴۳ فیصد

مصارف ڈاک و پوسٹ خریدار کے ذمہ ہوں گے۔

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پبلسٹس ۱۱۹ ندوۃ العلماء لکھنؤ

ماہی بحث و نظر کا فقہی سیمینار نمبر

جولائی میں منظر عام پر آ رہا ہے

جدید عصری مسائل پر یقیناً امت کے ۶۰ مقالات و مباحث کا مجموعہ

کیا کسی انسان کا عقود (گروہ، آئینہ وغیرہ) دوسرے عقود مند انسان کے جسم میں منتقل کرنا جائز ہے؟
- غوطہ خوردگی (آپریشن) و انجمن حل دواؤں کے شرعی حدود کیا ہیں؟
- کیا گریہ کے مکان و مکان پر پگڑی لینا اور دینا جائز ہے؟

فقہی سیمینار نمبر، بیگزین سائز، ۳۵۰ صفحات، فوٹو آفٹ کی عمدہ طباعت قیمت تقریباً ۲۵

مقالہ نگاروں میں :- حضرت مولانا امت الشرحانی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ڈاکٹر طاہر جابر
فیاض العلوانی (رام پور)، مولانا بابر ان الدین بھٹائی، مولانا مفتی ظفر الدین، مولانا مفتی جمیل الرحمن، میر آبادی، مولانا
قاضی مبارک لاہوری، مولانا جمیل اللہ ندوی، مولانا خالد بیٹ الشرحانی، مفتی احمد رضا، مولانا شمس میرزادہ وغیرہ۔
فارئین و ایجنٹ بنگلہ آرڈر بھیج کر اپنی کاپی مخصوص کرائیں۔

ہفتہ :- بحث و نظر - پھلواری شریف، پٹنہ ۷

ایشیائی کی دنیا میں چمکتا دکتا نام

انڈیا کاپی ہاؤس

کاپیاں، رجسٹر، لیجر اور نوٹ بکس کے ماہر
تاجروں کیلئے خصوصی رعایت

۱۹۷۶ء بازار جھاؤ لال متصل تبلیغی مرکز کچہری نوڈ لکھنؤ

اردو ادب میں دو نایاب اضافے

مولانا شبیر احمد کاندھلوی مرحوم نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی وفات اور حالات پر مبنی دو مکتوم مجموعے مرتب کیے جن کو علمی و دینی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا ہے۔
 ۱۔ غم نامہ فراق، ساخندہ وقات شیخ الحدیث ۲۰ صفحات ۸۰ قیمت ۱۰/-
 ۲۔ درد نامہ حسرت، حالات شیخ الحدیث ۲۰ صفحات ۲۰/- قیمت ۲۰/-
 طے کا پتہ: ڈاکٹر شجوا وید احمد کتب خانہ عزیزیمہ اردو بازار جاج مسجد مدنی ۶

چند ادبی نکتے

۳۰/-	بلراج کوئی	ادب کی تلاش	ڈاکٹر شفاق الشیرازی	۱۲۵/-	فراق کی شاعری
۲/-	ڈاکٹر شارب راولپنڈی	تعمیری مطالعے	ڈاکٹر نظام رسول کوئی	۸۰/-	ابجد کی شاعری
۳۰/-	مہدی جعفر	اردو افسانے کے افاق	کالم علی خاں	۸۰/-	مکتوم حقیق
۳۰/-	اختشام حسین	ساحل اور سمندر	ڈاکٹر فرید احمد بکائی	۱۵۰/-	فرہنگ کلیات
۱۲/-	محمد علی صدیقی	کونے کی سرگزشت	ڈاکٹر خوشحال زیدی	۲۰/-	لہجہ میں جوں کا لب
۳۵/-	ڈاکٹر انور سجاد	مغربی تحفہ کے اصول	ڈاکٹر شفاق شجوا وید	۲۰/-	بکال کے زبان کے اردو کا فن
۳۰/-	نامی انصاری	افکار و اظہار	ڈاکٹر عبد مقل	۶۰/-	نعت اور نعت
۲۵/-	الطاف حسین ثروانی	تاریخ و تحقیق	ڈاکٹر حفیظ نقوی	۲۰/-	نماش و تجارت
۶۰/-	مرزا جعفر حسین	سنگش خیات	عشق حقیقی	۳۰/-	شعری کی شناخت
۳۰/-	منظر نسیم	مجاز، حیات اور شاعری	ڈاکٹر عبدالرؤف	۱۵/-	ایک نایاب مکتوم
۱۲/-	علی محمد زیدی	تاریخ ادب کی تدوین	یو فیسر ممتاز حسین	۳۰/-	غالب کی مطالعہ
	(فہرست کتب طلب فرمائیے)		ڈاکٹر علی احمد قاسمی	۳۰/-	فراق فن اور شخصیت

نصرت پبلشرز۔ امین آباد لکھنؤ ۲۲۶-۱۸

ماہنامہ الفرقان کی اشاعت خاص "فریدی نمبر" شائع کرنے پر ہم دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

گڈ فٹ اینڈ کمپنی

لکھنؤ ۲۲۶-۱۸

نظیر آباد

شیروانی اور موٹ کی سٹال میسجے ہماری خاص شہرت ہے۔

ان غلطیوں کے مطالعہ سے آپ کو پوری طرح جان و بوجھ ہو سکے ہیں۔ اگلی صفحہ

مرحبان و بھگتے ہیں: غنی ہو

برکات رمضان

ماہ رمضان اہاس کے خاص اعمال
و وظائف کے فضائل و برکات احسنی
و مہملی تاثیرات کا شوق انگیز بیان۔

آسان زبان میں مولانا محمد علی صاحب
کی ایمان اور ذرا اصلاحی و تبلیغی تقریروں
کا مجموعہ - قیمت جلد نمک ۴۰/-

دین و شریعت

اس کتاب میں توحید، اخوت و برکت

تلازم، فتنہ، مذہب و حکومت، اخلاقی مسائل
دھرم و جہاد، سیاست و حکومت اور
اہل حق و متقین کے مباحث پر تفصیل
سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ (زیر طبع)

آپ ج کیسے کریں؟

یہ کتاب نہایت سہانہ و دلکش ہے۔
میں اس کا مطالعہ اور احکام و مسائل کا بھی
جانتی ہے۔ اور بعض اوقات اس کی پڑھ
کرتی ہے جو مجھے دنیا پرست کی جگہ ہے۔
قیمت جلد نمبر ۱۱۰ فیروز گاہ ۱۰

احادیث نبوی کا ایک جامع انتخاب
آسان اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ
اس مجموعہ میں ان احادیث کا انتخاب کیا گیا
ہے جن کا انسانوں کی فکری و اعتقادی
اور عملی زندگی سے خاص تعلق ہے اور
جس میں امت کے لئے ہدایت کا خاص
نشان ہے۔

قرآنی ہدایات احساس کی اہم تفسیر
کا بیان تو ہے جس میں سیکڑوں غلوں
کے تحت مختلف قرآنی آیات کو نہایت
مؤثر انداز پر حشر شرمات کے ساتھ
پیش کیا گیا ہے۔ قیمت جلد ۱۷۷/-

آپ بجے کریں کا خط۔ پاکستان
میں۔ قیمت ۲/۵۰

امام، بانی شیخ احمد سرمنہادی مجدد دین
عالمی کے سوانحیات، آپ کے عرفانی
ادار شاہی خصوصیات قیمت جلد ۱۳۹
شیخ نجم الدین عبدالحاکم کی تحفہ پروردگار
دو ہندستان کے عارفی پرائے وقت
نیا پیشہ ————— زیر طبع

قرب بالقرائن، اقرب بالنوازل کی
شریکہ وجودہ حالات میں قرب بالقرائن
ترجیح کیوں؟ اس سال میں پڑھئے

میری حالت

قصوف کے انشور یا پیکتا یہ ہے
 قمار کے بارے میں احکام و ضوابط
 ش کے بلحاظ کے احکام بہت
 از ہے ۔
 قیمت جلد :- ۱۶/-

۲۱- حضرت مولانا محمد امجد علی صاحب

اسلام کے کلمہ دعوت - علامہ ابراہیم
محمد صالح المنجد کی ایمان افروز تشریح
قیمت ۱۶۰

نماز کی حقیقت

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵

یاد ارق الغیب

ماصل ہوئی ۹ - قیمت ۲/-

قابلی کیوں مسلمان نہیں

مسئلہ نزولِ سیم دیات مسیح

مذہبِ اہل بیت پر لا جواب کتاب جو عام و خاص سب کے لئے یکساں مفید ہے قیمت ۱۰/-

نیت قادیان پر غور کر نیک سید صالحہ

قادیانیت پر مولانا کا یہ مختصر مصلحہ دریا کو ذہن کا مصداق اور قادیانیت کے زہر کا عجب تریاق ہے۔ قیمت ۳/۵۰

کفر و اسلام کی حدود اور قادیانیت

اس میں قادیانی لٹریچر کے بیسوں حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ قادیانی فرقہ مرزا غلام احمد کو نبی و مہدی ماننا ہے اس لئے وہ مسلمان نہیں۔ قیمت ۲/۵۰

انسانیت زندہ ہے

حضرت مولانا محمد شفیع رحمانی مدظلہ کی زندگی کے چار سبق آموز واقعات، فرقہ دارانہ فسادات کے موجودہ دور میں ایک ایسا رسل جو ہر بات کو یکساں چھوڑنا چاہیے قیمت ۲/۵۰

نماز اور خطبہ کی زبان

نماز اور خطبہ عربی میں کیوں پڑھا جائے اس بارے میں شرعی حکم اور حکمتیں اس کتاب میں بیان کی گئی ہیں۔ قیمت معروف ۲/۵۰

مولانا امجد علی کیسٹ میری رقت

کی سرگزشت اور بابائے مروت

مولانا رحمانی مدظلہ کی ایک اہم تصنیف اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے جس میں مولانا مومن نے خود ہی صاحب کی ان باتوں اور نظریات کی نشاندہی کی ہے جو امت کے لئے بالخصوص ان کے حبیبین کیلئے زین و ضلال کا باعث بن سکتے ہیں قیمت جلد مکی قیمت ۱۸/-

تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی

اور - بریلوی حضرات اس کتاب میں مدظلہ ذیلہ اہتمام میں مضامین جمع کر دیئے گئے ہیں۔ ۱۔ تبلیغی جماعت کی اصلی دعوت و بنیادی مقصد اور طریقہ کار کی وضاحت۔ ۲۔ تبلیغی جماعت سے متعلق ایک سماجی ڈی اے کے ایسے سوالات کا جواب جو بہت سے دلوں میں پیدا ہوئے۔ ہوں گے ۳۔ مولانا امجد علی صاحب کا ایک مختصر جس میں انہوں نے اپنا یہ تاثر پورے زندگی کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ اس زمانہ میں اچارہ دین کی جدوجہد کا یہ طریقہ ہی ہے جو تبلیغی جماعت کا طریقہ ہے۔ ۴۔ تبلیغی جماعت پر جماعت اسلامی کی طرف سے کئے جانے والے اعتراضات کا جواب ۵۔ بریلوی جماعت کی تاریخ اور تبلیغی جماعت پر لگائے گئے ان کے الزامات اور بتائوں کی حقیقت۔ قیمت مکی ایڈیشن ۶/۵۰

عربی علم کی تہذیب میں مصلحت خدائی مذکور کی ایک مختصر تصنیف جس میں ہائیم قرآنی آیتوں سے بریلوی مبتدیانہ کے اس عقیدے کا باطل افسانہ ٹکڑا دیا گیا ہے۔ قیمت ۲۸/-

فیصلہ کن مناظرہ

اکبر طالعہ کو دیندہ بریلوی اور مولانا خاں بریلوی کے مابین تحریری الزامات کا تحقیقی جواب بنیاد پر مبنی کتاب ہے۔ ۱۳/-

شاہ اسماعیل شہید اور

معاذین اہل بدعت کے الزامات حضرت شاہ شہید میں مقدس لہجہ پر مساندین اہل بدعت کے مکروہ الزامات کا تحقیقی جواب۔ قیمت ۶/-

عقیدہ علم غیب

رسل اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا یا نہیں؟ اس سوال کا مدلل جواب قرآن وحدیث کے حوالوں کے ساتھ۔ قیمت ۲/-

مسئلہ حیات النبی کی حقیقت

کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر موت نہیں وارد ہوئی؟ یا جس حیات کے ساتھ اس دنیا میں رونق افروز ہوئے اسی حیات کے ساتھ قبر مہلک میں منتقل ہو کر دیئے گئے؟ یا آپ کو ہرگز نہیں مرنے والا تھا؟ اس دینی مسئلہ کے حقیقی جواب کے لئے اس کتاب میں حیات

حالات کا تقاضا ہے کہ

ہر مسلمان کو آیت اللہ خمینی ایرانی انقلاب
اور شیعہ مذہب کے بارے میں ضروری معلومات

ہوں

اس مقصد کے لئے

ان تین کتابوں کا مطالعہ انشاء اللہ بہت مفید ہوگا

ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت | از حضرت مولانا محمد منظور علی

انگریزی ایڈیشن ۲۵/۰

قیمت ۲۲/۰ روپے

انڈیا اور انگریزی کے علاوہ عربی، فرانسیسی، ہنگری، تھائی، ملائی، وغیرہ متعدد زبانوں میں اس کتاب کے
کئی ایڈیشن دنیا کے مختلف ملکوں میں شائع ہو چکے ہیں

خمینی اور اثنا عشریہ کے باہمی روابط کے علمائے اہل حق کا متفقہ فیصلہ

قیمت حصہ اول: ۱۶/۰ روپے، حصہ دوم: ۱۲/۰ روپے

انقلاب ایران - اور - اسکی اسلامیت

از مولانا عتیق الرحمن سنہلی

(یہ کتاب مصنف نے ایران کے سفر اور وہاں حقائق کے براہ راست مشاہدہ کے بعد لکھی ہے)

قیمت ۱۶/۰ روپے

ہمارا پتہ

الفرقان بک ہاؤس ۳۱ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

۲۲۶۰۱۸

تابعدہ مولانا نسیم احمد فریدی علیہ الرحمہ کی

چند یادگار تصانیف

تجلیات ربانی تلمیذ ترجمہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی

قیمت حصہ اول ۳۰/۰ حصہ دوم ۲۵/۰

تذکرہ خواجہ باقی باہد مع خلفاء و صاحبزادگان قیمت ۳۰/۰

تذکرہ شاہ اسماعیل شہید قیمت ۱۰/۰

وصایا شیخ شہاب الدین بہرودی قیمت ۳۰/۰

مولانا فریدی کی تین نئی کتابیں

قافلہ اہل دل :- مرزا مظہر جان جانا کے خلیفہ و جانشین حضرت شاہ غلام علی مجددی
اپنے ملفوظات کے آئینہ میں۔ اور ان کے خلفاء کا تذکرہ۔

حضرت شاہ ابوسعید حسنی سلسلہ ولی الہی کا ایک گنام درویش

حضرت شاہ ابوسعید قطبی رائے بریلوی کے مختصر تالاف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خاندان سے ان کے
تعلقات و مراسلات کی روشنی میں ساتھ میں ان کے ایک گنام خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر صاحبزادے کا تذکرہ
شاہ عبدالرحیم و ابوالرضا حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم فاروقی
دہلوی اور حکیم شاہ ابوالرضا فاروقی دہلوی کے حالات و ملفوظات
اور مکتوبات کا انمول مجموعہ

ناشر الفرقان بکدلو۔ ۳۱۔ نیا گاؤں مغربی۔ نظیر آباد۔ لکھنؤ۔ ۱۹۷۷ء



سنتے با اہل دل بریلوی فتنہ کا نیارو پ

از: مولانا محمد عارف مسیحی

یہ کتاب اہل سنت والجماعت کی کتاب و کتابت کا جواب
ہی نہیں بریلوی فتنہ پر لکھی گئی ہے بلکہ علم غیب الہی
کا کتابت میں تھن کے عقیدہ کی جو تبلیغ کی گئی ہے وہ اس
کتاب کا خاص مقصد ہے۔
ساتھ میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کا ایک اہم مضمون
علاوہ دیوبند پر بریلویوں کے الزامات کا پس منظر
میں ملاحظہ کیجئے۔
قیمت: ۱۵/

محققہ: مولانا سید ابوالحسن ندوی

عارف باللہ حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب جوہالی
عرفت میں تھن میاں کی عرفانی و اصلاحی مجالس کا
مرقعہ اہل سنت کے ارشادات و موقوفات کا مجموعہ عربی
میں مصر مصر کے ذوق اور مزاج کے مطابق زندگی
کی اصلاح کا پیغام، ایمان و یقین و کیفیت احسانی
پیدا کرنے کا افسانہ، ادھکایت و تیشات کے پرانے
میں مضمون اسلامی کا عطا اور سلوک معرفت کا لبت
لباب آگیا ہے۔ قیمت: ۳۲/

قرآن کی بیسٹ پیرا پرائز نمارت

○ از: سید بن محمد حسن، ایڈیٹر مرموم

تلاوت کی سنگین غلطیوں سے محفوظ رہنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے، قیمت صوف ۱۴/

دربار نبوت کی ساقی

مولانا ناصر امین گیلانی مرحوم کے حج کے سفر کی حاشیہ
دستاویزستان، مولانا کے ایسٹریڈیاں میں
پڑھئے۔ نیا علی ایڈیشن قیمت ۶/

تاریخ میلاد

مولانا احکیم صمد الحق دمرزا پوری

مجلس میلاد کی مفصل تاریخ، کے بارے میں علماء کرام
کا مطالعہ اس میں قطعاً اعتدالی کیا ہے قیمت ۱۱/

تلیے کا الفرقہ بڈلوی ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ، یوپی

کتابوں کی مختصر فہرست

۲۸۰	تذکرہ ائمہ اربعہ	۱۱۸/-	تاریخ اسلام مکمل ۴ جلدیں	۲۸۰	آپ کی مولانا صاحبی
۲۷۰	تذکرہ مصنف الامت اولیہ ۲۲ جلد ۲۷۰/-	۳۰/-	تاریخ اسلام	۳۷/-	طوفان سے ساحل تک
۲۷۰	تذکرہ المصنفین	۳۲/-	تاریخ عربی و اسلامی	۱۰۰/-	کاروان زندگی مکمل ۱۰۰ جلدیں
۱۲/-	کاروان ایمان و حریت	۱۸۰/-	تاریخ فرقہ مکمل ۲ جلد		
۱۵/-	وفیات ماجدی	۲۰/-	عربی زبان کا دہا ہمدانیہ		

تصوف

۲۵۰/-	ایضاح الصوفی مکمل	۵۵/-	تاریخ الفقار
۶/-	اکابر کا سلوک و احسان	۲۲/-	ہندوستان کے عہد و ملی کا فنی نظام
۹۵/-	تالیفات مصنف الامت	۱۵۰/-	ہماری بادشاہی
۲۰/-	ترکیہ و احسان یا تصوف سلوک	۱۵۰/-	مادایام
۲۷/-	مراستقیم		
۲۵/-	کلیات امامیہ		

تفسیر و قرآن

۲۲۵/-	تفسیر ابن کثیر مکمل ۲ جلد
۳۰۰/-	تفسیر بیان القرآن مکمل ۲ جلد
۵۰/-	تفسیر معارف القرآن مکمل ۲ جلد

حج

۲۵۰/-	آئینہ حرم
۲/-	حج کے چند شہادت
۲/-	حج کی شرعی حیثیت
۲۲۲/-	کاروان مدینہ
۱۵۰/-	سفر اکابر

حدیث و علوم حدیث

۱۶۰/-	مکمل فقہ صحیح مسلم مکمل ۲ جلد
۳۰/-	الاولیاء و التراجیم
۳۵۰/-	بنی شریف مکمل مترجم
۲۵۰/-	ترمذی شریف مترجم مکمل

تاریخ و عہد و حریت مکمل ۵ جلد ۲۲۵/-

۵۵/-	تاریخ الفقار
۲۲/-	ہندوستان کے عہد و ملی کا فنی نظام
۱۵۰/-	ہماری بادشاہی
۱۵۰/-	مادایام

تبلیغ

۹/-	ایک تفسیری جماعت کی کارگزاری
۲/-	ایک مطالعہ یا ایک مقالہ
۲۰/-	تبلیغ و دعوت کا جواز اسلوب
۱۵۰/-	تبلیغ کا مقامی کام
۱۰/-	تبلیغی تحریک کے بنیادی اصول
۲۷/-	روشنی اولیہ ۲۴۰/- دوم
۵۰/-	فضائل اعمال یا نیکی نصاب اول
۵۰/-	دوم

تجوید و قرأت

۲/-	ضیاء القرآن
۲/-	جمال القرآن
۲/۵۰	فوائد میکہ
۳/۵۰	منظر التجوید
۲/۵۰	نوبتہ القاری

تذکرہ

۵۰/-	پرنس چراغ مکمل ۲ جلد
۱۰/-	تذکرہ مولانا فضل الرحمن مخدوم آبادی

آپ کی

۲۸۰	آپ کی مولانا صاحبی
۳۷/-	طوفان سے ساحل تک
۱۰۰/-	کاروان زندگی مکمل ۱۰۰ جلدیں

اسلامیات

۲۷/-	اسلام مکمل دین مشعل تہذیب
۲۷/-	اسلام کا پیغام نبی نور انساں کے نام
۱۰/-	اسلامیات اور مغربی مشرق
۶۵/-	اسلامی ثقافت
۲۷/-	اسلامیت اور مغربیت کی کشش
۲۲/-	اسلام اور غیر اسلامی تہذیب
۸۰/-	اسلام کی بنیاد یا آن اسلام مکمل ۲ جلد
۱۰/-	تہذیب و تمدن کے اسلام پر اثرات
۵۰/-	ساجد اسلام
۱۸۰/-	محرک ایمان و مادیت
۳۰/-	منصب نبوت

ایمان اور ذوق قصے و حکایات

۲۵۰/-	ادوار تہذیب (حکایات اولیا)
۶۰/-	اٹھ دلوں کے قصے
۲۵۰/-	ایک نہایت عجیب و غریب کہانی
۲۷۰/-	چوں کی قصص الانبیاء اولیٰ بنیام
۱۳۰/-	حکایات صحابہ

تاریخ

۱۶۰/-	تاریخ اسلام مکمل (از بکر شاہ)
۲۵۰/-	تاریخ بیت المقدس
۲۵۰/-	تاریخ سلطنت
۲۲۰/-	تاریخ صفویہ

سیرت مہاجر و ہجرت ۱۲/ جلد ۲
سیرت مہاجر ۲۵/۱
سیرت و اہل بیت علیہم السلام ۲۰/۱
سوانح اہل بیت علیہم السلام ۲۰/۱
علامہ سید سلیمان ندوی ۴۰/۱
ہمارے اسلاف ۱۰/۱

علوم قرآنی

آسان لغات القرآن ۳۰/۱
فہم القرآن ۴۰/۱
قاموس القرآن ۳۵/۱
مطالعہ قرآن مجید ۳۵/۱
مطالعہ قرآن کے اصول و مباحث ۱۵/۱

عورتوں کیلئے کتابیں

بہشتی زیور ۲۵/۱
پاک دسترخوان ۳۰/۱
حسن معاشرت ۶/۱
خواتین اور دین کی خدمت ۶/۱
ذائقہ ۶/۵۰
عورت اور پردہ ۴۰/۱
مسلمان بیوی جلد ۱/۱، ۲/۱، ۳/۱

فہم القرآن

احول الفقہ ۲۰/۱
امداد افتادہی مکمل ۱/۱
چند فقہی مسائل ۲۰/۱
جوہر فقہ مکمل ۱۲۵/۱
دین و دنیا ۴۰/۱
علم الفقہ ۶۰/۱
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۰/۱
فتاویٰ رشیدیہ ۱۰/۱، ۲۰/۱، ۳۰/۱، ۴۰/۱

سفر نامے

دیباچہ کابل و یرموک تک ۳۷/۱
دو پہنچے امریکہ میں ۴۰/۱
دو پہنچے مغرب اقصیٰ مرکش میں ۱۵/۱
ڈھائی ہفتہ پاکستان میں ۱۰/۱
شرق اوسط کی ڈاڑھی ۵۰/۱

سیرت النبی

آخری رسول ۱۸/۱
اسوۃ رسول اکرم ۵۵/۱
اصح الاسیر ۵۵/۱
ابنی آفات ۱۲/۱
پیغمبر معظم و آخر ۶/۱
رحمت عالم ۱۰/۱

رسول اکرم کی سیاست خارجم ۲۵/۱
رسول اکرم کی سیاسی زندگی ۳۵/۱
رسالتکاب ۶۰/۱
سیرۃ طیبہ ۲۰/۱
سیرۃ النبی مکمل، جلد غیر ملکہ ۳۱/۱

سیر و سوانح

صحابہ رسول ۳۵/۱
حیات امام ابوحنیفہ ۶/۱
نبات العربہ ۲۵/۱
اشرف السوانح مکمل ۱۲۵/۱
جب ایمان کی بہار آئی ۲۰/۱
حیات الصالحین جلد ۲ ۲۰/۱
حیات خلیل ۳۰/۱
خلقا کے راشدین ۲۵/۱
سوانح عبدالقادر کے پوری ۱۰/۱
سوانح مولانا محمد یوسف گاندھلوی ۱۰/۱

تعلیم و اشاعت مکمل ۱۲/۱
شکوۃ خیرین سزیم علی مکمل ۲۱۰/۱
علوم احادیث ۲۰/۱

حقوق

پڑوسی کے حقوق ۲/۱
حقوق زوجین ۵/۱
حقوق والدین ۵/۱
میاں بیوی کے حقوق ۵/۱

رد و شرک بدعت اور شیعیت

آپ خود فیصد کریں کیا شیعہ مسلمان ہیں ۶۵/۱
اصلی حضرت کا دین ۶/۱
باطل شکن ۲۱۵/۱
بدعات محرم اور تعزیر ۶/۱
بدعت کی باتیں مکمل ۶/۱
تعارف مذہب شیعہ ۲۰/۱
تقریر الامامین مع ذکر الانحوائی ۲۵/۱
تقریر الامامین خود ۶/۱
بدعت کیا ہے ۱۵/۱
توحید کا مخبر ۱۰/۱
حق نامہ ۶۵/۱
حقیقت نامہ ۶۵/۱

دو متضاد تصویریں ۳۰/۱
دیوبند سے پرلی سنگ ۱۰/۱
رضا خانی ترجمہ و تفسیر پر ایک منظر ۲۰/۱
رضا خانیت کا تنقیدی جائزہ ۱۲/۱
زور و زور ۱۵/۱
شہید کر بلا ۱۵/۱
شیعہ اہل قرآن ۲۰/۱
تاکلان مسلمان کی عادت کا شکی ۶/۱
مذہب شیعہ کے چالیس بنیادی ۴۰/۱
حقیقت ۴۰/۱

یہ ضروری بات ہے

جذبی کی وجہ سے مندرجہ بالا جہت میں ہم نے موجود کتابیں صرف چند ہی کتب کا تذکرہ کیا ہے۔ ہمارے اشخاص میں ان موضوعات پر اچھا دھی ہے مثلاً مائیں احمد مندرجہ وہیں۔ نیز دیگر اہم موضوعات پر بھی بہت سی کتابیں ہیں۔ مثلاً معری و مترجم قرآن مجید۔ پارے، دوماؤں کے مجھے، عربی ماہرین میں راجہ وصیات نیز ہندو تحریکی اور عربی زبان کی اس لائبریری میں۔ اگر آپ مزید کتابوں کے بارے میں واقفیت چاہتے ہیں تو آج ہی صبح کے نوک میں بیچ کو ہماری مفصل افہرست کتب طلب فرمائیں۔

میںبر
عماد اللہ، الفرقان بکٹر پورہ۔ نظری آباد (۲۱ نیا گاؤں مغربی) ٹھنڈا



میںاری طباعت — وقت کی پابندی

اسکائی لائن پرنٹرس لکھنؤ

اردو، انگریزی، عربی و ہندی کی شاندار واعلیٰ

آفسٹ طبعت شایعہ

ہماری خدمات حاصل کیجئے

ہمارے یہاں آفسٹ پروسسنگ کی بھی مکمل سہولیات دستیاب ہیں

آپ کو جب بھی طباعت کا مسئلہ درپیش ہو

تشریف لائیے یا رابطہ قائم کیجئے

ہمارا پتہ: اسکائی لائن پرنٹرس — جی اے مٹو لکھنؤ

فون ۳۶۰۹۳
۳۳۰۹۷



فریدی نمبر کی آم اشاعت پر اور جو جنرل سٹور ایجنسیز امین آباد لکھنؤ
دلی مبارکباد پیش کرتا ہے



خون صفا

موسم کی تبدیلی کے زمانہ میں خاص طور پر خون متاثر ہو جاتا ہے، طبیعت مضطرب اور
صحت گرنے لگتی ہے۔ حدت، غارش، پھوٹے، پھنسی، خسرہ، بخار وغیرہ فساد خون
سے پیدا ہونے والے تمام امراض کے لئے خون صفا بہتر ہے۔ فاسد مادہ کا تھپتھپ
کرتا، قبض دور کرتا، اور چہرہ نکھارتا ہے، ہر موسم میں ہر عمر کے لئے مفید ہے۔

تیار کنندہ: دواخانہ طبیہ کالج، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

گرام خوشیو
پوسٹ کجس۔ ۱۹۸

تجربہ بتاتا ہے کہ

فون نمبر 75952

اعظم عالم علی

پروفیسر

جی، نے لکھنؤ کے عطریات کا معیار قائم رکھا ہے
اب ہم بین نئے سنٹ ڈان۔ ڈی۔ رومانس

پیش کرتے ہیں۔
اعظم عالم علی پروفیسر فاطمہ منزل آر بی ایل روڈ فیروز آباد



آپ کی کار اور ٹرک کی بیٹریوں کو
نئی زندگی مل سکتی ہے

مناسب ام — اور — اعلیٰ کام
کیلئے یاد رکھیں

باب سیرمی

ریپرنگ اینڈ چارجنگ کمپنی
لال باغ لکھنؤ

فون رہائش ۳۱۳۲۰

فون آفس



ہر قسم کے مصنوعی اور کپائی شدہ ایلینڈ سازی کیلئے
ملک کے معروف نام

۵۔ بچہ داری اور بچہ کو لگنے

آپ کی طبیعت کو بہتر بنانے کے لیے
آپ کی طبیعت کو بہتر بنانے کے لیے

نیوانڈیا واپچ کمپنی

ظہیر آباد

ادھ اسٹور امین آباد کھٹو کے جانب سے فریدی نمبر کے لئے نیکے خواہشات

فروری ۲۰۰۲

انرجی ہیلتھ ٹانک

ENERGILE HERBAL HEALTH TONIC

ایک انتہائی مفید اور طاقتور ٹانک — خاص طور پر کمزوری کیلئے، خواہ وہ عام کمزوری ہو،
یا سخت محنت اور پر مشقت ورزش کے بعد کی کمزوری، بیماری کے بعد کی نقاہت ہو، یا
بھوک کی کمی، شدید ذہنی تناؤ ہو، یا دماغی و ریاضیاتی تکالیف سے وجہ وزن بڑھ رہا ہو، یا قوت
مزاحمت میں گراؤٹ محسوس ہوتی ہو، یہی نہیں بلکہ بڑھتے ہوئے بچوں کے لئے، حاملہ اور دودھ
پلانے والی عورتوں کیلئے بھی یہ مفید اور اکیس ٹانک

تیا لکھنا۔ شمع لباد ٹرمیز دیونانی اینڈ آئیور ویک (دھلی)

129

With best compliments from :—

Royal Mill Board Industries

Manufacturer of Mill Board & Straw Board

ROYAL STATIONERS

WHOLE SALE OF COPIES & REGISTERS

GWYNE ROAD, LUCKNOW-18

Hotel Burlington

Vidhan Sabha Marg Lucknow-1

Centrally located, Spacious Rooms, Moderate

Charges Homely Comfort and Delicious food.

King Watch House

2, Aminabad Lucknow-18

TEL-33096 & 62765

Distributor of :—

H M T WATCHES

Dealer of :—

TITAN, TIME STAR, ALLWYN &

SONIC WALLCLOCK

جب بھی آپ کو عمدہ لکڑی کی ضرورت ہو ہم سے ملیں

MATEEN
WOOD WORKS

عیش باغ روڈ۔ نزد پولیس چوکی عیش باغ لکھنؤ ۲۲

ہر قسم کی دلکش اور دیدہ زیب گھڑیوں کیلئے
ایک قابل اعتماد دوکان

یونیورسل وائچ کمپنی

گوئن روڈ۔ امین آباد۔ لکھنؤ

فون ۲۹۹۴۴

لکھنؤ چکن آرٹ

نوابین لودھ کی یادگار لکھنؤ چکن آرٹ کے مری کے کرتے، ارگنڈی و پولیٹر کی ساریاں
اور — تھری پیس کنٹراسٹ فوری سوٹ، ٹیری کاٹ و دیوی سلک پر

اسرار احمد خاں لکھنؤ چکن آرٹ نظیر آباد لکھنؤ